

حادثہ کربلا کا پس منظر

محقق عصر

مولانا محمد عبد الرشید نعمانی
مدظلہ کئی دو کتابیں

”شہداء کربلا پر افشرا“
یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں

مرتب

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

اہل سنت کی نظر میں اور تاریخ کی شہادتوں کے آئینہ میں

حادثہ کربلا کا پس منظر

اور

محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ،

کی دو کتابیں

شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

مرتبہ

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

استاد جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی

حال صدر شعبہ عربی دہلی یونیورسٹی



idara

ادارہ اشاعت دینیات (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب :	حادثہ کربلا کا پس منظر اور مولانا عبدالرشید نعمانی کی دو کتابیں شہداء کربلا پر افتراء اور یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں
مرتبہ :	ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی
باہتمام :	محمد انس
کتابت :	نظام قیصر رانچوی
سن اشاعت :	۱۴۲۷ھ
مطبع :	نائس پرنٹنگ پریس۔ دہلی

ISBN 81-7101-386-4

Published by:

IDARA ISHA'AT-E-DINIYAT (P) LTD.
168/2, Jha House, Hazrat Nizamuddin, New Delhi-13
Tel.: 6926832, 6926833 Fax: 011-6322787, 4352786
Email: sales@idara.com Website: www.idara.com

در معنی حریت اسلامیہ و سیرِ حادثہ کربلا

علامہ اقبال

ہر کہہ پیاں باہو الموجود بہت	گر دوش از بندہ ہر سب بورت
مومن از عشق است عشق از مومن است	عشق را ناممکن مکن ناممکن است
عقل سفاک است و اوسفاک تر	پاک تر چالاک تر بیسفاک تر
عقل دروچاک اسبابِ عقل	عشق چو گاہ باز میسدانِ عمل
عشق صید از زور بازو افش کند	عقل متکا را است و اے می زند
عقل را سرمایہ از بیم شک است	عشق را غم و یقین لایفک است
آن کند تعمیر تا ویراں کند	ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل چون باد است از دامنِ جہاں	عشق کمیاب و بہاے او گراں
عقل محکم از اساسِ حق و پسند	عشق عریاں از لباسِ حق و پسند
عقل میگوید کہ خود را پیش کن	عشق گوید تجھ راں خویش کن
عقل باغیر آشنا از کتاب	عشق از فضل است با خود در حساب
عقل گوید شد و شو آباد شو	عشق گوید بند و شوا آزاد شو
عشق را آرام جان حریت است	ناقہ اش را ساربان حریت است
آن شنیدنی کہ ہنگام نبرد	عشق با عقل ہوس پرور چہ کرد
آن امام عاشقان پورِ قبول	سر و آزادے زبستانِ رسول
اللہ اللہ بایں بسم اللہ پد	معنی ذبح عظیم آمد سپر
بہر آن شہزادہ خیر الملل	دوش ختم المریسین نعم الجمل
سرخ رو عشق عنیوار خون او	شوخی این مسیح از مضمون او
در میان امت آن کیواں جناب	ہمچو حرفِ قل هو اللہ در کتاب
موسی و فرعون و شبیر زید	ایں دو قوت از حیات آید پدید

زندہ حق از قوتِ شبیری است
 چون خلافتِ شہ از قرآن گسخت
 خاست آن بسروہ خیر الامم
 بر زمین کر بلا بارید و رفت
 تا قیامت قطع استبداد کرد
 بہر حق در خاکِ نوح غلطید است
 مدعایش سلطنت بودے اگر
 دشمنان چون یک صحرالاعد
 بر سر ابراسیم واسمعیل بود
 عزم او چوں کوہ ساراں استوار
 تیغ بہر عزتِ دین است و بس
 ما سوال اللہ را مسلمان بندہ نیست
 خون او فیراں اسرار کرد
 تیغ کا پھل از میاں بیرون کشید
 نقشِ اَلَا اللہ بر صحرا نوشت
 رمزِ قرآن از حسینِ آنختیم
 شوکتِ شام فر بغداد رفت
 تار ما از زخمہ اش لہزاں مہنوز
 باطل آخر داغِ حسرت میری است
 حریت را ز ہر اندر کام رنجیت
 چوں سحاب قبلہ باران در قدم
 لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
 موجِ خون او چمنِ احب یاد کرد
 پس بناے لالہ گردید است
 خود نکر دے با چنین سامان سفر
 دوستان او بہ نرد ال ہم عدد
 یعنی آلِ اجمال را تفصیل بود
 پاندارت و سند سیر و کامکار
 مقصد او حفظِ آئین است و بس
 پیش فرعونے سرش نگندہ نیست
 ملتِ خوابید را بیدار کرد
 از رُبِ اربابِ باطلِ نوح کشید
 سطرِ عنوانِ نجات نوشت
 زاتش اشعہ اندوختیم
 سطوتِ غرناطہ ہم زیاد رفت
 تازہ از بکسیر او ایناں مہنوز

اے صبا اے پیکِ افادگان
 اشکِ ما بر خاکِ پاکِ اورساں



فہرست کتاب

حرف اول (اہل سنت کا مسلک) نمبر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی

حرف دوم (مقدمہ کتاب) ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

● واقعہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر ●

ڈاکٹر محسن عثمانی ندوی

- حضرت معاویہؓ (۱۸) یزید کی دلی عہدی کے نقصانات (۲۰) دینی طبقہ کی رائے عامہ (۲۲)
- خلافت راشدہ کے بعد کی خرابیاں (۲۳) اختلاف کی بنیاد (۲۶) حضرت معاویہؓ کا موقف (۲۷)
- صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے شفقت (۲۸) حکمت الہی کیا تھی (۳۱) اہل عزیمت کے لئے
- نمونہ اور نظیر (۳۲) ایک بنیادی مسئلہ اور علامہ ابن تیمیہ (۳۵) ظالم حکمرانوں کے خلاف اقدام کے
- بارے میں ابن حزم کا موقف (۳۷) فاسق و فاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی
- کا موقف (۴۰) علامہ ابوبکر جصاص کا موقف (۴۲) امام الحرمین کا موقف (۴۳) حضرت عمرؓ کی
- حدیث (۴۴) اعتدال کی راہ (۴۵) علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسینؓ و یزید کے بارے میں
- (۴۷) انعقاد امامت کا مسئلہ اور اسلام کا اصول حکمرانی (۴۸) زشت روئی سے تری آئینہ ہے
- رسو اترا (۵۲) معاویہ بن یزید کی شہادت (۵۶) حضرت عمر بن عبد العزیز کی شہادت (۵۷)
- علامہ ابن تیمیہ کی شہادت (۵۷) وضع الید فی الید کی روایت (۵۸) و تو ا صوب الحق پر عمل کا
- نمونہ (۵۹) وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے (۶۰) آخر میں ایک بات اور (۶۰) ایک
- مرض اور اس کے اسباب (۶۱)

● شہداء کربلا پر افتراء ●

از محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

- نواصب کون ہیں (۶۵) نواصب کا خاتمہ (۶۴) بڑے صغیر میں نا صبیہیت کی تحریک (۶۸)
- مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام (۶۸) خود ساختہ داستان کربلا (۷۱) جھوٹ کی تنقیح (۷۸) داستان گو کی حساب دانی (۸۶) دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۸۷) تیسرے جھوٹ کی تنقیح (۹۶) نظم کا انجام (۱۰۳) امویوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا (۱۰۷)
- حضرت ابن زبیر پر افتراء (۱۰۸) یزید کی برأت کے سلسلہ میں داستان سرانی (۱۱۶) وظائف مقرر کرنے کا افسانہ (۱۱۷) یزید کی جانشینی کی نرالی توجیہ (۱۱۸) بنی ہاشم پر افتراء (۱۲۵)
- حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲۶) حضرت حسین کو مطعون کرنا (۱۲۹) کتاب کا غلط حوالہ (۱۳۵) صحابی رسول حضرت سلیمان بن مروہ پر طعن (۱۳۶) داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۳۹)
- حضرت علی و حسین کی تحقیر و توہین (۱۴۱) ایک نئی دریافت (۱۴۲) حضرت حسن کے بارے میں داستان سرانی (۱۴۳) حضرت حسین کی تحقیق (۱۴۶) ضروری تنقیح (۱۴۸) شیعہ خالصین کون ہیں (۱۵۳)
- اہل سنت کا عقیدہ (۱۶۱) نواصب لقیہ سے باز آئیں (۱۶۳) یزید کے کروت حدیث کی روشنی میں
- یزید کی شخصیت اہل سنت کی نظر میں ●

از محقق عصر مولانا محمد عبدالرشید نعمانی

- نہمید (۱۶۷) استفتار کے سوالات (۱۶۹) استفتار (۱۶۹) استفتار کا اجمالی جواب (۱۷۵)
- اہل سنت کا شیوہ (۱۷۵) حضور علیہ السلام کے اصحاب ازواج اور ذریت کے بارے میں اچھی رائے رکھنے والا اتفاق سے بری ہے (۱۷۵) حضرت فاطمہ جنتی عورتوں کی سردار ہیں اور حضرات حسین جو انان جنت کے (۱۷۶) یزید سے نفرت کرنا ایمان کا مقتضی (۱۷۷) یزید کے برے کروتوں کی تفصیل شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے قلم سے (۱۷۷) شاہ ولی اللہ صاحب (۱۷۹) نا صبیہوں کے شبہات کے تفصیلی جوابات - پہلے شبہ کا تفصیلی جواب (۱۸۰) غزوہ قسطنطنیہ میں یزید کی شرکت (۱۸۰) مستفتی اگر دوسری حدیث پر غور کرتے (۱۸۰) کسی عمل خیر پر بشارت کا مطلب (۱۹۲) کسی شخص کا نام لے کر سنے جنتی کہنا

اور بات ہے اور کسی عمل خیر پر مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے (۱۹۳) یزید کا نام لے کر اس کو جنت کی بشارت نہیں دی گئی (۱۹۳) حافظ ابن کثیر کی تصریح (۱۹۴) شیعان امویہ کا مذہب (۱۹۴) یزید کا مجاہدین روم کا مذاق اڑانا (۱۹۵) حضرت معاویہ کا بالجبر اس کو جہاد پر روانہ کرنا (۱۹۶) زمام خلافت سنبھالتے ہی (۱۹۶) "سیدنا یزید" کے مولف کی شرمناک حاشیہ آرائی (۱۹۶) بالفرض یزید جہاد قسطنطنیہ میں دل سے شریک ہوا تو (۱۹۸) شاہ ولی اللہ صاحب کی تصریح (۱۹۹) ایسے کام کئے جو لعنت کے موجب تھے حدیث میں جن چھ افراد کو لعنتی بتایا گیا ہے (۱۹۹) منظام کی تفصیل امام ابن حزم کی زبانی (۲۰۰) خلاصہ بحث (۲۰۰) یزید جیسے فاسق کی سرگردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے (۲۰۱) "مدینہ قیصر سے حدیث میں قسطنطنیہ نہیں بلکہ "حمص" مراد ہے (۲۰۱) "صحیح بخاری" میں یزید کی مذمت میں حدیثیں (۲۰۱) پہلی حدیث (۲۰۱) حضرت ابو ہریرہ کا دور یزید سے پٹا ہ مانگنا (۲۰۳) یزید کی مذمت میں "صحیح بخاری" کی دوسری حدیث (۲۰۵) امت کی تباہی قریش کے چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں (۲۰۶) لونڈوں کی حکومت کی کیفیت (۲۰۶) شمر کا اطاعت یزید کے سلسلہ میں عذریہ (۲۰۷) امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں پر یزید سرفہرست ہے (۲۰۹) آنحضرت کی ہدایت (۲۰۱۰) صحابہ و تابعین کا اس ہدایت پر عمل (۲۱۰) مروان کا لعنت کرنا (۲۱۲) یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر منظام (۲۱۳) تیسری روایت (۲۱۳) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا مروان کو برسرِ مہر ٹوکنا (۲۱۵) حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا (۲۱۶) مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی (۲۱۶) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا حضرت معاویہ کو رقم واپس کر دینا (۲۱۸) یزید کا گورنر مدینہ کو اس لئے معزول کر دینا کہ اس نے حضرت حسین و حضرت ابن زبیر پر سختی کیوں نہیں کی (۲۱۹) مروان کا گورنر مدینہ کو مشورہ دینا کہ حضرت حسین و ابن زبیر و ابن عمر اگر بیعت نہ کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے (۲۲۰) حضرت ابو شریح کا گورنر مدینہ کو حرم الہی پر فوج کشی سے منع کرنا (۲۲۰) چوتھی حدیث (۲۲۰) یزیدی گورنر کا حضرت ابو شریح کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا (۲۲۳) اس گورنر کے بارے میں امام ابن حزم کا فیصلہ (۲۲۳) حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر مدینہ عمر و اشوق کی ہرزہ سرائی (۲۲۳) حضرت ابن زبیر کے فضائل (۲۲۴) یزیدی گورنر عمر و اشوق کی مذمت حدیث میں (۲۳۱) کربلا کے دن (۲۳۲) پانچویں حدیث (۲۳۲) قربت رسول اللہ کا پاس و لحاظ (۲۳۲) ابن زیاد بد نہاد کی حضرت حسین کے ہر تقدس کے ساتھ گستاخی (۲۳۸) یزید کی شقاوت (۲۳۸) ابن زیاد بد نہاد کا صحابہ کے ساتھ گستاخانہ طرزِ عمل (۲۳۹) حضرت

معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا (۲۳۹) ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ گستاخی (۲۴۲) ابن زیاد کی حضرت عائد بن عمر کے ساتھ بدتمیزی (۲۴۳) ابن زیاد کا حضرت ابوہریرہ کا مذاق اڑانا (۲۴۴) ابن زیاد بد نہاد تھا (۲۴۵) یزید کی مدینہ نبوی میں فوج کشی (۲۴۹) واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی چھٹی حدیث (۲۴۹) حرہ کے مظالم کی تفصیل (۲۵۱) حرم مکہ کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری (۲۵۵) یزید کا انجام بد (۲۵۵) خود فیصلہ کیجئے (۲۵۷) امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا (۲۵۸) ناصبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب و عذاب سے بری ہیں (۲۵۹) دوسرا شبہ اور اس کا جواب۔ صحابہ یزید کے درباری نہ تھے (۲۶۲) یہ رافضیوں کی طرح کا شبہ ہے (۲۶۵) کیا یزید کے ظلم و ستم میں کبھی کوئی صحابی شریک ہوا ہے (۲۶۷) تیسرا شبہ۔ یزید کی برارت کے بارے میں محمد بن حنفیہ کی روایت (۲۷۲) مفتی کا غلط حوالہ (۲۷۲) جاہل کردوں کا عقیدہ (۲۷۳) خلافت نبوت جیسا کہ حدیث میں تصریح ہے تیس برس (۲۷۳) ائمہ مسلمین میں سے کسی کا یہ عقیدہ نہیں تھا کہ یزید عادل تھا (۲۷۳) حافظ ابن کثیر کی تصریحات (۲۷۳) محمد بن حنفیہ کی طرف منسوب (۲۷۵) فن رجال کا متفقہ فیصلہ (۲۷۹) چوتھا شبہہ۔ کیا حضرت ابن عباس نے یزید کو اپنے خاندان کا نیک فرد بتلایا تھا؟ (۲۷۸) غالی کی روایت (۲۷۸) الامامہ والسیاسہ (۲۷۹) ”بلاذری“ کی سند (۲۸۰) حضرت ابن عباس کی آخری رائے (۲۸۰) یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت (۲۸۱) یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام (۲۸۱) حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ (۲۸۳) پانچواں شبہہ اور اس کا جواب۔ قاضی ابن العربی کی رائے (۲۸۸) قاضی ابن العربی کا فتویٰ کہ حسین کا قتل جائز تھا (۲۸۹) قاضی ابوبکر ابن العربی نا صبی ہیں (۲۹۰) کتاب الزہد میں جس یزید کا ذکر ہے (۲۹۱) امام ابن جریر کو رافضی بتانا محض جھوٹ ہے (۲۹۳) مطبوعہ ”کتاب الزہد“ اصل نہیں (۲۹۳) یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۲۹۳) حافظ ابن حجر کی ”لسان المیزان“ سے یزید کا مکمل ترجمہ (۲۹۶) امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے (۳۰۲) قاضی ابوبکر ابن العربی کی ہجو (۳۰۵) چھٹا شبہہ اور اس کا جواب۔ یزید کے جرائم کی فہرست (۳۰۸) غزالی کے فتویٰ کی تفسیح (۳۰۸) حضرت حسنین کا میدانِ کربلا میں آخری خطبہ (۳۱۱) امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے (۳۱۳) غزالی کے فتویٰ کا تفصیلی رد لکھا ہے (۳۱۵) شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی تحقیق (۳۱۵)

شاہ عبد العزیز صاحب کی تحقیق (۳۱۹) اظہارِ ندامت (۳۲۱) یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبد العزیز صاحب کا فیصلہ (۳۲۲) بعض علماء یزید پر لعنت اس لئے نہیں کرنے کہ کہیں اس کے گناہوں کا بوجھ کم نہ ہو جائے (۳۲۳) یزید پر لعن کے بارے میں امام احمد کی تصریح (۳۲۶) یزید پر لعنت کے بارے میں امام اعظم اور دوسرے ائمہ حنفیہ کی تصریحات (۳۲۷) امام ابو بکر حبصا ص کا فتویٰ (۳۲۷) ائمہ بخارا کا فتویٰ (۳۲۷) امام کروری کا فتویٰ (۳۲۹) "خلاصۃ الفتاویٰ" اور "برازیہ" (۳۲۹) لعن کے بارے میں کتاب العالم والمتعلم کی عبارت (۳۳۰) مسلمان پر لعنت کرنے کا مطلب (۳۳۱) ساتویں اور آٹھویں شبہہ ان شبہوں کا نشان کیا ہے (۳۳۲) نواں شبہہ حضرت زین العابدین کی یزید سے بیعت (۳۳۲) اس شبہہ کا جواب - "طبقات ابن سعد" اور بلا وری کا غلط حوالہ (۳۳۳) حضرت زین العابدین کے ساتھ بدتمیزی (۳۳۳) اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا (۳۳۶) اہل بیت کی حق تلفی (۳۳۷) دسواں شبہہ سادات کی رشتہ داریاں مولیوں سے (۳۳۹) اس شبہہ کا جواب واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ اور یزید کی اولاد میں کوئی رشتہ مناکحت قائم نہیں ہوا (۳۳۹) یزید کے زوال سے عبرت پکڑنا (۳۳۹) گیارہواں شبہہ - اس شبہہ کا جواب - سائل کی لغویائی و دروغ گوئی (۳۴۰) حضرت فاروق اعظم کی شہادت میں کسی کو فی کا ہاتھ نہ تھا (۳۴۱) بقیہ غلط باتوں کی تفصیل (۳۴۲) حضرت حسین کا اقدام (۳۴۲) جن حضرات نے یزید و حجاج کے خلاف اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا (۳۴۳) یزید اور اس کے عمال نے حضرت حسین کو چیلن سے بیٹھنے نہ دیا (۳۴۴) برہنہ شہادت (۳۴۴) کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے (۳۴۵) کوفہ کی گورنری پر ابن زیاد کا تقرر (۳۴۵) عمر بن سعد کا حشر (۳۴۸) ابن زیاد کے سر کا عبرتناک انجام (۳۴۸) یزید کا دنیا سے ناکام و نامراد جانا (۳۴۹) یزید کی نسل کا منقطع ہو جانا (۳۵۰) یہ صحیح نہیں یزید کی بیعت پر راضی ہو گئے تھے (۳۵۱) اس روایت پر روایت کے اعتبار سے یہ فیصلی بحث (۳۵۱) حضرت حسین کا شمار کیا صحابہ میں ہے (۳۵۲) حضرت علی اور حضرت حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے (۳۵۳) حضرت حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟ (۳۵۵) عقبہ بن سمعان کی روایت بھی موجود ہے (۳۵۶) خضریٰ کی تحقیق اس باب میں - بارہواں شبہہ - حضرت حسین کی اجتہادی غلطی (۳۵۸) اس شبہہ کا جواب - شبہہ

کرنے کا کیا جواز تھا (۳۵۸) سبائی کون تھے (۳۵۸) صحابی کی بھاری اکثریت حضرت حسینؑ کے موقف کی حامی تھی (۳۶۱) صحابی رسولؐ کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا (۳۶۲) احادیث کی رو سے حضرت حسینؑ کے موقف کی صحت (۳۶۳) اہل بیت سے جنگ کرنا باجماع امت مذموم (۳۶۵) یزید کے بارے میں خود اس کے بیٹے کی شہادت (۳۶۶) ابن زیاد کی شہادت (۳۶۷) یزید کا فسق (۳۶۸) شہادت حسینؑ پر حضور علیہ السلام کا قلع (۳۶۹) ابن تیمیہ کا بیان (۳۷۳) حضرت حسینؑ سے حضور علیہ السلام کا محبت فرمانا اور خلفائے ثلاثہ کا ان کا اکرام کرنا (۳۷۴) مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف فتویٰ کا انتساب (۳۷۵) مفتی صاحب کے اکابر کی تصریحات (۳۷۶) حضرت مجدد الف ثانی کی تصریحات (۳۷۷) بحر العلوم کی تصریح (۳۷۸) سید احمد شہید کی تصریح (۳۷۸) مولانا تھانوی کا فتویٰ (۳۷۹) غیر مقلد مقلدوں کے فتویٰ کی تنقیح (۳۷۹) نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ (۳۸۰) علامہ مقبلی کی رائے (۳۸۳) یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث (۳۸۶) یزید کا جزیرہ روس اور جزیرہ ارداس سے مجاہدین کو واپس بلوانا (۳۸۷) ”مدینہ قیصر“ (۳۸۸) حدیث مدینہ قیصر کا مصداق سلطان محمد فاتح (۳۸۸) قسطنطنیہ کی پہلی مہم (۳۸۹) یزید کا عقیدہ اور عمل (۳۹۳) حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ (۳۹۵) اہل سنت کے لئے لمحہ فکریہ (۳۹۸)

قافلہ بھارت میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گر یہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دیوار و دہلیز

عقل و دل نگاہ کام شہدائیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دین بربت کہہ تصورات

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؑ بھی ہے عشق
مہم کہ وجود میں بدر و حسینؑ بھی ہے عشق
(اقبال)

اہل سنت کا مسلک

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی کی یہ شائع شدہ تحریر
اس موضوع پر حرف اول بھی ہے اور حرف آخر بھی

ائمہ اہل سنت اور اس گروہ کے تمام محقق و معتبر علماء اور نمائندوں کا اس پر اتفاق
ہے کہ خلافت راشدہ امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ پر ختم ہو گئی۔ حضرت معاویہ اور
ان کے جانشینوں کی حکومت احادیث صحیحہ کے مطابق (جن میں خلافت راشدہ کے بارے میں
تیس سال کی پیشین گوئی فرمائی گئی ہے) خلافت راشدہ نہیں تھی، یہی حکیم الاسلام حضرت
شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ اور آخر میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب فاروقی کا
مسلک اور تحقیق ہے۔

اسی طرح گروہ اہلسنت یزید بن حضرت معاویہؓ کو اس دورِ خیر و برکت میں جماعت صحابہ اور
صالحین امت پر حکومت کرنے کا مستحق نہیں سمجھتا اور ان کو (معتبر تاریخ و سیر کی روشنی میں)
اس دینداری اور صلاح و تقویٰ کے معیار پر پورا اترتا ہوا نہیں پاتا جو ایک مسلمان حاکم اور
فرماں روا کے لئے (کم سے کم) اس عہد میں ضروری تھا۔ بلکہ ان کو بہت سے ایسے مشاغل و
عادات کا مرکب و عادی جانتا ہے جو شرعی حیثیت سے قابل تنقید و مذمت ہیں، پھر
انہیں کے عہد میں واقعہ حرہ جیسا سنگین اور قابلِ شرم واقعہ پیش آیا جس کی کوئی تاویل ممکن
نہیں، یہی رائے امام احمد بن حنبلؒ اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کی ہے دونوں نے سخت الفاظ
میں یزید کی مذمت کی ہے، لیکن وہ لعن و طعن، سب و شتم اور تبرائے محترزا اور مجتنب اور

... ملاحظہ ہو اذالۃ الخفاء عن خلافت الخلفاء ص ۱۴۶

... ۱۴۱۱ھ مطبوعہ مکتبہ فاروقیہ ۱۹۹۱ء

... ملاحظہ ہو فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۳ طبع اول ۱۳۸۱ھ الریاض ۱۴۰۰ھ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۴ ص ۴۸۴

رفض و تشیع سے بیزار اور اس کے منکر و مخالف تھے۔^{۱۵}

اس کے نتیجے میں اور اس کے پس منظر میں محققین اہل سنت سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام کو درست سمجھتے ہیں، جو انھوں نے یزید کے معاملہ اور مقابلہ میں اختیار کیا اور ان کو برسرِ صواب، شہیدِ راہِ حق اور امت کے لئے ایک نمونہ پیش کرنے والا باور کرتے ہیں۔

اگر ایک جمعی جہانی حکومت کے خلاف جس کا حاکم و فرماں روا مسلمان ہو، لیکن اس کی سیرت غیر اسلامی، اس کے اخلاق و عادات قابلِ تنقید ہوں اور اس سے مسلمانوں کے اخلاق اور اسلامی معاشرے پر بڑے اثرات کے پڑنے کا اندیشہ ہو، کسی قسم کا اقدام، خروج و بغاوت اور انتشار انگیزی کے مرادف قرار دیا جائے تو پھر خاندانِ سادات ہی کے ان تین صاحبِ عزیمت افراد زید شہید، محمد ذی النفس الزکیہ، اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض کے متعلق کیا رائے قائم کی جائے گی، جن میں سے اول الذکر نے اموی خلیفہ ہشام ابن عبد الملک ابن مروان اور دو آخر الذکر حضرات نے خلیفہ منصور عباسی کے مقابلہ میں علمِ جہاد بلند کیا جو بہر حال یزید سے غنیمت اور کہیں بہتر تھے۔ اور دو عظیم الشان فقہار اور مذاہبِ فقہیہ اہل سنت کے جلیل القدر بانی امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ نے ان کی کھل کر تائید و حمایت فرمائی، حضرت زید بن علی بن حسین نے جب ہشام ابن عبد الملک کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم ان کی خدمت میں بھیجے اور حاضری سے معذرت کی یہ

^{۱۵} ملاحظہ ہو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ کی معرکتہ الآراء کتاب "منہاج السنۃ"

^{۱۶} ملاحظہ ہو مناقب ابی حنیفہؒ ج ۱ ص ۵۵ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" لکھ مولانا سید مناظر احسن گیلانی۔

مقدمہ کتاب اسلامی تاریخ پر شب خون

یزید بن معاویہ ایسا باطل نہ تھا جس کے خلاف مقاومت ضروری تھی یہ سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش جو پاکستان میں محمود عباسی صاحب کی کتاب سے شروع ہوئی تھی، اب ہندوستان میں ایک مخصوص حلقے میں کی جا رہی ہے۔ چنانچہ لکھنؤ سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس میں حضرت امام حسینؑ کے اقدام کو غلط ثابت کیا گیا ہے۔ اور یزید کی طرف سے بیان صفائی دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ ایک خطرناک اقدام ہے کیونکہ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارا تعلق اور محبت کا رشتہ یقینی طور پر کمزور ہوتا ہے۔ مزید برآں فاسق اور برسر باطل اقتدار کے خلاف مزاحمت اور مقاومت کی تمام کوششوں پر اس کا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ صدرِ اقول میں حضرت امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی کوششیں بعد کی ضدیوں کے لئے نمونے اور معیار کا کام کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی کام کرتی رہیں گی۔

واقعہ کربلا کی اہمیت کو کم کرنے اور اس کی واقعی اہمیت کو گھٹا کر دکھانے اور یزید کے کردار کو بلند و بالا ثابت کرنے کا واضح مطلب یہ ہے کہ نعوذ باللہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے افرادِ خاندان کی کامیاب تربیت نہیں کی ورنہ وہ اپنے ذاتی اقتدار کے حریص بن کر اقتدار و وقت سے ٹکرانے کی کوشش نہ کرتے۔ پیغمبرِ برحق جن کو اللہ نے مامور فرمایا تھا کہ بنی نوع انسان کے لئے ہدایت کا سامان بہم پہنچائیں اور دعوت کا سلسلہ خود اپنے قریب کے اعضاء و اقربا سے شروع کریں۔ وانذر عشیرتک الا قربین (اور ڈرائیے اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو) انھوں نے خود اپنے گھرانے کو فراموش کر دیا۔ اور ان کی دعوت اور ان کی تربیت کا اور رات دن کی صحبت کا

ان کے گھروالوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ سب حب جاہ کے شکار ہو گئے۔ ایک سچے اور اچھے مسلمان خاندان کی یہ خصوصیت ہر جگہ دیکھی جاسکتی ہے کہ اس کے تمام افراد عقیدہ و عمل کے لحاظ سے ایک رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے ہیں۔ آدمی جس ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے اور جو باتیں بچپن میں اس کے کانوں میں پڑتی ہیں جو نمونے اپنے خاندان میں دیکھتا ہے اسی کے مطابق وہ قدرتی طور پر ڈھل جاتا ہے۔ عصبیت میں بھی اور محبت میں بھی اس کے دل و دماغ پر اسی نمونے کی چھاپ ہوتی ہے۔ بہت ہی شاذ و نادر لاکھوں کروڑوں میں دو چار ایسے ہوتے ہیں جو اس اصول سے مستثنیٰ ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تعلق اپنے نواسوں یعنی حضرات حسنینؑ سے تھا اور جس طرح کی شفقت کے واقعات صحیح احادیث میں موجود ہیں اور حضرات حسنینؑ کے والدین حضرت فاطمہ زہراؑ اور سیدنا علیؑ کرم اللہ وجہہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو گہرا تعلق تھا اس کے مطابق اور قرین عقل و قیاس اور موافق کتب تاریخ و احادیث و رجال یہ بات ہوگی کہ اہل بیت لوگوں کے لئے ایک نمونہ اور چراغِ راہ کی حیثیت رکھتے ہوں۔ اب ان احادیث کا انکار جن سے ان اہل بیت سے آپ کی گہری محبت کا اظہار ہوتا ہو درحقیقت نادانی اور صحاح و سنن کے تمام مجموعے کو شکوک اور ناقابل اعتبار ٹھہرانا ہے۔ ان عظیم حضرات کے مقابلے میں ایک ایسے شخص کو میدان میں لانا اور اسے ہیر و بنانا جس کے سیاہ کارناموں پر امت کے تمام اکابر متفق ہوں بڑی جسارت کی بات ہے۔

یزید کی کردار سازی اور اسے حاکم برحق قرار دینا درحقیقت ملت اسلامیہ کے دلوں سے اسلام کی اور اہل بیت کی محبت و عظمت کو زکا لے کر کوشش کرنا ہے۔ یہ کون نہیں جانتا کہ یزید کی ولیعہدی کے وقت سے اسلام کی تاریخ میں غیر شرعی موروثی نظام حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اور اتنا دراز ہوا کہ ترکی کی خلافت کے خاتمے کے وقت ہی وہ ختم ہو سکا۔ یہ کون نہیں جانتا کہ واقعہ حرہ میں مدینہ میں انصار و مہاجرین پر جو قیامت ٹوٹی اس کا ذمہ دار بھی یزید تھا۔ جس نے تین روز تک شام کے شکرلوں کو یہ آزادی دے دی کہ جس کو چاہیں قتل کریں اور جس گھر کو چاہیں لوٹ لیں اور جس کی ناموس و عزت چاہیں تاراج کریں۔ کون

نہیں جانتا کہ یزید ہی کے حکم سے مسجد نبوی کی حرمت پامال کی گئی۔ وہ یقیناً پاک جہاں جبرئیل امین اترتے تھے۔ اور جس کے ایک حصے کو جنت کی کیا ریاں یعنی "ریاض الجنۃ" کہا گیا ہے۔ وہاں گھوڑے باندھے گئے۔ اب جو شخص بھی ان اعمال سے راضی ہو، اس کی تاویل کرے اور ان اعمال کے ذمہ دار یزید کا وکیل بن کر کھڑا ہو، اس کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کی کیا عزت و وقعت باقی رہ سکتی ہے۔

جو لوگ یزید کے اعمال کی تاویل کرتے ہیں اور اس کی طرف سے دفاع کرتے ہیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان صحابہ کرام کے قتل سے بھی راضی ہیں جو کعبۃ اللہ میں پناہ لئے ہوئے تھے اور یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر جلیل القدر صحابی ہیں اور مدینہ منورہ میں پیدا ہونے والے پہلے صحابی ہیں اور جن کو سب سے پہلی غذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے دست مبارک سے ملی۔ حضورؐ نے اپنے دندان مبارک سے کھجور چبا کر ان کے منہ میں رکھا تھا گویا اس عالم وجود میں آنے کے بعد حضورؐ کا لعاب دہن تھا جو آپ کی غذا بنا۔ حضرت حسینؑ کے بعد وہ یزید کی مخالفت میں صف آرار ہوئے اب کوئی شخص ان کے عمل کو غلط کہے اور ان کو غلط کار ثابت کرنے کی کوشش کرے اور جابر حکومت کے فوجیوں کو برسرِ حق سمجھے اور یزید کی کردار سازی کرے تو یہ تاریخ اسلام پر شب خون مارنا ہے۔ کوئلے کو کافور اور کافور کو کوئلہ ثابت کرنے کی کوشش مسلمانوں کے شجرہ نسب و محبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کاٹ دے گی اور اس سے یہ بات ثابت ہوگی کہ حضورؐ کی نہ تو نگاہ میں کوئی تاثیر تھی نہ آپ کے اسوہ میں نہ عمل میں نہ تربیت میں۔ وہ اپنے افرادِ خاندان اور قریب ترین صحابہ کی تربیت نہ کر سکے۔ مدینے کے لوگ جو یزید کی مخالفت پر کمر بستہ ہوئے تھے یہ وہ انصارِ مدینہ تھے جنہوں نے بدر کے موقع پر کہا تھا ہم آپ کے دائیں سے لڑیں گے اور آپ کے بائیں سے لڑیں گے آپ کے لئے سمندر میں کود جائیں گے۔ کیا وہ اس لائق تھے کہ ان کے گھروں میں گھس کر ان کو قتل کر دیا جائے کیا اس واقعہ کے بعد بھی یزید کی کردار سازی کی کوئی گنجائش باقی رہ سکتی ہے۔

بدنام زمانہ سلمانِ رشدی نے کھلے بندوں وار کیا تھا۔ اور کھل کر دشمن کی حیثیت سے مسلمانوں کے سامنے آیا تھا اور تمام مسلمانوں نے اس سے نفرت کا اظہار کیا اور دشمنانِ دین نے

اس کی پشت پناہی کی اور آج بھی کر رہے ہیں۔ لیکن محمود عباسی اور اس کے نقش قدم پر چلنے والے اس سے زیادہ خطرناک ہیں کیونکہ یہ اپنے زہر کو نام نہاد تحقیق کے کیپسول میں پیش کر رہے ہیں۔ اللہ ان کو صحیح عقل اور سمجھ عطا فرمائے۔

”نئے مطالعہ کی روشنی میں“ واقعہ کربلا کو دیکھنے کا مطلب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ نہ تو کوئی نیا وثیقہ برآمد ہوا ہے اور نہ کوئی نئی تاریخی دستاویز اور نہ لندن کے برٹش میوزیم اور انڈیا آفس سے مصنف کتاب کو نیا مخطوط مل سکا ہے۔ تاریخ کے مصادر و مراجع وہی ہیں جن کی روشنی میں سینکڑوں برس سے امت کے اعیان علماء و صلحا ایک نقطہ نظر رکھتے ہیں۔ دوسرا نقطہ نظر پیش کرنے کی کوشش ایک طرح کا فکری شذوذ ہے جس سے مسلمانوں کو بچنے اور بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

پیش نظر کتاب ایسی ہی ایک کوشش ہے اور پورے اخلاص کے ساتھ ایک علمی اور دینی پیش کش۔ ایک ابتدائی مقالہ کے سوا جسے ہندوستان کے علمی افق پر چھڑی گئی بحث کے پس منظر میں لکھا گیا ہے پوری کتاب محدث جلیل مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کے قلم سے ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، مصنف لغات القرآن ایک عالم جلیل اور محدث کبیر ہیں۔ آپ نے سن ابن ماجہ کی شرح لکھی ہے جو ہندو پاکستان کے علاوہ عرب ممالک میں بھی اہل علم کے نزدیک اہمیت سے دیکھی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی احادیث بتویہ پر آپ کے قلم سے نکلی ہوئی تحقیقات کا علمی وزن ہے۔ امام حسن بن زیاد کی کتاب الآثار کی تحقیق آپ کا زبردست علمی اور تحقیقی کارنامہ ہے اس کے علاوہ امام حاکم نیشاپوری صاحب المستدرک علی الصحیحین کے مشہور رسالے المدخل فی اصول الحدیث پر آپ کا گراں بہا علمی و تحقیقی تبصرہ الرحیم اکیڈمی کراچی سے شائع ہو کر اہل علم سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی مدظلہ، حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کے خاص تلامذہ میں ہیں۔ آپ نے ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حمید حسن خاں رحمۃ اللہ علیہ سے کسب فیض کیا ہے اور فقہ حنفی میں آپ کو اس درجہ رسوخ حاصل ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت کو اپنے نام نامی کا جزو و نعمانی، بنا لیا ہے۔ اکابر دیوبند سے آپ کو گہرا تعلق ہے۔ دیوبند کے صد سالہ تقریب کے موقع پر الفرقان میں آپ کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے دارالعلوم دیوبند کو دین حنیف ابراہیمی اور مسلک حنفی کا قلعہ بتایا تھا، کئی مرتبہ

مہمان استاد کی حیثیت سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں درس حدیث دیا ہے پاکستان میں حضرت مولانا محمد یوسف بنوری کے مدرسہ میں عرصہ دراز تک احادیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں۔

جب پاکستان میں محمود عباسی کا فتنہ اٹھا تو اس کو دبانے میں علمائے ہند و پاکستان نے بیش از بیش خدمات پیش کیں۔ ان بزرگوں میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا محمد اویس صاحب ندوی شیخ التفسیر ندوۃ العلماء اور مشہور دینی محقق مولانا قاضی اطہر مبارکپوری نے ہندوستان سے حصہ لیا۔ پاکستان میں حضرت مولانا محمد عبدالرشید نعمانی کی کتابیں مکتبہ اہل سنت کراچی نے شائع کیں اور ان کتابوں کی وجہ سے عباسی فتنہ چند نیم خواندہ افراد تک سمٹ کر رہ گیا۔ اب وہاں کوئی عالم دین اس فتنہ میں شریک نہیں ہے۔ ہندوستان میں چونکہ یہ فتنہ نیا نیا شروع ہوا ہے اور بھیس بدل کر نئے انداز میں ابھاراجارہا ہے اس لئے ضرورت محسوس کی گئی کہ مجلس علمی کی طرف سے اس موضوع پر حضرت مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی کی تحریریں شائع کی جائیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ کتاب کو غلط افکار و نظریات کی اصلاح کا ذریعہ بنائے اور جن لوگوں نے غلط نظریات کو قبول کر لیا ہے ان کو ان نظریات سے رجوع کرنے کی توفیق بخشے۔

محسن عثمانی ندوی

حادثہ کربلا کا دینی اور نظریاتی پس منظر

گزشتہ چالیس برس کے عرصہ میں اس بڑے صغیر میں متعدد ایسی کتابیں شائع کی جاتی ہیں جن کا مقصد کبھی صاف طور پر اور کبھی اشارتاً یہ ثابت کرنا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام دینی نقطہ نظر سے بھی غلط تھا اور عقل و احتیاط کے بھی خلاف تھا اور اسی کے ساتھ یہ بات بھی دہرائی جاتی رہی ہے کہ یزید کے اندر کوئی برائی نہ تھی جس کی وجہ سے اس کے خلاف کارروائی ضروری تھی۔ سب سے پہلے تو یہ بات جان لینے کی ہے کہ واقعہ کربلا حضرت حسینؑ اور یزید کی آویزش کے سلسلے میں گزشتہ ایک ہزار برس کے عرصے میں اہل دین و صلحاء ایک موقف رکھتے ہیں یہاں تک کہ مسائل فقہ میں جن چار اماموں کی امت اسلامیہ پیروی کرتی ہے ان کا موقف بھی ایک ہے اور ان کے سیاسی بیانات سے ان کے رجحان و میلانات کا پتہ چلانا کچھ زیادہ مشکل نہیں۔ واقعہ کربلا کے سلسلے میں کوئی دوسرا موقف اختیار کرنے کا مطلب یہ الفاظ دیگر اپنے آپ کو ائمہ فقہ سے بڑھ کر فقیہ اور دین میں فہم و بصیرت کا حامل ہونے کا دعویٰ کرنا ہے۔ علماء دین اور ائمہ عظام تسلسل اور تواتر کے ساتھ اس مسئلہ کو جس نقطہ نظر سے دیکھتے ہیں وہ یہ ہے:

حضرت معاویہؓ

خلافت راشدہ کے بعد ملوکیت کے دور کا آغاز ہوتا ہے۔ خود حضرت معاویہؓ کی تخت نشینی امت کے اعیان سے مشورت اور استمراج کے ذریعہ نہیں ہوئی تھی بلکہ انھوں نے

اقتدار حاصل کر لیا تھا اور لوگوں نے بس ان کی اطاعت کر لی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہ کی بیعت کے بعد مشہور صحابی اور فاتح عراق حضرت سعد بن وقاص ان سے ملے تو انھوں نے السلام علیک یا ایہا الملک کہہ کر خطاب کیا یعنی اے بادشاہ آپ کو سلام۔ حضرت معاویہ کو امیر المومنین کے بجائے ملک کہہ کر خطاب کرنا ناگوار ہوا۔ لیکن ان کو خود بھی اس حقیقت کا اعتراف تھا کہ وہ مسلمانوں میں پہلے بادشاہ ہیں۔ بلاشبہ حضرت معاویہ کا زمانہ فتوحات کے اعتبار سے اور اسلام کی وسعت و اشاعت کے اعتبار سے اور امن و امان کے اعتبار سے بہت خیر و برکت کا زمانہ ہے وہ صحابی رسولؐ اور کاتب وحی تھے اور زبردست انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ اگر فوراً خلافت راشدہ کے بعد ان کا عہد نہ شروع ہوا ہوتا تو لوگ ان کی عظمتوں کے قصیدے پڑھتے اور سیاست و حکومت کے لئے ان کو نمونہ اور معیار سمجھتے لیکن سیاست و حکومت کا یہ چاند گہن میں اس لئے پڑ گیا کہ خلافت راشدہ کے دور زریں کے بعد فوراً وہ سریر آرائے سلطنت ہوئے۔

اگر یزید کی ولی عہدی کا واقعہ پیش نہ آتا جس کے عہد میں حضرت حسینؑ شہید کئے گئے اور ایک دو باتیں اور ہوتیں تو ان کی حکومت کا زمانہ قابلِ مثال زمانہ قرار پاتا۔ وہ بڑے خدا ترس اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عاشقانہ محبت رکھنے والے انسان تھے انھوں نے اپنی وصیت میں اہل خاندان سے کہا تھا کہ خدا کا خوف کرتے رہنا کہ خوف کرنے والوں کو خدا مصائب سے بچاتا ہے جو خدا سے نہیں ڈرتا اس کا کوئی مددگار نہیں پھر اپنے ذاتی مال میں سے آدھا مال انھوں نے بیت المال میں داخل کرنے کا حکم دیا۔ تجہیز و تکفین کے متعلق یہ وصیت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک کرتا مرحمت فرمایا تھا اس کو میں نے اسی دن کے لئے محفوظ کر رکھا ہے۔ آپ کے مرنے مبارک اور ناخن شیشہ میں محفوظ ہیں اس کرتے میں مجھے کفتانا اور ناخن اور مونے مبارک کو آنکھ اور منہ میں رکھ دینا شاید خدا اس کے طفیل میں اور اس کی برکت سے مغفرت فرمادے۔

یزید کی ولی عہدی کے نقصانات

حضرت معاویہؓ نے اپنی زندگی میں اپنے بیٹے یزید کو جانشین نامزد کر دیا اس وقت صحابہ کرام کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ یہ صحابہ کرام کی اولاد و احفاد کا عہد تھا جن لوگوں نے حضورؐ کی حدیث سن رکھی تھی کہ میری سنت اور میرے راشد خلفاء کی سنت کو دانتوں سے پکڑ کر رکھو، انھیں سیاست و حکومت کی سطح پر خلفائے راشدین کے زمانے سے یہ انحراف گوارا نہیں ہوا۔ جو روایت قائم ہوئی تھی اور جس روایت کو اختیار کرنے کا حکم حدیث میں موجود تھا اس اعتبار سے اہل تقویٰ اور اہل علم حکومت کو کسی شخص اور خاندان کی جائیداد نہیں سمجھتے تھے کہ باپ کے بعد بیٹا اس کا وارث ہو جائے۔ حکومت تو شہر اور ملک کا انتظام کرنے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔ یہ ایک اجتماعی کام ہے اور لائق ترین شخص کو یہ خدمت سپرد کی جانی چاہئے۔ اسلام کے اجتماعی نظام میں ملوکیت کے در آنے کے واقعہ کو ممکن نہ تھا کہ اہل دین کا ضمیر برداشت کرتا۔ اسلام کے نظام میں جو رخنہ پڑ گیا تھا اسے پُر کرنے اور جو بگاڑ پیدا ہو گیا تھا اس کی اصلاح کے لئے سب سے پہلی کوشش حضرت امام حسینؓ کی تھی۔ یہ کوشش ظاہری اور مادی اعتبار سے کامیاب ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو یہ واقعہ ہے کہ ہر دور اور ہر عہد میں اہل دین اور اہل ہزیمت کو بگاڑ کے خلاف مقابلے اور مقاومت پر آمادہ کرتی رہی ہے وہ ایک غلطی جو یزید کی ولیعہدی کی شکل میں کی گئی تھی اس کا نتیجہ سینکڑوں سال تک مسلمانوں کو بھگتنا پڑا اور اسلام کی تاریخ میں ملوکیت کا یہ نظام ایسا مستحکم ہوا کہ موجودہ صدی میں مصطفیٰ کمال کے الغائے خلافت تک بمشکل کوئی تزلزل ہو سکا۔ یہ تزلزل ہوا تو حضرت عمرؓ بن عبد العزیز کے عہد خلافت میں۔ ان کو یہ احساس تھا کہ یہ نظام جس کے ذریعہ بنو امیہ کے دور سے لوگ مسند اقتدار پر بیٹھے ہیں قیصر و کسریٰ کی سنت ہے اس میں مسلمانوں کے ارباب حل و عقد کے انتخاب کو دخل نہیں ہوتا ہے اس لئے یہ اسلامی مزاج کے مطابق نہیں چنانچہ انھوں نے اس انحراف کی جس کی ابتدا یزید کی ولیعہدی سے ہوئی تھی اصلاح

ضروری سمجھی انھوں نے اپنی خلافت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور انتخاب کے معاملہ کو عوام کے سامنے دوبارہ پیش کرتے ہوئے کہا:

”لوگو! میری خواہش اور عام مسلمانوں کی رائے بغیر مجھے خلافت کی ذمہ داریوں میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور تم جسے چاہو اپنا خلیفہ بنا لو!“

سلیمان بن عبد الملک کی وفات کے بعد عہد نامہ کے مطابق حضرت عمر بن عبد العزیز کی خلافت کی بات طے ہو گئی تو وہ مسجد میں آئے اور منبر پر چڑھ کر خطبہ دیا

ایہا الناس انی قد اُبتلیت لہذا لا مرغیرائی کان منی ولا طلبة لہ ولا مشورۃ من المسلمین وانی قد خلعت ما فی اعناقکم من بیعتی فاخذ والا نفسکم فصاح الناس صیحة واحدة وقد اخترنا لک یا امیر المؤمنین ورخصنا بک

لوگو! مجھے (خلافت کی) آزمائش میں ڈالا گیا ہے۔ اس میں نہ میری رائے شامل تھی اور نہ عام مسلمانوں سے مشورہ کر کے ایسا کیا گیا۔ میں اپنی بیعت کا قلاوہ تمھاری گردنوں سے اتارتا ہوں۔ تم جسے چاہو اپنا خلیفہ چن لو۔ لوگوں نے بیک آواز ہو کر کہا: ”امیر المؤمنین ہم نے آپ کو ہی منتخب کیا اور ہم آپ کی خلافت سے راضی ہیں۔“

مجمع نے آپ کی خلافت سے دست برداری قبول نہیں کی اور آپ کو اتفاق رائے سے خلیفہ منتخب کر لیا۔ اگر حضرت عمر بن عبد العزیز کے نزدیک موروثی نظام بادشاہت مزاج دین کے خلاف نہ ہوتا تو بیعت کا قلاوہ از خود کیوں اتارتے۔ افسوس ہے کہ ان کے بعد پھر سے جبری بیعت اور خاندانوں کی موروثی بادشاہت کا مستقل طریقہ چل پڑا۔ لوگ اجتماعی مشورے کے ذریعے برسر اقتدار نہیں آتے تھے بلکہ ہتھیاروں کی طاقت سے برسر اقتدار آتے تھے اور لوگوں پر حکومت کرتے تھے۔ بیعت سے اقتدار نہیں حاصل ہوتا تھا۔ بلکہ اقتدار سے بیعت حاصل ہوتی تھی اور جو بیعت نہیں کرتا اس کی گردن اڑادی

جاتی تھی۔ اسلام کی تاریخ کے اس طویل دور میں بلاشبہ بہت سی برکتیں تھیں۔ مقدمات کے فیصلے بھی اسلام کے نظام قضا کے ماتحت ہوتے تھے۔ لیکن خلافت علی منہاج النبوة باقی نہیں رہی تھی۔

دینی طبقہ کی رائے عامہ

اسلام کی تاریخ میں جب اس سیاسی بدعت کا آغاز ہو رہا تھا تو یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ لوگ بھی خاموش رہ جاتے جنہوں نے نبوت کا زمانہ اور خلافت راشدہ کا زمانہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ گروہ اگرچہ مختصر تھا لیکن یہ بات مزاج دین کے عین مطابق تھی کہ کچھ لوگ اس انحراف کو برداشت نہ کرتے اور اسے چیلنج کرنے کی ہمت کرتے۔ یزید کی حکمرانی سے علماء و صلحاء کا طبقہ اور اہل دین و تقویٰ کا گروہ حکومت سے دور ہوتا گیا دینی حلقوں میں نفرت و ناراضی بڑھتی جا رہی تھی۔

حضرت حسین کا یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنا دینی طبقے کی رائے عامہ کا مظہر اور بہت بڑی علامت تھا کسی نے اس اقدام کو غلط قرار نہیں دیا۔ حضرت حسینؑ کی شہادت پر پوری امت کا اتفاق ہے۔ تمام ائمہ اہل سنت ان کے طرفدار اور حامی رہے ہیں۔

”امام احمد بن حنبلؑ کہتے ہیں کہ جو شخص اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے وہ یزید کو پسند نہیں کر سکتا۔“

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:

”جس شخص نے حضرت حسینؑ کو شہید کیا، ان کے قتل میں مدد کی یا ان سے راضی ہوا اس پر اللہ کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت، اللہ تعالیٰ نہ ان کے عذاب کو دور کرے گا اور نہ اس کا عوض قبول کرے گا۔“

مجدد الف ثانی کہتے ہیں:

”یزید سعادت توفیق سے محروم اور زمرہ فساق میں داخل ہے۔“

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کہتے ہیں:

”مگر اہی کی دعوت دینے والا شام میں یزید اور عراق میں مختار تھا۔“

عہدِ خلافتِ راشدہ کے بعد کی خرابیاں

نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت دونوں میں بڑا فرق ہے اگر خلافتِ راشدہ کی تاریخ اور اس کے بعد ملوکیت کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو درج ذیل بین فرق محسوس کئے جائیں گے۔

(۱) خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ ایک عام فرد کی طرح بود و باش رکھتا تھا لیکن دمشق اور بغداد کے حکمرانوں نے ایران و روم کے بادشاہوں کی شاہانہ زندگی اختیار کر لی تھی جن پر بے دریغ دولت خرچ کی جاتی تھی۔

(۲) ملوکیت کے دور میں بیت المال رعایا کی امانت نہیں تھا۔ بلکہ وہ بادشاہ کی جاگیر اور ذاتی خزانہ بن گیا تھا۔ جب کہ خلافتِ راشدہ کے زمانے میں خلیفہ اس بیت المال کا متولی ہوتا تھا اور خود اپنی ذات پر بھی اگر خرچ کرتا تھا تو کمال احتیاط اور تقویٰ کے ساتھ۔

(۳) خلافتِ راشدہ کے عہد میں لوگوں کو خلیفہ سے بھی محاسبہ کرنے کی آزادی تھی بلکہ اس محاسبہ کی بھی ہمت افزائی کی جاتی تھی ملوکیت کے دور میں بادشاہ ہر طرح کے احتساب اور محاسبہ سے بلند تھا اور حق گوئی کی جرأت کرنے والے کی سزا قتل یا قید ہو سکتی ہے۔

(۴) خلافتِ راشدہ کے دور میں عدلیہ آزاد تھی قاضی خلیفہ تک کو عدالت میں طلب کر سکتا تھا اور خلیفہ کے خلاف فیصلہ دے سکتا تھا۔ ملوکیت کے دور میں عدالتیں بادشاہوں کے دباؤں سے بالکل آزاد نہ تھیں۔

(۵) خلافتِ راشدہ میں تمام اجتماعی کام صلاح و مشورے یا شورائی نظام کے ذریعہ انجام دیے جاتے تھے۔ ملوکیت کے دور میں بادشاہ مطلق العنان ہوتے تھے اور امورِ شوریٰ بینہم کے حکم شریعت کو پا مال کیا جاتا تھا۔

(۶) خلافتِ راشدہ کے دور میں خلفاء کی زندگی طہارت و تقویٰ کا بلند ترین نمونہ پیش کرتی تھی ملوکیت کے دور میں فسق و فجور ہوا دہوس، نوش و نشید کا سیلاب شاہی درباروں

تک پہنچ گیا تھا۔ خود نیزید کی زندگی بے داغ تھی۔ آبرو و فاختہ اور اباحت زدہ مصاحبین کا گروہ خلفاء کے دربار میں پایا جاتا تھا جبکہ اس طبقہ کا وجود خلافت راشدہ کے زمانہ میں نہ تھا (۷) حکومت کا محور جس پر اس کا پورا نظام گردش کرتا تھا کتاب و سنت کے بجائے ذاتی مفادات یا ملکی مصالح بن گیا تھا۔ ملکی اور مالی مفادات کے لیے دین کو قربان کیا جاتا تھا اور اسلام کی اشاعت کی راہ میں رکاوٹ ڈالی جاتی تھی اس کی مثال یہ ہے کہ بنو امیہ کے عہد میں نو مسلموں تک سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا تاکہ حکومت کا خزانہ بھرا رہے۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کی اصلاحات میں یہ بھی ہے کہ انھوں نے اس خلاف شرع آرڈیننس کو ختم کیا اور یہ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے جانی (ٹیکس وصول کرنے والا) بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔

(۸) اقربا نوازی اور کنبہ پروری اور دوسری اخلاقی خرابیاں جو خلافت راشدہ کے زمانے میں سخت معیوب تھیں عام ہو گئیں۔

(۹) خلافت راشدہ کے زمانہ میں حکمران کا تعلق خاص قبیلہ اور نسل سے نہ تھا دور ملوکیت میں جب کسی قبیلہ کا شخص حکمران ہو جاتا تھا اور کئی نسلوں تک اقتدار اس کے قبضہ میں رہتا تھا تو نسلی عصبیتوں کو بڑھاوا دیتا اسلام سے پہلے ہر قبیلہ کا بت الگ ہوتا تھا۔ اسلام نے قبائلی عصبیتوں کو مٹا کر وحدت امت کا نصب العین عطا کیا تھا لیکن خلافت راشدہ کے بعد قبائلی عصبیتیں زندہ ہوئیں۔ جب مسلمانوں کے فتوحات کے قدم بعد میں اسپین تک پہنچے تو قبائلی عصبیتوں نے وہاں بھی ساتھ نہیں چھوڑا اور قبائل کی الگ الگ چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آئیں جو باہم ایک دوسرے سے برسرِ پیکار بھی ہوتی تھیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف یہودیوں اور عیسائیوں تک سے مدد لی جاتی تھی۔ پھر قبائلی تعصبات کی آگ ہی نہیں بھڑکی بلکہ عرب و عجم کی کشمکش بھی شروع ہو گئی۔ خلافت راشدہ کے بعد ایک مدت تک عرب سامراجی نظام پایا گیا جس کا رد عمل غیر عرب مسلمانوں پر ہوا۔

(۱۰) خلافت راشدہ کے دور میں کلمہ حق کہنے اور خلیفہ تک کو برسرِ عام ٹوکنے کی لوگ ہمت رکھتے تھے اور خلیفہ کو اپنی صفائی پیش کرنی پڑتی تھی۔ اس کے بعد ملوکیت کے دور میں حق بات کہنے کا مطلب کبھی اپنی جان سے اور کبھی عاقبت کی زندگی سے ہاتھ دھونا تھا۔ ضمیر کو

پچھنے کے لیے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے روکنے کے لیے حکومت کی طرف سے عہدہ و منصب کی بخشش شاہانہ پیش کی جاتی اور علماء دین ان مناصب کو رشوت سمجھ کر قبول کرنے سے انکار کرتے تھے اور اس کے نتیجے میں وہ حکمرانوں کی زبردستی اور ایذا رسانی کا شکار رہتے تھے جب امام مالک نے خلفاء کی جبری بیعت کے کالعدم ہونے کا فتویٰ دیا تو ان کی پیٹھ پر تازیانے برسائے گئے۔

خلاصہ یہ کہ خلافت راشدہ کے نظام حکمرانی کو ختم کر کے عجمی ملوکیت کے موروثی نظام کو اختیار کرنے کے جو مقاصد ہو سکتے تھے وہ سب کے سب پیدا ہونا شروع ہو گئے اور بقول مولانا ابوالحسن علی ندوی:

” رخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے پر تلی ہوئی تھی اور چالیس برس کا حساب ایک دن میں پورا کرنا چاہتی تھی۔“

جن صحابہ کرام نے یزید کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی تھی ان کا بیعت سے انکار کرنا دراصل اسلامی نظام میں ان ہی آنے والے انحرافات کو روکنے اور ان پر پابندی لگانے کے لئے تھا۔ ان کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ اگر اصلاح نہ ہوئی تو یہ بگاڑ بڑھتی ہی جائے گا یزید کی ولی عہدی کے وقت یہ بگاڑ اگرچہ پورے طور پر ظاہر نہیں ہوا تھا لیکن جن لوگوں نے خلافت کو ہر قل کی ملوکیت میں تبدیل کر دینے پر تنقید کی تھی اور اپنی ناراضی ظاہر کی تھی انھیں پورے طور پر یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ اسلامی ریاست کی گاڑی نے اپنی پٹری بدل دی ہے اور اب یہ راستہ ”مکہ“ کے بجائے ”ترکستان“ کی طرف جا رہا ہے۔ منزل اور سمت سفر کی اس تبدیلی کے نتائج سے وہ لوگ اچھی طرح واقف تھے جن کو اللہ نے نور بصیرت عطا فرمایا تھا حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے مستقبل کے خطرات کا اندازہ کیا اور سمت سفر کی اس تبدیلی کو روکنے کے لئے اپنی زندگی قربان کر دینے کا فیصلہ کیا۔ یہ وہ لوگ تھے جو خلافت کے لئے ذاتی استحقاق کے یہ میدان میں نہیں آئے تھے۔ یہ امت کے بہترین لوگ تھے۔ حضرت حسینؑ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہؓ اور حضرت علیؑ کی آغوش میں تربیت پائی تھی۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ تھیں اور خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ۔

اختلاف کی بنیاد

تاریخ کی کتابوں میں ان اجل صحابہ کے نام موجود ہیں جنہوں نے یزید کے لیے بیعت کرنے سے انکار کیا۔ حضرت حسینؑ کے علاوہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نام تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ اختلاف کی بنیاد یہ تھی کہ نظام حکومت اپنے اسلامی مزاج سے منحرف ہو رہا تھا۔ اور خلفائے راشدین کے بجائے اسلام میں قیصر و کسریٰ کی سنت زندہ کی جا رہی تھی۔ اس تبدیلی کو اہل دین اور صحابہ عظام کا دینی ضمیر برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ یزید کی ولیعہدی کے مسئلے پر ابن اثیر نے اختلاف کی جو روداد سنائی ہے۔ اس میں مروان کے سامنے عبدالرحمان بن ابوبکرؓ کا بیان موجود ہے۔ اس بیان سے اختلاف کی اصل بنیاد کا واضح طور پر پتہ چلتا ہے۔

”تم لوگوں کی نیت یہ ہے کہ خلافت کو ہر قل کی ملوکیت سے بدل دو کہ ایک ہر قل مرا تو دوسرا ہر قل آگیا“

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے حضرت معاویہؓ کو یزید کی ولیعہدی کے موقع پر یہ مشورہ دیا تھا کہ خلافت کے اہم مسئلے میں خلافت راشدہ کو نمونہ بنائیے نہ کہ دنیا کے حکمرانوں اور بادشاہوں کو یزید کی ولیعہدی سے شدید اختلاف کرتے ہوئے انہوں نے حضرت معاویہؓ کو کہا:

”اپنے بعد معاویہؓ کو اس طرح چھوڑ جائیے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ گئے تھے کہ انہوں نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا اور لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ کو منتخب کیا، پاپھر حضرت ابوبکرؓ کی سنت اختیار کیجئے کہ خلیفہ نامزد تو کیا مگر اپنی اولاد کو نہیں، نہ اپنے خاندان میں سے کسی کو۔ یا خلیفہ ثالث حضرت عمرؓ کی طرح کیجئے کہ انہوں نے خلیفہ کے انتخاب کے لئے شوریٰ بنادی تھی مگر اس میں اپنے خاندان یا اولاد کے کسی فرد کو نہیں رکھا“

خود حضرت حسینؑ کا قول تاریخ میں موجود ہے۔ امام وہی ہے جو کتاب اللہ پر عامل انصاف کا خوگر، حق کا تابع اور تعلق مع اللہ کے صفت سے متصف ہو۔

اب جن لوگوں نے برسرِ ممبر اور علیؑ رؤس الاشہاد یزید کی خلافت کو ماننے سے انکار کیا تھا، ان کے نزدیک یزید نہ کتاب اللہ پر عامل تھا نہ انصاف کا خوگر نہ حق کا تابع اور نہ تعلق مع اللہ کی صفت سے متصف۔ یزید کا کردار کیا تھا۔ البدایہ والنہایہ جیسی قابلِ اعتماد کتاب میں اور دوسری بہت سی تاریخ کی کتابوں میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔

چنانچہ علامہ ابن کثیر اپنی کتاب البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں

وكان فيه ايضاً اقبال على الشهوات
والترك لبعض الصلوات في بعض
الافاقات وامانتها في غالب
الافاقات

اس کے ساتھ اس میں شہوات کی طرف
میلان موجود تھا۔ کبھی وہ تارک الصلوٰۃ بن
جاتا تھا۔ نمازوں کے معاملے میں وہ نہایت
لا پرواہی کا شکار تھا۔

اسلامی حکومت کا مقصود ہی اقامتِ نماز ہے۔ اگر کوئی حکمران دین کے معاملہ میں اتنا
لا پرواہ ہو جائے کہ اسے نمازوں کی بھی فکر نہ رہے اور اقامتِ صلوٰۃ کے بجائے امانتِ صلوٰۃ
کا مجرم بن جائے تو پھر اس کے لئے کوئی ڈھال باقی نہیں رہتی اور اس کے خلاف اقدامِ درست
ہو جاتا ہے

حضرت معاویہؓ کا موقف

اس سوال کا پیدا ہونا قدرتی ہے کہ حضرت معاویہؓ جیسی اہم شخصیت کو یزید کی ولیعت
پر اصرار کیوں تھا اور یہ اجتہادی غلطی ان سے کیوں سرزد ہوئی تاریخ کہتی ہے کہ حضرت
معاویہؓ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ امت کی وحدت اور شیرازہ بندی کے لیے یہی صورت مناسب
تھی۔ اس کے علاوہ یزید میں وہ انتظام و انصرام اور قوت و بہادری کے جوہر بھی دیکھتے
تھے۔ اور یہ جوہر عام طور پر دنیا میں بادشاہوں کے لڑکوں میں پائے جاتے ہیں لیکن تاریخ
یہ بھی کہتی ہے کہ ان سب کے ساتھ اس محبت کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا، جوہر باپ کے سینے
میں ہوتا ہے ابن کثیر نے اسبابِ ولیعت میں اس سبب کو سب سے پہلے بیان کیا ہے

”وذا لك من شدة محبة الوالد لولده“

۲۸ صحابہ کرام کا روکنا بر بنائے مصلحت و شفقت

جن بزرگوں نے حضرت حسینؑ کو اقدام سے روکنے کی کوشش کی ان کا نقطہ نظریہ نہیں تھا کہ حکومت اور سیاست میں بگاڑ پر نیکر کرنا اور مخالفت میں قدم اٹھانا ہی سرے سے غلط ہے۔ بلکہ نقطہ نظریہ تھا کہ حالات کا اور اپنے دشمن کی قوت کا اندازہ لگانا بھی ضروری ہے۔

حضرت حسینؑ کے سوتیلے بھائی محمد بن حنفیہ نے ان سے کہا
 ”تمام علاقوں میں گھومنے پھرنے تاکہ اندازہ لگ سکے کہ حالات کیا ہیں اور لوگوں کا نقطہ نظر کیا ہے۔ لوگوں سے ملنے کے بعد جو راستے قائم ہوگی وہی صحیح رائے ہوگی۔“
 حضرت عبداللہ بن عباس نے بھی مشورہ دیا کہ ابھی مقابلے کے لئے اٹھنا قرین مصلحت نہیں انھوں نے کہا:

”عراق کا ارادہ نہ کرو اور اپنی جان کھونے کے لئے وہاں نہ جاؤ۔ کم از کم اتنی بات مان لو کہ موسم حج گزر جانے دو۔ حج میں آنے والے لوگوں سے مل کر وہاں کے حالات کا اندازہ کرو اور پھر جو طے کرنا ہے طے کرو۔“

یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ ان حضرات کا نقطہ نظریہ تھا کہ وقت ابھی سازگار نہیں ہے۔ آج یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؑ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ اس وقت قطعیت کے ساتھ یہ فیصلہ کرنا آسان نہ تھا اور کوفے کے عمائدین کے بے شمار خطوط کو انھوں نے اپنے موقف کے لیے دلیل بنایا تھا۔ انھوں نے خلاص کے جس موقف کو صحیح سمجھا اسے اختیار کیا۔

حضرت حسینؑ کی مخالفت بڑے فنکارانہ طریقہ سے ہو رہی ہے اور بڑی چابک دستی کے ساتھ یزید کی صفائی پیش کی جا رہی ہے تاثر یہ دیا جا رہا ہے کہ ایک دو بزرگوں کو چھوڑ کر کوئی یزید کا مخالف نہ تھا باستثنائے چند سب نے بطیب خاطر یزید کو خلیفہ تسلیم کر لیا تھا اور یزید میں کوئی ایسی خرابی نہ تھی کہ اس کو خلیفہ تسلیم کرنے میں کوئی قباحت لازم آتی اس بارے میں جو بات کہ بار بار دہرائی جا رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت

عبداللہ بن عباسؓ نے نہ صرف یہ کہ بیعت کر لی بلکہ بیعت کی مخالفت کرنے والوں کو نصیحت بھی کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ دونوں بزرگ شروع سے یزید کی ولی عہدی اور یزید کی خلافت کے مخالف تھے۔ خلافت راشدہ کے بعد اسلام کا اجتماعی ڈھانچہ بدل رہا تھا اور جو سیاسی نظام شروع ہوا، تھا وہ منہاج سنت پر مبنی نہیں تھا اور یہ بات صحابہ کرام اور اہل دین و تقویٰ کے لئے بڑی صبر آزمائی تھی۔ لیکن یہ حضرات دیکھ رہے تھے کہ اس صورت حال کی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔ شام کے قسطنطنیہ کاہرہ کی نظروں میں نہ اہل دین کا تقدس ہے نہ دین کا احترام اور نہ خود اس کی دینی تربیت ہو سکی ہے۔ مذہب اور سیاست کے راستے الگ ہو چکے ہیں۔ اب ہتھیار ڈالنے اور بد رجحانوں کی بیعت کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی علاقہ میں گورنر کو بھیجتے تھے تو نرمی اختیار کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ کو جب یمن کی گورنری پر مامور کیا تو نصیحت کی "یسر ولا تعسر" نرمی اور آسانی پیدا کرنا سختی نہ کرنا یہی طریقہ خلافت راشدہ کے عہد میں بھی تھا۔ لیکن بنو امیہ کے زمانے کے گورنر تمام دینی تقاضوں کو فراموش کر کے ظلم پر ہر وقت کمر بستہ رہتے تھے حجاج کے مظالم کو دیکھ کر حسن بصریؒ نے فرمایا:

"اے اللہ میں تجھ سے ڈرتا ہوں اور اس سے ڈرتا ہوں جو تجھ سے نہیں ڈرتا"

ظلم و ستم کی خونچکاں داستان جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ ان حالات میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ جیسی شخصیت جس کے روز و شب تسبیح و تلاوت اور مسلسل عبادت میں گزرتے ہوں مجبوراً بیعت کر لیتے ہوں اور اسی طرح سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ آخر میں آمادۂ بیعت ہو جاتے ہوں تو یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ان حضرات کے طرز عمل کو حضرت حسینؑ کے اقدام کو غلط ثابت کرنے کے لیے دلیل بنا کر پیش کیا جائے اور اللہ کی مخلوق کو گمراہ کیا جائے۔ خلافت راشدہ کے بعد اہل دین کی اکثریت نے اس وقت کے حالات میں جو ممکن ہو سکا وہ کیا۔ انھوں نے حکومت وقت سے قطع تعلق کر لیا اور گوشہ گیر ہو گئے اور اپنے اپنے دائرہ میں تجدید و احیاء کی پر خلوص جدوجہد شروع کر دی تاکہ دینی اور اخلاقی نظام پر سیاسی نظام کی غلط کاریوں

کاسایہ کم سے کم پڑے انھوں نے بادِ مخالف کے جھونکوں کے درمیان شمع روشن کی۔

دامن اس کا تو بھلا دور ہے اے دستِ جنوں

کیوں ہے بے کار گریباں تو مرادور نہیں

حضرت عبداللہ بن عباسؓ باوجود بیعت کر لینے کے یزید کو کس نظر سے دیکھتے تھے اس پر وہ مراسلت بہترین شہادت ہے جو ان کے اور یزید کے درمیان ہوئی تھی شہادت حسینؓ کے بعد جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی تو اس دعوت کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قبول نہیں کیا۔ ان حضرات نے اگرچہ بادلِ ناخوشہ بیعت کر لی تھی لیکن بیعت کر لینے کے بعد وہ اس کو توڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے انکارِ بیعت سے یزید بہت خوش ہوا اور اس نے اپنے خط میں انعام و اکرام اور حسن سلوک کا وعدہ کیا۔ یزید کا خط ابنِ اشیر کی تاریخ میں موجود ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یزید کو اس کے خط کے جواب میں لکھا:

”تمہارا خط ملا، میں نے جو ابنِ زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ اس سلسلہ

میں تم سے حسن سلوک اور تمہاری تعریف کا خواہاں نہیں بلکہ جس

نیت سے میں نے ایسا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ تمہارا یہ

کہنا کہ تم میرے اس حسن سلوک کو فراموش نہ کرو گے تو مجھے تمہارے

حسن سلوک کی ضرورت نہیں اور تمہاری یہ درخواست کہ میں دلوں میں

تمہاری محبت پیدا کروں اور ابنِ زبیر سے نفرت اور ابنِ زبیر کو میں

اکیلا چھوڑ دوں تو ایسا نہیں ہو سکتا مجھے تمہاری خوشی منظور ہے اور نہ

تمہارا اعزاز اور یہ ممکن بھی نہیں کیونکہ تم ہی حسینؓ اور جو انان عبدالمطلب

کے قاتل ہو۔ تمہارے سواروں نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو خون

آلود میدان میں ڈال دیا تھا اور ان کے بدن پر ایک کپڑا بھی نہ تھا۔

پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا گیا۔۔۔۔۔ یہ سب کچھ تم نے خدا

رسول اور اہل بیت کی عداوت میں کیا۔ حسینؓ نے تمہارے سامنے

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار ہیں اور ان کے خاندان کا صفایا کیا جاسکتا ہے موقع غنیمت جانا اور تم ان کے خلاف اس طرح ٹوٹ پڑے گویا تم مشرکوں اور کافروں کو قتل کر رہے ہو..... آج تو نے ہم پر فتح پالی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر فتح پا کر رہیں گے

والسلام

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے یہ الفاظ روز روشن کی طرح یہ شہادت دیتے ہیں کہ اس وقت کے عالم اسلام کا دینی حلقہ یزید کو ناپسند کرتا تھا۔ اس دینی حلقہ نے حضرت امام حسینؓ کے سرفروشانہ اقدام کا عملی ساتھ دیا ہو یا نہ دیا ہو اس حلقہ کا دل ان کے ساتھ تھا۔ جن لوگوں نے روکنے کی کوشش کی وہ بر بنائے شفقت کی تھی کہ اہل اسلام کے اس کعبہ محبت کو کوئی آپہنچ نہ آئے یا اس لئے تھی کہ ان کے خیال میں اقدام کے لئے حالات سازگار نہیں ہیں۔ آج یہ کہا جاسکتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے حالات کا اندازہ لگانے میں غلطی کی۔ لیکن اس وقت قطعیت کے ساتھ ان کے لئے ناسازگاری کا فیصلہ کرنا آسان نہیں تھا۔ کوفے کے عمائدین کے خطوط ان کے پاس آرہے تھے۔ وفود کی شکل میں لوگ آرہے تھے اور انھیں بلارہے تھے۔ انھوں نے اگر یہ فیصلہ کیا کہ انھیں نکلنا چاہئے تو کیوں اسے غلط کہا جائے کیا یزید کی حکومت کے خلاف بے چینی موجود نہیں تھی کیا خلافت کو موروثی نظام سے بدلنے پر اضطراب نہیں پایا جاتا تھا؟۔

حکمت الہی کیا تھی؟

علامہ ابن تیمیہ نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ حکمت الہی یہ تھی کہ امام حسینؓ کو شہادت کے بلند و ارفع مقام تک پہنچایا جائے تاکہ وہ شہداء کا عیش اور سعادت کی منزل پاسکیں۔

لیکن اس حکمت الہی سے بڑھ کر ایک اور حکمت الہی اس واقعہ شہادت میں موجود ہے جس کا رشتہ پوری ملت اسلامیہ کے مستقبل کی تاریخ سے جڑا ہوا ہے اور وہ یہ کہ حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے سرفروشانہ اقدام کے ذریعہ غلط اور فاسد اقتدار کے خلاف اعلان حق کی ایک زندہ نظیر باقی رہ جائے جو ہر دور میں اہل عزیمت کے لئے نمونہ کا کام کرے اور فساد کو مٹانے کے لئے انھیں بے چین و مضطرب کر دے۔ یہاں امام ابن تیمیہؒ ہی کے قول کو پیش کرنا بے محل نہ ہوگا۔

”دین کے اعزاز و غلبے کے لئے جانوں کو خطرے میں ڈالنا دین میں مشروع ہے“

حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اہل عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر۔

بظاہر یزید کے زمانہ کی دونوں کوششیں کامیاب نہ ہو سکیں۔ لیکن یہ کامیابی کیا کم ہے کہ یہ دونوں کوششیں اہل عزیمت کے لئے نمونہ اور نظیر کا کام دیتی رہیں۔ اور اہل دین و صلاح کی نظروں میں اسلامی سیاست و خلافت کی آئینہ دل شکل ہمیشہ باقی رہی اور اس کے لئے جدوجہد بھی جاری رہی۔ جدوجہد اس چیز کے لیے تھی کہ خلافت کو صحیح مرکز پر قائم کیا جائے اور اسلامی نظام حکومت کی چولہا جو کھسک گئی تھی اسے اپنی جگہ پر بٹھایا جائے۔ اور یہ اجارہ داری جو امویوں نے اور عباسیوں نے قائم کر لی تھی اسے ختم کیا جائے لیکن اموی اور عباسی حکومتیں طاقتور حکومتیں تھیں۔ ان کی پشت پر مضبوط فوجی نظام تھا ان حکومتوں کا مقابلہ آسان نہ تھا۔ ان کے مقابلہ میں کچھ حمایت اگر مل سکتی تھی تو ان لوگوں کو جو ایک طرف اپنے زہد اور تقویٰ کے اعتبار سے اور دوسری طرف علو نسب اور خاندانی شرافت کے اعتبار سے سوسائٹی میں غیر معمولی احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہوں یہی وجہ ہے کہ موروثی نظام حکومت کے خلاف علم جہاد اٹھانے والے اس دور میں وہ لوگ تھے جن کا تعلق اہل بیت سے تھا کہ ان کی کامیابی کا امکان دوسروں کے مقابلہ میں

زیادہ تھا اور معاشرہ میں ان کی حیثیت مرکز امید کی تھی۔

امام حسین کے پوتے حضرت زید بن علی بن حسین نے ہشام بن عبد الملک کے خلاف مجاذرات کی اور ۱۲۲ھ میں اقامت دین کی اس جدوجہد میں شہادت سے سرخرو ہوئے۔ اگر یہ اقامت دین کے لئے جدوجہد نہ ہوتی اور یہ کشمکش جہاد نہ ہوتی تو امام اعظم ابو حنیفہؒ ان کے مؤید اور حامی نہ ہوتے۔ امام صاحب کی تائید اور حمایت اسی لئے تھی کہ وہ اس موروثی نظام حکومت کو غیر شرعی اور غیر اسلامی تصور کرتے تھے۔ انھوں نے زید بن علی کی خدمت میں درس ہزار درہم بھیجے اور اس استفسار پر کہ یہ جہاد ہے کہ نہیں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ بھی ایک طرح کا جہاد ہے جس طرح واقعہ بدر جہاد تھا

زید بن علیؑ کا خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدر کے خروج کے مماثل ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے زید بن علی کی فوج کی مالی معاونت کی لیکن چونکہ حضرت زید کے حمایتیوں پر انھیں بھروسہ کم تھا اس لئے انھوں نے تلوار اٹھانے سے معذرت کی ہے۔

”خروجہ یضاہی خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم بدر و آمد جنودہ بالمال و لکنہ کان ضعیف الثقتہ فی انصارہ و لذا قال فی الاعتذار عن حمل السیف معہ“

حضرت زید بن علیؑ کے بعد حضرت محمد ذوالنفس زکیہ بن عبد اللہ المحض بن حسن ثنی بن سیدنا حسنؑ نے مدینہ طیبہ میں اور ان کے بھائی ابراہیم بن عبد اللہ المحض نے کوفہ میں عباسی خلیفہ منصور کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور امام ابو حنیفہؒ امام مالک نے ان کی بھی تائید و حمایت کی امام ابو حنیفہؒ نے مالی مدد کی۔ امام مالکؒ نے اہل مدینہ کو محمد ذوالنفس الزکیہ کی رفاقت و طاعت کا فتویٰ دیا اگرچہ کہ لوگ منصور کی بیعت کر چکے ہوں گے

یہ بحث غیر ضروری ہے کہ یہ کوششیں کتنی کامیاب ہوئیں اور کتنی نہیں۔ انسان صرف

۱۔ مناقب امام ابو حنیفہؒ لبرازی بحوالہ لابی زہرہ

ص ۱۶۴

۲۔ تاریخ الکامل ج ۵ ص ۲۱۴

اپنی کوششوں کا مکلف ہے ان کے نتائج کا نہیں۔ یہ دنیا صرف دارالعمل ہے۔ کوششوں کی جزا کی اصل جگہ آخرت سے۔ اس دنیا میں اہل حق صلحا و بلکہ انبیاء کو بھی کامیابی کبھی ملتی ہے اور کبھی نہیں۔ دنیوی نتائج کا تعلق اللہ تعالیٰ کی وسیع تر مصلحتوں سے ہے اور تنہا وہی ان مصلحتوں کا جاننے والا ہے۔ لیکن ان کوششوں کی یہ کامیابی بھی کم نہیں کہ ان کی وجہ سے باطل کے خلاف مزاحمت اور سلطان جائز کے خلاف کلمہ حق کہنے کی ایک پوری تاریخ وجود میں آئی ہے۔ اسلامی تاریخ کی آبرو ان سے قائم ہے جنہوں نے مضبوط ترین طاقتوں کے مقابلہ میں بھی سپر نہیں ڈالی اور بلند ترین مقصد کے لئے انہوں نے خون کا آخری قطرہ بھی بہانے سے دریغ نہیں کیا۔

صحابہ کرام کی تربیت اور تعلیم سے تیار ہونے والے علماء اور فقہاء دین بھی کبھی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے کام سے غافل نہیں رہے۔ انہوں نے حق کی پرواہ کی اور جان کی پرواہ نہیں کی جب عبدالملک نے اپنے دو بیٹوں کو یکے بعد دیگرے جانشین بنانا چاہا تو مشہور تابعی سعید بن مسیب نے مخالفت کی اور قید و بند کی تکلیفیں اٹھائیں اور کوڑے کھائے۔ حجاج نے جب بصرہ اور کوفہ کے نو مسلموں پر جزیہ لگایا تو علماء نے شدید مخالفت کی اور جب عبدالرحمان بن اشعث نے حجاج کے مظالم کے خلاف بغاوت کی اور امر بالمعروف کا علم بلند کیا تو علماء کی بڑی تعداد نے جن میں سعید بن جبیر، ابراہیم نخعی اور جیسے بزرگ شامل تھے، عبدالرحمان کا ہاتھ دیا اس حق پسندی کی وجہ سے سعید بن جبیر کو جہاں شہادت نوش کرنا پڑا اس بغاوت کے سلسلہ میں قابل غور بات یہ ہے کہ امام شعبی جیسے علماء نے جو حکومت کے ساتھ تعاون کرتے تھے، باغیوں کا ساتھ دیا۔ ملوکیت کے اس عہد کے بارے میں امام حسن بصری کہا کرتے تھے ”امراء کی تلواریں ہماری زبانوں سے آگے بڑھ گئی ہیں۔ جب ہم گفتگو کرتے ہیں تو وہ ہمیں تلوار سے جواب دیتے ہیں“

امام غزالی نے علماء حق کی بے خوفی اور حق گوئی کے واقعات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے
 هذه كانت سيرة العلماء و عادتهم في الامور بالمعروف
 امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں علماء کا بھی دستور اور طریقہ تھا وہ بادشاہوں کی سطوت

وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَقِلَّةُ
مُبَالَاتِهِمْ بِسُطُوَةِ السَّلَاطِينِ
لَعَنَهُمُ اتَّكُلُوا عَلَى فَضْلِ اللَّهِ
تَعَالَى أَنْ يُخْرِسَهُمْ وَرَضُوا
بِحُكْمِ اللَّهِ تَعَالَى أَنْ يُرْزَقَهُمُ
الشَّهَادَةُ .

اور طاقت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ انھیں
اللہ کی رحمت پر بھروسہ تھا کہ وہی ان کا نگران
اور محافظ ہے۔ وہ خدا کے اس فیصلہ پر بھی
راضی تھے کہ انھیں شہادت نصیب ہو^۱

ایک بنیادی مسئلہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ

جمہور علماء اہل سنت حضرت حسین کے اقدام کو درست اور ان کے موقف کو حق سمجھتے
ہیں۔ شیعیت کے خلاف محاذ آرائی میں حضرت امام حسین کے اقدام کو ہی غلط ثابت کرنے
کی کوشش بڑی غلطی ہوگی۔ یہ مسلک اہل سنت والجماعت کا نہیں ہے۔ علامہ ابن تیمیہ
نے اپنی کتاب منہاج السنۃ میں یہ لکھا ہے کہ یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام درست نہ تھا
یہاں منہاج السنۃ کے اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں جو حضرت حسین کے برسر حق
ہونے سے انکار کرنے والوں کا بہت بڑا سہارا بن گئے ہیں۔

(۱) یہ بات جان لینے کی ہے کہ صحابہ کرام کا طبقہ ہو یا تابعین عظام کا یا بعد کے زمانوں
کے اہل بیت یا غیر اہل بیت کا ان میں سے بڑے بڑے اہل علم و دین سے بعض وقت ایسی
نوعیت کا اجتہاد سرزد ہو جاتا ہے جن میں کچھ ظن و دھم اور کبھی کوئی باریک قسم کی ہوائے نفس
شامل ہو جاتی ہے۔ ایسا اجتہاد اس شخصیت کی عند اللہ عظمت کے باوجود قابل اتباع
نہیں ہوتا۔

(۲) ”مسلمانوں کے اکابر اہل علم نے ہمیشہ ان خرابیوں کی مخالفت کی ہے مثلاً یزید کے
خلاف اہل مدینہ خروج پر آمادہ ہوئے تو عبداللہ بن عمر، سعید بن مسیب اور علی بن الحسین
(زین العابدین) نے ان کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ یا ابن الاشعث کی بغاوت کا فتنہ اٹھا تو
حسن بصری اور مجاہد وغیرہ نے سمجھایا لہذا اہل سنت کے یہاں یہ مسئلہ بالکل طے شدہ

ہو چکا ہے کہ فتنے کے وقت میں تلوار اٹھانا مناسب نہیں۔ علماء اہل سنت نے اس مسئلہ کی اس درجہ اہمیت سمجھی ہے کہ اسے عقائد کی فہرست میں داخل کر کے لازم کیا ہے کہ ائمہ و خلفاء کے جو رسوم کا مقابلہ تلوار کے بجائے صبر اور برداشت سے کیا جائے یہی وجہ تھی کہ حبِ حسینؑ نے عراق جلنے کا ارادہ فرمایا تو اکابر اہل علم و دین مثلاً ابن عمرؓ ابن عباسؓ ابو بکر بن عبد الرحمن بن عمارؓ بن ہشام نے اس ارادہ کے خلاف مشورہ دیا۔

علامہ ابن تیمیہ کے ان اقتباسات کے بارے میں ایک خیال تو یہ ہے کہ ان کی حیثیت الزامی جواب کی ہے کیونکہ منہاج السنۃ ایک شیعہ عالم حسین بن مطہر کی کتاب منہاج الکرامۃ فی معرفۃ النذامۃ کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں ان کی حیثیت اہل سنت کی طرف سے وکیل کی ہے۔ لیکن یہ اگر ان کے واقعی خیالات ہیں تو وہ اپنے خیالات میں منفرد اور تنہا ہیں اور ان کے بہت سے شاذ افکار کی طرح یہ بھی ان کا شذوذ ہی ہے اور جس طرح سے ان کے بہت سے خیالات اور نظریات سے اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے اس نظریہ سے بھی اہل سنت کو اتفاق نہیں ہے۔ امام مالکؒ نے روضہ اطہر کی طرف اشارہ کر کے ایک بار فرمایا تھا کہ اس صاحبِ قبر کی بات کے سوا ہر شخص کی بات قبول بھی کی جاسکتی ہے اور رد بھی کی جاسکتی ہے

كُلُّ يُوْخِذْمَنَّهُ وَيُرَدُّ عَلَيْهِ الْاَصْحَابُ هَذَا الْقَبْرِ

بلاشبہ علامہ ابن تیمیہ کے محاسن و کمالات بہت ہیں۔ ان کا بے مثال حافظہ ان کا غیر معمولی تبصرہ علمی، ان کی خداداد جرأت و شجاعت دین کے معاملہ میں ان کی غیرت و حمیت، ان کا تقویٰ اور خشیت یہ سب کچھ مسلم ہے۔ ان کی زبان ابرو گو ہر بار تھی ان کا قلم تیغِ اَصیل تھا ان کی حاضر جوابی بے نظیر تھی۔ ان تمام صفات و کمالات کے باوجود جہاں تک میانہ روی اور مسلک کے توازن اور زبان و قلم کی احتیاط کا تعلق ہے اس بارے میں بہت کچھ کہنے کی گنجائش ہے اور بہت سے مستند علماء نے بہت کچھ کہا بھی ہے۔ یہاں ان کے دہرانے کی ضرورت نہیں بہت سے مسائل میں ان کے یہاں شذوذ بھی پایا جاتا ہے روضہ اقدس کی زیارت اور تطلیقات ثلاثہ وغیرہ

کے بارے میں ان کے تفردات کا علم سب کو ہے۔ یہاں بھی ردِ شیعہ کے جوش میں اعتدال کا دامن ان کے ہاتھ سے چھوٹا ہے۔ علم عقاید اور کلام کی کتابوں میں تو حضرت حسینؑ کو برسرِ حق اور یزید کو برسرِ باطل لکھا گیا ہے۔ شرح عقائد نسفی اور متعدد علم کلام کی کتابوں میں یہی مذکور ہے۔ شرح عقائد نسفی میں امام شافعی کا یہ قول بھی مذکور ہے کہ امام ابو جہل فسق معزول ہو جائے گا۔ اسی طرح ہر امیر اور ہر قاضی کا یہی حکم ہے کیونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک فاسق قابلِ ولایت نہیں کیونکہ وہ اپنی جان کو گناہ سے محفوظ نہیں رکھ سکتا تو رعیت کو کس طرح بچائے گا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام فاسق بھی قابلِ ولایت ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مسئلہ علماء کے نزدیک مختلف فیہ رہا ہے۔ اور یہ اختلاف ظاہر ہے کہ امام حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے دور کے بہت بعد رونما ہوا۔ جن بزرگوں نے امام کے خلاف اقدام سے روکا ان کی مصلحت یہ تھی کہ مسلمانوں کو خون ریزی سے بچایا جائے اور خلافت خاصہ نہ سہی خلافت عامہ باقی رہے۔ دشمنانِ اسلام کو اسلامی حکومت کی طرف معاندانہ نظر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔ جن بزرگوں نے اقدام کی اجازت دی ہے ان کا نقطہ نظریہ ہے کہ مسلمان ظالموں کے ظلم و جور سے محفوظ رہیں اور عادلانہ نظامِ خلافت جو شریعت کے اصولوں پر مبنی ہو قائم ہو سکے۔ اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ کے طرزِ عمل کو بھی مد نظر رکھنا چاہیے۔ ہم یہاں بعض دوسرے علماء اور محققین کا نقطہ نظر پیش کرتے ہیں۔

ظالم حکمران کے خلاف اقدام کے بارے میں علامہ ابنِ حزم کا موقف
 علامہ حافظ ابنِ حزم کا نقطہ نظریہ ہے کہ شاہانِ حکومت اگر خیانت اور غلط کاری کے مرتکب ہوں تو ان کے خلاف بغاوت واجب ہے کیونکہ وہ لوگ اللہ اور رسول سے جنگ کرنے والے ہیں۔ زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے کوشاں ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو مسلمانوں کے جان و مال کا نقصان کرتے ہیں اور معصوم لوگوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ یہ اپنے

عیش و آرام کے لئے اور بیت المال کو دولت سے بھر دینے کے لئے مسلمانوں تک پر جزیہ عاید کرتے ہیں اور مسلمانوں سے جزیہ وصول کرنے کے اس ظلم پر یہودیوں کو مقرر کرتے ہیں۔
 اس سلسلے میں علامہ ابن حزم نے مزید یہ لکھا ہے کہ جب حکمران کو شریعت کے دائرے میں واپس لانا اور ظلم و جور سے باز رکھنے کی تمام تدبیریں ناکام ہو جائیں تو اس طریقہ کار کو اختیار کئے بغیر چارہ نہیں رہتا جسے "العنف الدموی" (خون ریزی) کہتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ خلیفہ وقت کی اطاعت اور فرمانبرداری کا معاہدہ تو برہنہ کتاب و سنت ہے۔ اگر وہ کتاب و سنت کے مطابق چلیں تو ان کی اطاعت واجب ہے مگر وہ کتاب و سنت دو میں سے کسی ایک سے بھی انحراف کریں تو ان پر حد نافذ کی جائے۔ حد اور حق قائم کیا جائے اور انھیں سزا دی جائے لیکن اگر معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہو کہ معصوم انسانی جانوں کا اتلاف اور کتاب و سنت کے مطابق عمل اور امن و امان ان کو معزول کئے بغیر ممکن نہ ہو تو انھیں منصب خلافت سے برطرف کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور کسی دوسرے عادل اور خدا سے ڈرنے والے شخص کو خلیفہ بنایا جائے گا۔ اگر اس سلسلے میں خلیفہ وقت کے خلاف تلوار اٹھانے پر مجبور ہونا پڑے تو تلوار بھی اٹھائی جائے گی اور کتاب و سنت پر مبنی نظام کو بروئے کار لانے کے لئے ظالم حکمران کو قتل کر دینا واجب ہو جائے گا۔

بعض علماء نے یہ ضرور لکھا ہے کہ ظلم و جور کے خلاف تلوار اٹھانے کے بجائے صبر کا طریقہ اختیار کیا جائے گا اور ہاتھ کے بجائے محض زبان سے حالات کو بدلنے کی کوشش کی جائے گی اور یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف دل سے برا سمجھا جائے گا۔ اس سلسلے میں یہ علماء بعض اتحاد کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ علامہ ابن حزم اس نقطہ نظر کی پُر زور تردید کرتے ہیں اور یہ جواب دینے ہیں کہ بعض مواقع پر اذیت رسانی اور حکمران کی طرف سے زور و دھوکہ کرنے کے مواقع پر صبر کی تلقین دلانے والی جو حدیثیں ہیں ان کا مفہوم یہ ہے کہ اس صورت حال

کے بارے میں ہے جب خلیفہ نے اپنا نظام حکومت کتاب و سنت کے مطابق ترتیب دیا ہو۔
 کبھی کبھی اگر اس سے زیادتیاں بھی ہو جائیں تو ان پر صبر کرنا چاہئے۔ لیکن اگر خلیفہ حق کے بجائے
 باطل پر ہو اور اس کی ستم رانیاں حد سے تجاوز کر جائیں اور اصل دین اور بے گناہ انسان کا
 خون بہایا جاتا ہو تو اللہ کی اس بات سے پناہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطلب
 یہ لیا جائے کہ حق کا خون ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی خاموشی اور صبر کا رویہ اختیار کیا جائے۔

علامہ ابن حزم اپنے موقف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ایک حدیث میں ہے جس میں
 ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ناحق مال چھیننے والے کے بارے میں سوال کیا۔
 آپؐ نے یہ جواب دیا ”تم اسے اپنا مال ہرگز مت دو“ پوچھا گیا: ”اگر وہ میری جان کے درپے
 ہو جائے تو میں کیا کروں؟“ آپؐ نے فرمایا ”تم بھی اس سے قتال کرو“ پوچھا گیا ”اگر میں اس
 کو قتل کر ڈالوں تو کیا ہوگا؟“ آپؐ نے جواب عنایت فرمایا ”وہ مقتول جہنمی ہوگا“ پوچھنے
 والے نے پھر پوچھا ”اگر میں قتل کیا جاؤں تو“ آپؐ نے فرمایا ”تم جنت پا جاؤ گے“ یہ
 حدیث عام ہے۔ سلطان اور غیر سلطان دونوں پر اس کا اطلاق ہوگا۔

علامہ ابن حزم کہتے ہیں کہ ممکن ہے کسی گوشے سے یہ اعتراض کیا جائے کہ یہ خلیفہ وقت کے
 خلاف تلوار اٹھانے سے مسلمانوں کی خوں ریزی ہوگی، اہل اسلام کا جان و مال ضائع ہوگا
 اور ممکن ہے حکومت کی فوج سے برسرِ پیکار ہونا پڑے اور شکست ہو اور نتیجہ کچھ نہ نکلے اس اعتراض
 کا جواب یہ ہے کہ ظالم حکمران کے خلاف تلوار اٹھانے کے لیے کچھ تو تیاری کرنی ہوگی لیکن جان
 و مال کے ضائع ہونے کا خطرہ اور اس شکست کا امکان ضرور موجود ہے لیکن شکست کا
 امکان تو اس جنگ میں بھی ہوتا ہے جو کافروں کے خلاف کی جاتی ہے اور ب اوقات
 کافروں کی فوج کی تعداد کئی گنی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر ان خطرات کا اعتبار کر لیا جائے تو
 کافروں کے خلاف جہاد بھی ساقط ہو جائے گا۔ حالانکہ دنیا میں کوئی مسلمان اس کا قائل

نہیں۔ اہل کفر کے خلاف جہاد کرنے سے اس کا بھی خطرہ ہوتا ہے کہ مسلمان عورتیں مرد اور بچے غلام اور قیدی بنائے جائیں اور ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا جائے۔ لیکن اس کے باوجود بھی اس پر کسی کا اختلاف نہیں کہ اہل کفر سے جہاد واجب ہے۔ لہذا ان دونوں معاملات میں یعنی کفار کے خلاف جہاد اور بے راہ و مسلم خلفاء کے خلاف جہاد میں کوئی فرق نہیں ہے۔ دونوں کا درجہ جہاد کا ہے اور دونوں کا مقصد کتاب و سنت کی عملداری ہے۔

علامہ ابن حزم کا خیال ہے کہ اگر مسلمان حکمران کا معاملہ یہ ہو گیا ہو اس کو کفر اور اہل کفر کے ساتھ موالات عزیز ہو اور اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی اس کا شیوہ ہو ایسی صورت میں صبر کی تلقین کرنا روح اسلام کی مخالفت ہے۔ ایسے حکمران کو ان کے نزدیک ہٹانا اور اس سے قتال کرنا فرض ہے۔ البتہ تصادم اور مقابلے کی کوئی شکل نہ رہ جائے اور اہل حق بہت ہی کمزور ہوں اور جنگ ناممکن ہو تو پھر صورتحال کے لحاظ سے جو کچھ اور جتنا کچھ ممکن ہو کیا جائے۔

فاسق و فاجر حکمران کے خلاف کارروائی کے بارے میں امام غزالی کا موقف
 جہاں تک پوشیدہ طریقے سے نصیحت اور زبانی تنقید و احتساب کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ یہ بالکل درست کام ہے اور کسی کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں۔ لیکن اگر فہمائش و نصیحت کی تمام کوششیں رائیگاں چلی جائیں یا حاکم دین سے دور اور اسلامی تعلیمات کے بارے میں معدانیہ طور پر لاپرواہ ہو اور سمجھانے بجھانے کی کوئی کوشش اس پر کارگر نہ ہو سکتی ہو تو اس صورت میں ایسے حکمران کے خلاف تادیبی کارروائی کی جاسکتی ہے یا نہیں اس بارے میں امام غزالی یہ لکھتے ہیں۔

”رعایا کی طرف سے حاکم کے خلاف تادیبی کارروائی کا معاملہ مشکل معاملہ ہے۔ بیٹے کی طرف سے والدین کی اصلاح کی کوشش نسبتاً

آسان ہے۔ حاکم کی اصلاح، نصیحت اور خیر خواہی کے کلمات سے چل سکتا ہو تو ٹھیک ہے بحث اس میں ہو سکتا ہے کہ شاہی بیت المال میں غصب کا ناجائز مال موجود ہو تو چڑھائی کر کے زبردستی مال لینا اور مالکوں کے حوالے کرنا ممکن ہے یا نہیں۔ اگر وہ لباسِ حریر زیب تن کرتا ہو تو اس کا دامن و گریبان پکڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اگر شراب کی صراحیاں اس کی مجلس میں ہوں تو انھیں زبردستی توڑا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس سلسلے میں ایک پہلو تو یہ ہے کہ اس طرح کا اقدام حاکم کے رعب و اب اور ہیبت و حشمت کو کم کرتا ہے۔ جس کی ممانعت شرع میں ہے اور اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ امر منکر ہے اور منکر پر سکوت حرام ہے۔ اب یہاں پر دو ممنوع امر ایک دوسرے کے معارض ہوئے تو اس کا حل یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے گا کہ حاکم کا منکر کس درجے کا ہے اور اگر حاکم کے خلاف اقدام کرنے سے اس کی ہیبت ختم ہو جائے گی اور منکر بڑے درجے کا نہیں ہے تو یہاں اس امر کا خیال رکھا جائے گا کہ حاکم کے رعب اور ہیبت کو نہیں ختم کرنا چاہئے لیکن اگر معاملہ دوسرا ہو اور منکر بڑا ہو تو یہ معاملہ ایسا ہے کہ اس بارے میں تفصیل کو ضبطِ بیان میں لانا مشکل ہے یعنی اس کا تعلق حالات کی نوعیت سے ہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والے کو اس میں اجتہاد سے کام لینا ہو گا۔

امام غزالی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ اندازہ ضرور ہو جاتا ہے کہ اگر اقتدار کی باگ ڈور بالکل ہی غیر شرعی طریقے سے کسی شخص کے ہاتھ میں آگئی ہو اور وہ خود بھی فاسق اور بد کردار ہو اور اس کا ظلم و جور سے حد سے بڑھ گیا ہو اور اس کی اصلاح کی کوئی تدبیر باقی نہ رہ گئی ہو تو ظاہر ہے کہ ایسے حکمران کے رعب اور ہیبت اور احتشام کے باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں رہ جاتا ہے

ان کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ طاقت کے ذریعہ ہی اس منکر کو مٹانا ضروری ہوگا۔

علامہ ابو بکر جصاص کا موقف

”گذشتہ تمام معتقدین و متاخرین اہل دین وفقہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے واجب ہونے کے قائل ہیں۔ البتہ کچھ بے خبر اور دین سے بے بہرہ لوگوں کا ایک گروہ ہے جن کو اس سے اختلاف ہے وہ ہتھیار اٹھانے اور باغی گروہ سے لڑنے کو فتنہ و فساد سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے **فقاتلو الّٰتی تبغی حتی تفضی الی امر اللہ** (تم باغی جماعت سے لڑو یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع کرے) آیت کے الفاظ صاف تقاضہ کرتے ہیں کہ باغی گروہ سے جنگ کرنا واجب ہے۔ لیکن اس حکم صریح کے باوجود دین سے بے بہرہ حشویہ کا گروہ کہتا ہے کہ حاکم وقت اگر ظلم و جور اور قتل نفس جسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے جیسے منکرات کا بھی ارتکاب کرے تو اس پر نیکر نہیں کی جائے گی۔ ہاں اگر غیر حاکم سے ان کا ارتکاب ہو تو زبان یا ہاتھ سے نیکر کا حق ہے مگر اس صورت میں بھی ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گمراہ طبقہ دین کے دشمنوں سے بھی زیادہ برا ہے کیونکہ اس گروہ نے لوگوں کو باغی گروہ سے جنگ اور حاکم کے ظلم و جور پر نیکر کرنے سے روک دیا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہایت فاسق اور فاجر بلکہ دشمن اسلام تک اقتدار پر غالب آگئے ہیں سرحدیں خراب ہو رہی ہیں ظلم پھیل رہا ہے، شہر برباد ہو رہے ہیں۔ یہ سب نتیجہ ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑنے اور سلطان جائز پر نیکر نہ کرنے کا۔“

ابوالمعالی امام الحرمین کا نقطہ نظر

مسلم کی مشہور حدیث ہے

من رأى منكم منكراً فليغيره بيده
فان لم يستطع فليسانه فان لم
يستطع فليقلبه وذلك اضعف
الايمان

تم میں سے جو شخص کسی منکر کو دیکھے تو اس کے
لئے لازمی ہے کہ وہ اسے ہاتھ سے (قوت و طاقت کے
استعمال سے) مٹا دے اور اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی زبان
سے منکر کو روکنے کی کوشش کرے اور اگر یہ بھی ممکن
نہ ہو تو اپنے دل سے برا سمجھے اور صرف اپنے دل سے
برا سمجھنا ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

امام نوویؒ اپنی شرح مسلم میں امام الحرمین کا قول نقل کرتے ہیں

واذا جاروا الى الوقت وظهر

ظلمه وغشمه ولم يفرج حرجين

زجر عن سوء صنيعه بالقول

فلاهل الحبل والعقد التواطؤ

على خلعه ولو بشهر الاسلحة

ونصب الحرمين هذا كلام امام الحرمین

وقت کا حکم اس اگر ظلم پر کمر بستہ ہو اور ظلم و جور کا پہلو
بہت نمایاں ہو اور زبان سے روکے جانے پر بھی
وہ اپنے کروت سے باز نہ آئے تو یہ ارباب حل و عقد
کی ذمہ داری ہے کہ اسے اقتدار سے بے دخل کرنے
پر متحد ہوں خواہ اس کے لئے اپنی ہتھیار ہی کیوں نہ
اٹھانا پڑے اور جنگی اقدامات ہی کیوں نہ کرنے
پڑیں۔ یہ امام الحرمین کے الفاظ ہیں۔

واقعہ کر بلا کی دینی و شرعی اہمیت کو واضح کرنے کے لئے علماء دین کے یہ بیانات

کافی ہیں۔ یقیناً عزیمت کی راہ یہی ہے اور حضرت حسینؑ کا اقدام عزیمت علماء اور محققین
کے درمیان متفق علیہ مسئلہ رہا ہے اور اس میں سے کسی کے شاذ نظریات سے کوئی فرق واقع
نہیں ہوتا۔ ہم یہاں حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ جیسے بزرگوں کے اقدامات

کی شرعی صحت کو ثابت کرنے کے لئے مرویات حضرت عمرؓ میں سے ایک روایت کو پیش کرنا چاہتے ہیں کہ جس کے بعد کسی کے قول کو پیش کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی۔

حضرت عمرؓ کی حدیث

ایک حدیث ہے جس میں حضرت عمرؓ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرمایا ہے

یقیناً آخر زمانے میں میری امت کو ان کے بادشاہوں کی جانب سے سختیاں لاحق ہوں گی اس سے وہی شخص نجات پائے گا جس نے خدا کے دیں کو پہچانا اور اس کے لئے اپنی زبان اور اپنے ہاتھ اور اپنے قلب سے جہاد کیا۔ پس یہی شخص ہے جس کے لئے خدا کی رحمت اور دنیوی و اخروی سعادت اُگے بڑھے گی۔ اس کے بعد مرتبے کے لقمے بارے وہ شخص ہے جس نے خدا کے دین کو پہچانا (زبان و دل سے) دین کی تصدیق کی پھر اس کے بعد مرتبے کے اعتبار سے وہ شخص ہے جس نے دین کے قدروں کو پہچانا اور خاموشی سے اختیار کی اور جو شخص کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس کی نیکی کی وجہ سے اس سے محبت کرتا ہے اور کسی کو باطل کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو اس شخص سے نفرت کرتا ہے تو ایسا شخص بھی نجات پانے والوں میں سے ہوگا کیونکہ اس نے حق کی محبت اور باطل سے نفرت کو اپنے دل میں چھپائے رکھا ہے

انہ تصیب فی امتی فی آخر الزمان
من سلطانہم شد اند لا ینجوا منه
الی رجل عرف دین اللہ
فجاہد علیہ بلسانہ و یدہ
و قلبہ فذلک الذی سبقت
لہ السوابق و رجل عرف دین
اللہ فصدق بہ و رجل عرف
دین اللہ فسکت علیہ فان
رأی من یعمل الخیر احبہ علیہ وان
رأی من یعمل بباطل ابغضہ علیہ
فذلک الذی ینجو علی ابطانہ کلہ

اس مقام پر اس مشہور حدیث کا نقل کر دینا بھی مناسب ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الَا لَا يَمْنَعَنَّ رَجُلًا مِرَابَّةَ النَّاسِ
 أَنْ يَتَكَلَّمَ بِالْحَقِّ إِذَا عَلِمَهُ الْإِثْمُ
 أَفْضَلُ الْجِهَادِ حَلْمَةُ حَقٍّ عِنْدَ
 سُلْطَانٍ جَائِرٍ

کسی شخص کو لوگوں کا خوف اور دبدبہ حق بات کہنے سے ہرگز نہ روکے جبکہ وہ اس کو جانتا ہو ہاں سن لو کہ سب سے ثواب والا جہاد ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنا ہے۔

ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہنے کی جرأت کو سب سے بڑا جہاد کیوں قرار دیا گیا ہے اس سلسلے میں علامہ خطابی کہتے ہیں۔

”یہ سب سے زیادہ فضیلت والا جہاد اس لئے ہے کہ جو شخص دشمن اسلام سے جہاد کرتا ہے وہ امید اور خوف کے درمیان متردد ہوتا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ وہ فاتح ہو گا یا مفتوح (یعنی اس کے شہادت پانے کا بھی امکان ہے اور کامیاب ہونے کا بھی امکان ہے) البتہ جو شخص ظالم بادشاہ پر تنقید کرتا ہے تو اس کے ہاتھ میں مجبور ہے جب وہ اس کے سامنے حق کا اظہار کرے گا اور معروف کا حکم دے گا تو اس طرح سے وہ اپنی ہلاکت اور بربادی کے درپے ہو گا۔ خوف کے پہلو کے غالب ہونے کی وجہ سے یہ جہاد کی سب سے برتر قسم قرار پائی۔“

اعتدال کی راہ

بلاشبہ صحیح احادیث میں امرار و حکام کی اطاعت کا حکم موجود ہے۔ اور عام حالات میں ان احادیث کی روشنی میں ان سے بغاوت یا ان کے خلاف خروج درست نہیں۔ لیکن جب صورت حال یہ ہو کہ اسلام کے صحیح نظام کا حلیہ بگڑ رہا ہو یا دین کی بنیادیں متاثر ہو رہی ہوں

اور وقت کا فرماں روا جس کی حکومت کی اصل ذمہ داری اقامت صلوٰۃ ہوتا نماز کے بارے میں لاپرواہی کا شکار ہوا اور ہوس و ہوا کا اسیر ہو کر رہ گیا ہو تو پھر یہ اہل عزیمت کی ذمہ داری ہوتی ہے کہ خاموش نہ رہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں۔ امیر و حاکم کی اطاعت بھی ضروری ہے لیکن اس کا وجود اگر فتنہ بن جائے تو اصلاح و درستی کی کوشش بھی ضروری ہے امام نودی نے جو صحیح مسلم کے شارح ہیں کتاب الامارہ باب وجوب اطاعت الامراء میں دونوں اقوال نقل کئے ہیں۔ ایک قول ہر حالت میں اطاعت و انقیاد کا ہے اور دوسرا قول یہ ہے

وقدرت علیہ بعضهم هذا بقیام
المحسین وابن زبیر (ای خروجہما
علی یزید) و اهل المدینۃ علی
بنی امیہ و بقیام جماعۃ عظیمۃ
من التابعین والصدرا لاول علی
الحجاج مع الاشعث۔

بعض حضرات نے اس قول کا رد کیا ہے اور
اور یزید کے خلاف حسین بن علی اور ابن زبیر
کے اقدام سے اور اہل مدینہ کے بنی امیہ کے
خلاف بغاوت سے اور تابعین کی اور صدر
اول کی ایک بہت بڑی جماعت کی حجاج
کے خلاف بغاوت سے اور اشعث کی طرفداری
سے حجت اور دلیل پیش کی ہے۔

یعنی حضرت حسینؑ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تابعین عظام اور اہل مدینہ کے صلحاء کا
بنی امیہ کے خلاف اقدام ایک نظیر ہے کہ جب ایوان حکومت میں بگاڑ پیدا ہو گیا ہو اور سربراہ
مملکت کی رند مشربی اور عیش کوشی کے اثرات معاشرے پر پڑ رہے ہوں اور شورائی نظام کی جگہ
استبدادی نظام جگہ لے رہا ہو تو وہ سرفروشانہ اقدام بھی کیا جاسکتا ہے۔ جس کی نظیر امام حسینؑ نے
پیش کی۔

صدر اول کی تاریخ میں ایک نظیر حضرت حسینؑ کی ہے اور دوسری حضرت حسینؑ کی۔
بالفاظ دیگر تاریخ یہ سبق دیتی ہے کہ جب حضرت معاویہؓ جیسی شخصیت میدان میں ہو تو حضرت حسنؑ

کے اسوہ کو اختیار کرنا چاہئے لیکن اگر مقابلہ یزید سے ہو تو عزیمت کی بات وہی ہے جو حضرت حسین کا موقف ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کے اقتباسات سے ان کا جو موقف بظاہر معلوم ہوتا ہے وہ نہ تو اعتدال کی راہ ہے اور نہ یہ جمہور امت کا مسلک ہے نا صبیہوں کے گروہ نے اہل بیت کی دشمنی میں یہ موقف ضرور اختیار کیا ہے اس سلسلہ میں ایک مثال قاضی ابن عربی کی ہے جن کے بارے میں تحفۃ الثنا عشریہ کے مصنف شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے تصریح کی ہے کہ وہ نا صبیہ ہیں ورنہ علماء اور محدثین اور فقہاء حضرت حسین کے اقدام کو درست ہونے پر اور یزید کی خلافت سے اختلاف پر گویا متفق ہیں۔ یہاں شارح بخاری حافظ ابن حجر کا قول نقل کیا جاتا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانی کا موقف حسین و یزید کے بارے میں

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں ابن تیمیہ کے موقف کے بالکل برخلاف حضرت حسین کے اقدام خروج کو دینی بصیرت کے اعتبار سے درست اور اعلیٰ کلمۃ اللہ سے اسے وابستہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”ایک قسم ان حضرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سنت نبوی پر ان کے عمل نہ کرنے کی بناء پر دینی غیرت و حمیت میں نکلے۔ یہ سب اہل حق ہیں۔ حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام اہل علم و دین جو حجاج سے برسر پیکار ہوئے جن کا شمار اہل حق میں ہیں اور حق ان ہی کے ساتھ تھا۔“

خروج کے بارے میں اور تلوار اٹھانے کے سلسلہ میں شرعی نقطہ نظر کیا ہے اس کی توضیح کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں۔

”جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے جو ظالم ہو اور اس شخص کی جان یا مال

یا اہل و عیال پر غلبہ حاصل کرنا چاہتا ہو ایسا شخص معذور ہے اور اس شخص سے قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی طاقت کے مطابق اپنی جان و مال اور اپنے اہل و عیال کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے چنانچہ طبری نے بسند صحیح عبد اللہ بن حارث سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مضر کے ایک شخص کے ذریعہ حضرت علیؑ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف خروج کرتے ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف خروج کریں تو ان سے قتال کرو اور اگر ظالم حکمران کی مخالفت کریں تو ان سے قتل و قتال نہ کرو کیونکہ ان کو کہنے کا حق حاصل ہے۔

اس روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ ابن حجر فرماتے ہیں۔

”اور اسی صورت پر محمول ہو گا جو حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا اور پھر مقام حرہ میں اہل مدینہ کے ساتھ اور پھر حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اور ان علماء کے ساتھ جنہوں نے عبد الرحمن بن محمد بن الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج کیا تھا کہ ان سب حضرات سے قتال ناجائز تھا۔“

انتقاد امامت کا مسئلہ اور یزید اور اسلام کا اصول حکمرانی

بعض علماء کے نزدیک یزید کی خلافت بھی مکمل طور پر منعقد نہیں ہوئی کیونکہ تمام ارباب حل و عقد کی بے رضا و رغبت بیعت پائی نہیں گئی۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک ارباب حل و عقد کا اجماع شرط ہے۔

الامام الذی یجتمع قول اهل الحل
والعقد علیہ کلہم
امام وہ ہے جس پر تمام حل و عقد کے قول کا
اتفاق ہو۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انعقادِ خلافت کے لئے اہل ایمان کا اور خاص طور پر اہل صلاح و تقویٰ کا اتفاق ضروری ہے یہ بات خود انھوں نے خلیفہ عباسی منصور کے سامنے کہی تھی:

ما اجتماع عیث اشان من اهل
التقویٰ والخلافة تکون باجتماع
المؤمنین ومشورتهم ۛ
تمھاری خلافت میں دو اہل تقویٰ کا بھی اتفاق
ہنیں ہوا۔ خلافت مومنین کے اجتماع اور مشورے
سے منعقد ہوتی ہے۔

امامت کے شرطوں میں بعض علماء نے عدالت اور دین میں افضلیت کی شرط بھی لگائی ہے زیادہ تر
علماء کے نزدیک یہ شرط ساقط بھی ہو سکتی ہے بشرطیکہ عامۃ المسلمین امام سے راضی اور اس کی
خلافت پر دل سے مطمئن ہوں۔

وهو ان تکون النفوس قد سكنت
الیہ وکلمتہم علیہ اجمع ۛ
اور اس کے بارے میں اجماع کلمہ ہو چکا ہو۔
اگر خلیفہ اپنی زندگی میں مسلمانوں میں سے کسی ممتاز شخص کو اپنا جانشین بنائے تو جانشین
کے اندر بھی شرائط امامت کا پایا جانا ضروری ہے۔ اور ان شرائط میں استمرار اور دوام ہونا چاہئے۔
ويعتبر فی المعهود الیہ شروط
الامامة وقت العهد الیہ و
استدامتها الی ما بعد المولی ۛ
جس شخص کو جہاں نشین اور ولی عہد بنایا
جائے اس کے لئے بوقتِ ولیعہدی شرائطِ
امامت پر پورا اترنا چاہئے اور جہاں نشین بننے
والے کی وفات کے بعد بھی ان شرائط کو پایا
جانا چاہئے۔

ان شرائط کو اگر مد نظر رکھا جائے تو یزید لائق امامت ہی نہ تھا چنانچہ شاہ
عبد العزیز محدث دہلوی لکھتے ہیں:

” باجماع مؤرخین ثابت ہے کہ حیب حضرت امام حسینؑ نے یزید کو باطل پر جانا اور لائق امامت کے نہ دیکھا..... تو یزید کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ یزید کے لشکر سے لڑے اور اپنے اصحاب سمیت درجہ شہادت کو پہنچے۔“

تنہا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نہیں بلکہ ان کے بعد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کہ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تک تمام بزرگوں کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب ازالۃ الخفا فیصل پنجم میں شہادت امام حسینؑ اور واقعہ حرہ سے متعلق کتاب الفتن کی متعدد احادیث نقل کی ہیں جن میں ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی ہے جس میں انھوں نے یہ کہا ہے :

اعوذ باللہ من رأس الستین
وامة الصبیان -
میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں ۳۷ھ کے شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت سے ۔

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

یشیر الی خلافة یزید بن معاویہ
لا نریا کانت سنة ستین من الهجرة
اس کا اشارہ یزید بن معاویہ کی خلافت کی طرف ہے کیونکہ اس کی حکومت ۶۰ھ میں قائم ہوئی تھی۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی سیرۃ النبیؐ جلد سوم میں جو معجزات پر مشتمل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کے باب میں اس طرح کی ایک حدیث بیان کی ہے جس میں اشارہ یزید کے فتنہ کی طرف ہے۔ کتاب الفتن کی ان احادیث کی وجہ سے علماء اور محققین دین کو اس نتیجے تک پہنچنے میں آسانی ہوئی کہ حق امام حسینؑ کے ساتھ تھا۔ اور یہ کہنا کہ یزید کوئی ایسا باطل نہ تھا کہ جس کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جاسکتی نہایت نادرست قول ہے۔ اس

۱۔ تحفہ اثنا عشریہ در خواص مذاہب شیعہ :

موضوع پر مولانا قاسم نانائوی نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کے چند اقتباسات یہ ہیں:

”جس وقت حضرت معاویہؓ نے یزید کو اپنا ولی عہد بنایا اس کا فسق ظاہر نہ تھا اگر کچھ کیا ہو گا تو درپردہ جس کی خبر امیر معاویہؓ کو نہ تھی“

”امیر معاویہؓ کے انتقال کے بعد یزید نے ہاتھ پیر پھیلائے اور دل و جان سے برائی میں لگ گیا۔ برائی کا اعلان شروع کر دیا۔ نماز چھوڑ دی بس بعض مقدمات گزشتہ کی بناء پر معزول کرینے کے لائق ہو گیا“

”شاید اس وقت ارباب حق و عقد کی رائیں اور تدبیریں الگ ہو گئیں کسی پر فتنہ و فساد کا اندیشہ غالب آگیا۔ اور بدرجہ مجبوری بادل ناخواستہ بیعت قبول کر لی..... اور جس کو ایک جماعت کثیر کے وعدوں پر معزول کر دینے میں کامیابی کی امید دکھائی دی اس نے خدا کے بھروسے پر لڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہ اختلاف محض امیدوں اور اندیشوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے اہل کوفہ کی غداری کی وجہ سے حضرت امام حسینؑ کی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور عاشورہ کے دن میدانِ کربلا کے اندر قیامت سے پہلے قیامت قائم ہو گئی“

”موجودہ صورت میں حضرت امام حسینؑ کی شہادت میں کیا شبہ ہے یزیدؑ تو آپ کا خلیفہ تھا اور نہ یزید پر خروج کرنا جائز تھا۔ اور اگر خلیفہ تھا بھی تو بھی اس پر خروج ممنوع نہ تھا یہ

خلافت راشدہ کا عہد اسلامی خلافت کے لئے اسوہ اور معیار کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس پر کسی کا اختلاف نہیں۔ انفرادی اور اجتماعی دونوں اعتبار سے یہ ایک زریں عہد ہے۔ کامیابی مقدر ہو یا نہ ہو اس کی باز آفرینی اور بازیابی کی آرزو سے کسی مسلمان کا دل کبھی خالی نہیں رہا ہے۔ بہت سے اہل عزیمت نے اس اعلیٰ اور مثالی نمونے کے قریب ہونے کی کوشش اپنے اپنے زمانہ میں کی ہے۔ انسان صرف اس سعی و کوشش کا مکلف ہے کہ جہاں تک ہو سکے خلافت راشدہ سے مشابہت رکھنے والا اجتماعی نظام قائم ہو جائے

اسلام کی تاریخ میں ان کوششوں کے نتیجے میں وہ وقفے ملتے ہیں جن سے خلافت راشدہ بابرکت زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ مسلمانوں کی ہدایت اور تذکیر کی کوششیں حکمرانوں کی غلط کاریوں پر انھیں ٹوکنا اور تمام اندیشوں کے باوجود کلمہ حق زبان پر لانا اسی نیش آرزو کی موجودگی کی علامت ہے جو ایک مومن کو بے چین رکھتی ہے۔ یہ بات تاریخی طور پر مسلم ہے کہ یزید کی ولیعہدی کے ذریعہ خلافت راشدہ کے اجتماعی نظام سے انحراف پایا گیا تھا۔ اس ولیعہدی کی تحریک جس نے بھی پیش کی ہو اسے اجتہاد کی غلطی کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتا۔ نہ صرف اس لئے کہ زبان نبوی نے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کی سنت کو مضبوطی سے پکڑنے کا حکم دیا تھا بلکہ اس لئے بھی کہ وہی اصولی حکمرانی قرآنی آیتوں کے ذریعہ بھی صحیح قرار پاتے ہیں جو عہد خلافت راشدہ میں پائے جاتے تھے۔

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم (ہر قسم کی) امانتیں ان لوگوں کے سپرد کرو جو ان کے اہل اور حقدار ہیں اور (اے حاکمو) جب تم لوگوں کے درمیان فیصلے کرو تو عدل و انصاف سے کرو۔ بے شک اللہ تمہیں کیا خوب نصیحت فرماتا ہے اللہ سنا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو پس اگر تمہارے درمیان (تمہارے اور اولوالامر کے درمیان) کسی بات پر نزاع ہو جائے تو اللہ اور رسول کی طرف حتیٰ فیصلہ کے لئے لوٹنا دو اگر تم اللہ اور رسول کو آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا ہے یہ

ان الله يأمركم ان تؤدوا الامانات
الى اهلها واذا حكمتم بين الناس
ان تحكموا بالعدل ان الله نعم
يعظكم به ان الله كان سميعا
بصيرا يا ايها الذين امنوا
اطيعوا الله واطيعوا الرسول
واولي الامر منكم فان تنازعتم
في شئ فردوه الى الله والرسول
ان كنتم تؤمنون بالله واليوم
الآخر ذلك خير و احسن تأويل

تحت اقتدار منصب اور حکومت ذاتی جائداد اور ملکیت کسی کی نہیں یہ ایک امانت اور ٹرسٹ ہے۔ اس آیت کی روشنی میں ان امانتوں کو صرف ان کے سپرد کرنا چاہیے جو امانتوں کے اہل اور حق دار ہیں۔ غیر مستحق اور نا اہل افراد کو یہ امانت سپرد نہیں کرنی چاہئے۔ لفظ امانت اپنے انبار ایک جہان معنی رکھتا ہے اور اس آیت سے اسلام کے سیاسی نظام کے بہت سے اصول مستنبط کئے جاسکتے ہیں۔

- ۱۔ اسلام میں حکومت شخصی اور موروثی نہیں ہے بلکہ ایک امانت ہے۔
- ۲۔ حکومت کے مالک حکام نہیں بلکہ غیر حکام ہیں جو کسی شخص کو سپرد کر کے اسے حاکم بناتے ہیں۔ اس لئے اقتدار و حکومت کا تحقق غیر حکام کی سپردگی کے ذریعہ ہوگا بالفاظ دیگر اس حکومت کو نمائندہ اور منتخب ہونا چاہئے۔
- ۳۔ منصب حکومت پر صرف حقدار اور اہل (الی اھلہ) شخص کو بٹھانا چاہئے۔
- ۴۔ حکام کے لئے عدل و انصاف کا حکم ہے یعنی ظلم و جور کی وجہ سے یا اہلیت کے مفقود ہو جانے کی وجہ سے یہ معاہدہ قابل تنسیخ ہو سکتا ہے۔
- ۵۔ حاکم اور محکوم یکساں طور پر خدا اور رسول کے قانون کے تابع ہیں۔
- ۶۔ محکوم کو حاکم سے نزاع و اختلاف کی اجازت ہے بشرطیکہ اس کی بنیاد قرآن و سنت ہو۔

۷۔ قرآن و سنت کی روشنی میں اس نزاع کا فیصلہ ہوگا۔ قرآن و سنت کو حتمی اور قطعی حیثیت حاصل ہے۔

- ۸۔ قرآن و سنت پر مبنی فیصلہ کرنے والی عدالت کو حاکم کے اثر سے آزاد ہونا چاہیے۔
- ۹۔ صلاح و فلاح صرف اس نظام میں ہے جس کے اصول اوپر بتائے گئے۔

علماء اور محققین نے خلیفہ اسلام کے لئے متعدد بشرطیں بیان کی ہیں مسلمان ہونا آزاد ہونا عاقل و بالغ ہونا عادل اور عالم ہونا قریشی ہونا جنگی اور انتظامی امور میں باصلاحیت ہونا اور فاسق و فاجر نہ ہونا یہ سب شرطیں ہیں۔ بعض شرطوں میں اختلاف ہے اور بعض میں اختلاف نہیں ہے اس پر کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ فاسق کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی جائے گی۔

اختلاف اس میں ہے کہ فسق بعد میں پیدا ہوا یا فسق کی خبر نہ تھی تو بیعت ختم کی جاسکتی ہے یا نہیں ایک قول یہ ہے کہ صرف کفر کے ظاہر ہونے اور اقامت۔ صلوٰۃ کے نہ کرنے پر یا شریعت کے کسی حکم کے نہ ماننے پر بیعت ختم کی جاسکتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اگر کفر نہ بھی ہو لیکن فسق ظاہر اور معلوم ہو تو بیعت ختم کی جاسکتی ہے۔

اب اس زمانہ میں جو نبوت سے قریب تھا اور ان لوگوں کی موجودگی میں جنہوں نے نبوت کا اور خلافت راشدہ کا زمانہ پایا تھا قرآن کے عطا کردہ اصولوں سے خلفاء راشدین کے بابرکت طریقوں سے اگر کوئی انحراف پایا جائے اور ان نفوس قدسیہ کی آنکھوں کے سامنے ایسے شخص کو مسندِ رانی پر بٹھا دیا جائے جس کا دامن داغ داغ ہے اور پھر کوئی اضطراب نہ ہو اور مقاومت کے لئے کوئی کھڑا نہ ہو اور کوئی اس نظام کو چیلنج نہ کرے یہ بات عقلِ عام کے بھی خلاف ہے اور دینی ضمیر کے بھی خلاف ہے۔

زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا ترا

وہ فاسقانہ ثقافت جو یزید کے دور اور اس کے دربار میں پروان چڑھ رہی تھی تاریخ کی بے شمار کتابیں اس کی گواہ ہیں۔ یزید کے فسق و فجور کی بے شمار روایتوں کا انکار بعض اہل قلم نے یہ کہہ کر کیا ہے کہ جن معتبر شخصیتوں نے یزید کے ہاتھ میں بیعت سے انکار کیا تھا ان کی زبان سے یزید کے فسق و فجور کی کوئی بات رکارڈ میں نہیں ہے اور ان کی زبان سے ہمیں کوئی ایسا لفظ نہیں ملتا جس سے اس کی بدکرداری کی شہرتِ عام کی تصدیق ہوتی ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ تو خیر القرون سے بہت قریب تھا۔ آج کے گئے گزرے دور میں بھی اہل دل علماء اور اصفیاء کی مجلسیں لوگوں کی بدکرداری کے ذکر سے خالی ہوتی ہیں اور فسق و فجور کا تذکرہ ان کی ثقاہت کے منافی ہوتا ہے۔ ان باتوں کا تذکرہ ان کی زبان پر بدرجہ مجبوری اور بوقتِ ضرورت اور بقدرِ ضرورت آتا ہے اور صراحتاً کم اشارتاً زیادہ۔ امام حسینؑ نے شہادت سے پہلے جو خطبہ دیا ہے جس میں انھوں نے اپنے اقدام کی شرعی اہمیت بیان کی اس میں بھی یزید اور اس کے حلقہ بگوشوں کے کردار کی طرف اشارہ موجود ہے۔

”لوگو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے ظالم، محرمات الہی کو حلال کرنے والے خدا کے عہد کو توڑنے والے خدا اور رسول کے مخالف اور خدا کے بندوں پر گناہ اور زیادتی کے ساتھ حکومت کرنے والے بادشاہ کو دیکھا اور قولاً و عملاً اس پر غیرت نہ آئی تو خدا کو حق ہے اس شخص کو اس بادشاہ کی جگہ دوزخ میں داخل کر دے۔ لوگو! خبردار ہو جاؤ ان لوگوں نے شیطان کی اطاعت اختیار کی اور رحمان کی اطاعت چھوڑ دی ملک میں فساد پھیلایا ہے، حدود الہی کو معطل کر دیا ہے، مالِ غنیمت میں اپنا حصہ زیادہ لیتے ہیں خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حرام کر دیا ہے اس لئے مجھ کو غیرت میں آنے کا زیادہ حق ہے۔“

حضرت حسینؑ کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیر نے اہل مکہ کے سامنے تقریر کی اس تقریر میں انھوں نے حضرت حسینؑ کے مقامِ عظمت کو موثر انداز میں بیان کیا ہے اور یزید کے دامن کو معصیت سے آلودہ قرار دیا ہے۔

خدا کی قسم انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین و فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے بخدا وہ تلاوت قرآن کے بجائے گانے بجانے اور خوفِ الہی سے رونے کے بجائے نغمہ و سرود کا شغل نہیں رکھتے تھے نہ روزوں کے بجائے شراب نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ نہ ذکرِ الہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے کو ایڑ لگایا

اما والله لقد قتله طويلاً بالليل
قيامه كثيراً في النهار صيامه احق
بما هم فيه منهم واولى به في الدين
والفضل اما والله ما كان يبدل
بالقران العناء ولا بالبكاء من
خشية الله الحذاء ولا بالصيام
شرب الحرام ولا بالمجالس في
خلق الذكر الركض في تطلاب الصيد
(يعرض يزید) فسوف يلقون غيًّا

کرتے تھے (یہ سب باتیں یزید پر طنز تھیں)
سو یہ لوگ عنقریب آخرت کی بربادی سے
دوچار ہوں گے۔

بلاذری کی روایت میں حضرت عبداللہ بن زبیر کا جو بیان ہے اس میں یزید کے کردار
کے بارے میں صراحت پائی جاتی ہے۔

فبسط ابن الزبیر لسانہ فی یزید بن
معاویہ تنقصہ وقال بلغنی
انہ یصبح سکران وئیسى کذلک
عبداللہ بن زبیر نے یزید بن معاویہ کی مذمت
کرتے ہوئے کہا کہ مجھے تو یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ وہ
نشہ کی حالت میں صبح اور نشہ کی حالت میں شام
کرتا ہے۔

یزید کی تنقیص و مذمت پر ائمہ دین و علماء اسلام صدیوں سے متفق رہے ہیں اور
جس کی شخصیت اہل دین کی نظروں میں سب سے زیادہ قابل نفرت رہی ہے، اور واقعہ کربلا
اور واقعہ حرہ کے بعد جس کی تعریف و تحسین کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، اس دور میں بعض
اہل قلم اپنے سوادِ قلم سے اس کے سیاہ چہرہ کو پُرکشش بنانے اور سواد کو بیاض سے بدلنے
کی سعی لا حاصل میں لگے ہوئے ہیں اور بالواسطہ طور پر ان صحابہ کرام کو بھی مجروح کر رہے ہیں جو
میدان کربلا میں اور مدینہ منورہ میں یزید کی فوج کے ہاتھوں شہید ہوئے تھے۔

خود یزید کے بیٹے معاویہ بن یزید کی شہادت

میرے باپ نے حکومت سنبھالی تو وہ اس
کا اہل ہی نہ تھا۔ اس نے رسول اللہ کے
نواسے سے نزاع کی۔ آخر اس کی عمر گھٹ گئی
اور نسل ختم ہو گئی اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے
گناہوں کی ذمہ داری لے کر دفن ہو گیا۔ یہ کہہ کر
قتلہ ابی الامر وکان غیر اہلہ
ونازع ابن بنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فقصف
عمرہ وانبتہ عقبہ وصار فی
قبرہ رہینا بذنوبہ یکی وقال

ات من اعظم الامور عينا
علمنا سوء مصرعه وسوء منقلب
وقد قتل عترة رسول الله واباح
الخمر وخرب الكعبة ۱۷

رونے لگے جو بات ہم پر سب سے گراں ہے وہ
یہی ہے کہ اس کا برا انجام اور بری عاقبت
ہمیں معلوم ہے۔ اس نے رسول اللہ کے قرابت
داروں کو قتل کیا شراب کو حلال کیا اور
بیت اللہ کو دیران۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی شہادت

حدثنا نوفل بن ابی اقرب كنت
عند عمر بن عبد العزيز فذكر
رجل يزيدين معاوية فقال
امير المؤمنين يزيد فقال له
عمر تقول امير المؤمنين فأمريه فضربه
عشرين سوطاً ۱۸

ہم سے نوفل بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ
میں حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت میں
حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے یزید بن معاویہ
کا ذکر کرتے ہوئے (احتراماً) امیر المؤمنین یزید
کے الفاظ نکل گئے اس پر عمر بن عبد العزیز نے
فرمایا تو اس کو امیر المؤمنین کہتا ہے؟ پھر آپ نے
حکم دیا کہ اس کو بیس کوڑے لگائے جائیں
چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔

علامہ ابن تیمیہ کی شہادت

كونه عادلاً في كل اموره
مطيعاً لله في جميع افعاله
ليس اعتقاد احد من ائمة
المسلمين ۱۹

یزید اپنے معاملات میں عادل تھا یا اپنے
عمل و کردار میں خدا کا فرماں بردار تھا یہ
ائمہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں۔

”وضع الید فی الید“ کی روایت

حضرت حسینؑ کی پیش کردہ شرط وضع الید فی الید کو کچھ لوگ اپنے موقف کے لئے دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں اور یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آخر میں حضرت حسینؑ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لئے بھی تیار ہو گئے تھے۔ عربی زبان و ادب کے ذخیرے سے ایک جملہ بھی ایسا نہ مل سکے گا جس سے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا مفہوم بغیر کسی قرینے کے بیعت سمجھا جائے۔ دنیا کی دو بڑی طاقتوں کے سربراہ جب باہم ملتے ہیں تو وضع الید فی الید کا واقعہ ہی پیش آتا ہے۔ لیکن وہاں کوئی کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا۔ فریق مخالف کے لوگ بھی گفتگو کے لئے باہم ملتے ہیں تو مصافحہ کرتے ہیں اور پنجہ آزمائی سے لے کر مباہلہ تک کے لئے ہاتھ میں ہاتھ ڈالا جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن تھا کہ امام حسینؑ جیسی شخصیت جو شروع سے بیعت کے خلاف ہو کرب و بلا کے اندیشے سے فوراً بیعت کے لئے یا سر جھکھلنے کے لئے آمادہ ہو جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں ہاتھ میں ہاتھ ڈالنے سے مراد نہ تو بیعت و القیادہ ہے اور نہ مقابلہ و پنجہ آزمائی بلکہ مراد اصل حریف سے نفس معاملہ پر گفتگو ہے۔ اصل عربی عبارت یہ ہے:

ان اضع ید ی فی ید یزید بن معاویہ
فیری فیما بینی و بینہ دایہ
میں اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں دوں پھر وہ
دیکھے میرے اور اس کے درمیان اس کی کیا
رائے ہوتی ہے۔

اس عبارت سے بیعت مراد نہیں بلکہ نفس قضیہ پر گفتگو مراد ہے۔ امام حسینؑ کی وضع الید فی الید کی تجویز بعینہ وہی تجویز ہے جو حُربن یزید تمیمی نے پیش کی تھی۔ مقام ذی حشم میں وہ جب ایک ہزار سپاہ کے ساتھ آپ سے ملا تو اس نے یہ کہا کہ اگر آپ میرے ساتھ نہیں چلتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو عراق اور حجاز دونوں کے راستے سے جدا ہو۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں آپ یزید کو لکھئے ممکن ہے مفاہمت کی صورت نکل آئے اور میں بھی آزمائش سے بچ جاؤں۔ امام حسینؑ اس تجویز پر راضی ہو گئے یہی وہ تجویز تھی جسے

وضع الید فی الید کے الفاظ میں امام حسینؑ نے پیش کی تھی۔ اس سے مفاہمت کی گفتگو مراد ہے نہ کہ بیعت۔

اگر وضع الید فی الید سے مراد بیعت انقیاد ہوتی تو اس تجویز کو قبول کرنے کے بعد فوراً وہ خطبہ نہ دیتے جو اوپر نقل کیا گیا ہے اور جس میں اپنے اقدام کی شرعی اہمیت انھوں نے پوری قوت کے ساتھ پیش کی اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ملک گیری کی ہوس کے لئے نہیں نکلے تھے۔

زیادہ سے زیادہ اس پیشکش سے مراد استسلام (Surrender) ہو سکتا ہے۔ ایک کمزور فوج اپنے سے کئی گنا زیادہ فوج کے مقابلہ میں استسلام کی پیشکش کر سکتی ہے اور بات چیت کے ذریعہ اصولی اختلافات کے حل کا راستہ نکالنے کی دعوت دے سکتی ہے۔

”وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر“ پر عمل کا نمونہ

واقعہ یہ ہے کہ اقدام امام حسینؑ حق اور صبر پر تلقین کا بہترین نمونہ ہے۔ قرآن میں گھائے اور خسران سے بچنے والوں کے اوصاف میں وتواصوا بالحق وتواصوا بالصبر آیا ہے۔ حق اور صبر کی تلقین کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں کہنے اور محلے سے لے کر نظام حکومت کی تبدیلی کا مفہوم اس میں شامل ہے۔ نظام وقت اور نظام حکومت کی تبدیلی کی کوشش فرض عین نہیں ہے کہ ہر شخص اس کا مکلف ہو۔ یہ وہ فرض کفایہ ہے جس کا بہر حال کچھ لوگوں کو بیڑا اٹھانا چاہئے اور اس فرض کفایہ کے ادا کرنے والے پوری امت کی طرف سے احترام اور شکر کے مستحق ہوں گے۔ بصورت دیگر پوری امت کو اس کی جواب دہی کرنی ہوگی لیکن یہ فرض کفایہ ان نفوس قدسیہ کے لئے جو اپنے اندر اس کام کی اہلیت و لیاقت پائیں، فرض عین بھی بن جاتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر یہ ہوتا ہے

یہ بازی عشق کی بازی ہے جو چاہو لگا دو ڈر کیسا
گر جیت گئے تو کیا کہنے ہارے بھی تو بازی مات نہیں

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

وہ اسپرٹ آج بھی باقی ہے

یہ ہے واقعہ کر بلا کا دینی اور نظر یا قیاس منظر۔ اس کی عظمت کے لئے یہ بات کافی ہے
کہ اس کی اسپرٹ آج بھی کسی نہ کسی درجہ میں باقی ہے اور اس نے پوری اسلامی تاریخ میں
حکمران طبقے کو لگام دینے اور غلط روی پر بریک لگانے کی خدمت انجام دی ہے۔ اگر
اس طبقے کو جس کے ہاتھ میں اقتدار کی باگ ڈور ہے مکمل اطمینان ہو جائے کہ نہ کوئی اس سے
باز پرس کرنے والا ہے نہ بے خوفی کے ساتھ کلمہ حق کہنے والا تو وہ طبقہ اپنی من مانیوں اور
مفسدہ پر دازیوں پر اور بھی شیر اور دلیر ہو جائے گا۔

آج کے اس دور میں بھی سنوسی تحریک اور انخوان المسلمون کی دعوت سے لے کر جہاد
افغانستان تک وہی شوق شہادت اور سرفروشی کی روح پائی جاتی ہے جس کا نمونہ سیکڑوں
سال پہلے ہمارے بزرگوں نے پیش کیا تھا۔ ان ہی کے فیض سے اہل ایمان کا ضمیر ہمیشہ زندہ
اور تازہ کار رہا ہے۔ اگر ان کے نمونے نہ ہوتے تو اسلام کی تاریخ تملق، چا پلوسی اور مدامت
کی تاریخ ہوتی خاک کے آغوش میں بس تسبیح و مناجات باقی رہ جاتی جو جمادات و نباتات
زاحفات و حشرات کا دین ہے۔ وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کا نمونہ کہیں نظر نہ آتا جو
مردانِ احرار و حق آگاہ کا مذہب ہے۔

آخر میں ایک بات اور

واقعہ کر بلا یا کسی بھی اسلامی تاریخ کے واقعہ کو سمجھنے اور اس پر صحیح تبصرہ کرنے

کے لئے سب سے پہلے صحیح زاویہ نظر کی ضرورت ہوتی ہے جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں دین اسلام کی ایک حیثیت تو وہ ہے جو نمونہ اور معیار کی ہے۔ یہ وہ دین ہے جس میں اس کے داخلی تقاضے اور خارجی تقاضے دونوں بدرجہ اتم پورے ہوتے ہیں، انفرادی سطح پر معاشرہ میں تقویٰ اور خوفِ خداوندی موجود ہوتا ہے ذکر و عبادت سے فضا معمور ہوتی ہے اور اجتماعی سطح پر اسلامی قوانین پر عمل ہو رہا ہوتا ہے معاشرت اور سیاست کا نظام اسلامی اصولوں پر مبنی ہوتا ہے اور اس نظام میں رخنہ اندازی نہیں ہوتی ہے۔ اسلام کی اشاعت و جہاد کا کام انجام پاتا ہے۔ دین اسلام کی دوسری حیثیت وہ ہے جو نمونہ اور معیار تو نہیں ہے لیکن وہ کام چلاؤ اور عام طور پر معمول بہ دین ہے۔ اس معمول بہ دین میں ذکر و شغل اور تسبیح و تلاوت اور اپنے اپنے محدود حلقوں میں تذکیر اور تزکیہ نفس کا کام انجام دیا جاسکتا ہے۔ لیکن اقتدار و وقت پر دین کی بالادستی باقی نہیں رہتی جس کے اثرات معاشرہ پر پڑنے لگتے ہیں۔ علامہ اقبال نے دونوں کا فرق اس طرح بیان کیا ہے:

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردانِ خود اس کا ہر خدا مست
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

اگر حالات سازگار نہ ہوں اور فتنہ قوی ہو چکا ہو اور عزیمت بھی مفقود ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ معمول بہ دین پر عمل کر لیا جائے۔ اللہ کی رحمت بہت وسیع ہے لا یكلف نفساً الا وسعہا لیکن یہ تو نہ ہونا چاہئے کہ ایک انسان معمول بہ دین کے فلسفہ کا مبلغ بن جائے اور جو نمونہ اور معیار ہے اس کی آرزو تک باقی نہ رہے

ایک مرض اور اس کے اسباب

پہلے یہ چند حدیثیں پڑھ لیجئے

۱۔ احب اہل بیتي لحسن والحسينؑ مجھے اپنے اہل بیت حسن اور حسین سے محبت ہے

۲۔ عن زید بن ارقم ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال :
لحلی و فاطمہ والحسن
والحسین انا حرب من حاربہم و
سلم لمن سالمہم

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات علی و فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم کے بارے میں فرمایا جو ان سے لڑے میری ان سے لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری ان سے صلح ہے۔

۳۔ ہمارے جانشانی من الدنیا

حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو پھول ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی :

۴۔ ارقبوا محمداً صلی اللہ فی اہل بیتہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو۔

بخاری میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مذکور ہے :

”قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا مجھے اپنے اہل قرابت کی صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب ہے۔“

علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں قرابت رسول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے ۔

۱۔ رواہ الترمذی - مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۰

۲۔ صحیح بخاری مناقب الحسن والحسین

۳۔ بخاری باب مناقب قرابتہ رسول اللہ

من ينسب لعبد المطلب
مؤمناً صحابى وبنیہ

جس مسلمان کا رشتہ نسب عبد المطلب سے
ملتا ہو جیسے علیؑ اور ان کے دونوں رط کے

اوپر کی روایات اور احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے
اہل بیت بالخصوص حضرات حسین پر بے اندازہ شفقت فرماتے تھے۔ گزشتہ بحثوں سے
یہ بھی ثابت ہے کہ ہر دور میں ائمہ فقہاء اور محدثین اور علماء جگر گوشہ رسول سے محبت اور یزید
سے نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ علم کلام اور عقائد کی کتابوں میں یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ حق حضرت
حسین کے ساتھ تھا۔ اس بات کو عقیدہ کا جزیر اس لئے غالب بنا دیا گیا کہ یہ اندیشہ موجود تھا
کہ مسلمانوں کو اس بارے میں گمراہ کیا جاسکتا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے:

والحق ان رضا یزید بقتل الحسين
واستبشاره بذلك واهانته
اهل بیت النبى علیه السلام
مما توانر معناه وان كان
تفاصیلها احاداً ۱

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ
کے قتل پر یزید کا راضی ہونا اور اس پر خوش
ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا ان تمام
امور کی تفصیلات کو بطریق احاد مروی ہوں
لیکن معنی کے لحاظ سے متواتر ہیں

ان احادیث اور ائمہ و علماء کی تصریحات کی موجودگی میں حضرت حسین کے اقدام کو غلط
ثابت کرنے کی کوشش کرنا یا واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانا اور یزید کی طرف سے صفائی پیش کرنا
ایک طرح کا نفسیاتی مرض ہے۔ اس مرض میں گرفتار لوگوں کے ذہن و فکر کا جائزہ لیا جائے
اور تحلیل نفسی کی جائے تو درج ذیل اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور نکل آئے گا۔

۱۔ تصور دین کی غلطی، یعنی شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ سمجھ لینا کہ دین کا معاملہ
ایک انفرادی معاملہ ہے اور ایک فرد کے لئے ذاتی زندگی کی اصلاح تقویٰ اور تعلق مع اللہ
کافی ہے۔ خلیفہ کیا ہو عقد خلافت صحیح طریقہ سے ہو یا جبر و استبداد کے ذریعہ یہ اور دیگر
سیاسی معاملات کا براہ راست دین سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لئے یزید کی مخالفت کر کے حضرت

حسین نے بے جا اپنے کو ہلاکت میں ڈالا اور اپنی جان گنوائی۔

۲۔ شیعیت کے معاملہ میں حد سے بڑھی حساسیت۔ یعنی ردِ شیعیت میں اتنے غلو کہ اہل بیت سے اور خاص طور پر سبطِ رسول سے والہانہ محبت کا اگر کسی نے اظہار کیا اور یزید پر لعنت و ملامت کی تو اس میں شیعیت کی بو اور تو محسوس ہونے لگے اور ایسے جذبات کا رشتہ فوراً شیعیت سے جوڑ دیا جائے۔ یا زبان سے یہ بات نہ کہی جائے لیکن خود انسان کا سینہ نقدِ شیعیت میں انتہا پسندی کی وجہ سے اس طرح کے لطیف جذبات سے بالکل خالی ہو جائے اور حضراتِ حسین سے واقعی محبت دل میں نہ پائی جائے۔

۳۔ تیسرا سبب حد سے بڑھی ہوئی عقلیت اور عشقِ رسول میں کمی یا اس سے محرومی کا روگ ہے جو مغربی تہذیب کے استیلاء کے دور میں ترقی پذیر ہے۔ کچھ لوگوں میں تو دل میں چھپا ہوا روگ زبان پر بھی آجاتا ہے اور یہ کہا جانے لگا ہے کہ ہمیں تو محمد رسول اللہ سے غرض ہے نہ کہ محمد بن عبد اللہ سے۔ یعنی ذاتِ گرامی کی تشریعی حیثیت سے بحث ہے نہ کہ آپ کی ذاتی زندگی سے۔ اس لئے آپ کی سنتوں کا اتباع اور آپ کی محبوب چیزوں کو محبوب رکھنا اور آپ کے اسوۂ حیات سے عشق ایک غیر ضروری چیز ہے۔ جب یہ معاملہ رسول کے ساتھ ہے تو سبطِ رسول سے محبت کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے اور جب عشق و محبت نہیں تو اس بارے میں غیرت و حمیت کیسے پیدا ہو سکتی ہے۔ کیونکہ غیرت کا گہرا تعلق عشق سے ہے۔ لیکن ابھی تک مخالفینِ حسین اور مؤیدینِ یزید میں اکثریت ان لوگوں کی ہے جو زبان سے یہ بات تو نہیں کہتے لیکن اگر وہ خود اپنے دلوں کا جائزہ لیں گے تو محسوس ہوگا کہ محبتِ اہل بیت یا تو سرے سے نہیں ہے یا نہ ہونے کے برابر ہے۔

سچ یہ ہے کہ عشقِ بنوی کا معاملہ محض جذباتی معاملہ نہیں ہے بلکہ اس کی تشریعی حیثیت ہے اور اس محبت کے لئے نصِ مرتع موجود ہے اور اس محبت میں کمی نہ پیدا ہونے کے لیے خصوصی احکامات نازل فرمائے گئے ہیں۔ دین کے اصل مزاج کے بقار اور تسلسل اور اس امت کی حفاظت کے لئے اس عشق و محبت کی حیثیت مستحکم قلعہ ہے اور اس کے بغیر نہ دین کی حفاظت ہو سکتی ہے اور نہ دین سے وابستہ امت کی۔

تاریخی مطالعہ یا معروضی مطالعہ کے حوالہ سے واقعہ کربلا کی اہمیت کو گھٹانے اور حضرت
 خلیفۃ المسیحؑ کے سرفروشانہ اقدام کی عظمت کو کم کرنے کی کوشش کرنے والوں میں مذکورہ تین
 اسباب میں سے کوئی ایک سبب ضرور مل جائے گا اور دینی روحانی اور سماجی علوم کے لئے بھی
 کوئی خور دینی کا آلہ موجود ہوتا تو ان جرثوموں میں سے کوئی ایک جرثومہ ضرور دیکھ لیا جا
 سکتا۔

دین کے بارے میں صحیح اور متوازن تصور کو ذہن میں جاگزیں کرنا اور جمہور اہل سنت
 کے موقف کی صحت پر یقین اور عشق کے آبِ حیات سے تخمِ دل کی آبیاری نہ صرف واقعہ کربلا
 کے غلط مطالعہ کے سلسلہ میں نفسیاتی مرض کا علاج ہے بلکہ یہ بہت سے فکری اور نفسیاتی
 امراض کا علاج بھی ہے۔ یہ وہ نسخہ شفا ہے جس سے قلب و نظر کی بیماریوں کے بہت سے
 مریض شفا یاب ہو سکتے ہیں۔

شہادت کے بدلے پر افتراء



از مولانا محمد عبد الرشید نعمانی مدظلہ

نواصب کون ہیں | ”نواصب“ ”ناصبیہ“ اور ”اہلِ نصب“

تاریخ میں ان لوگوں کا لقب ہے جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کی آل و اصحاب کے خلاف بغض و عداوت کا علم بلند کر رکھا تھا، چنانچہ علامہ زمخشری ”اساس البلاغہ“ میں لکھتے ہیں۔

وَنَاصِبٌ لِّفُلَانٍ، عَادِيَةٌ نَّصَبًا
وَمِنْهُ النَّاصِبِيَّةُ وَالنَّوَاصِبُ
فَإِهْلُ النَّصَبِ الَّذِينَ يَنْصِبُونَ لِعَلِيٍّ
كَرَّمَ اللَّهُ وَجْهَهُ

نَاصِبٌ لِّفُلَانٍ کے معنی آتے ہیں میں نے اس سے عداوت کھڑی کی، چنانچہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے عداوت رکھتے ہیں ان کو اسی بنا پر ”ناصبیہ“ ”نواصب“

اور ”اہلِ نصب“ کہتے ہیں۔

جس طرح روافض کا مذہب حضرات خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے تبری و بیزاری اور ان کو طرح طرح کے مطاعن سے مطعون کرنا ہے۔ بعینہ یہی طریقہ نواصب کا خلیفہ رابع حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ہے۔

نواصب کا خاتمہ

مشرق میں جب بنی عباس کے ہاتھوں بنی امیہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور ان کا آخری حکمران مروان الحمار قتل ہو گیا، تو اس کے قتل کے ساتھ ہی اس فرقہ نواصب کا بھی جس کو ”شیعہ مروانیہ“ و ”شیعہ امویہ“ اور ”شیعہ عثمانیہ“ بھی کہا جاتا ہے خاتمہ ہو گیا۔ اور پھر دنیا ان کے ناپاک وجود سے جلد ہی پاک ہو گئی، چنانچہ علامہ تقی الدین احمد بن علی المعروف بالمقرئ بنی اپنی مشہور و معروف کتاب ”الخط والاثار فی مصر و القاهرة والنیل وما یتعلق بہا من الابرار“ میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل مروان وانقضت ایام
بنی امیہ ببنی العباس فی سنة
ثلاث وثلاثین ومائة خمدت بجمرة
اصحاب المذهب المروانی وهو
الذین كانوا یسبون علی بن ابی
طالب ویبشرون منه، وصاروا
سند ظہر بنو العباس یمخافون
القتل ویخشون ان یطلع علیہم
احد الا طائفة كانت بناحية
الواحات وغیرها، فانہم اقاموا
علی مذهب المروانیة دھراً
حتی فنوا ولعزیز لہم الان
بذیار مصر وجود البتہ۔

(رج ۱ ص ۳۸۳ طبع لہذا فی مصر ۱۲۸۱ھ)

جب مروانی دالحمار بنی امیہ کا آخری
تاجدار، قتل ہو گیا اور بنی امیہ کے ایام
حکمرانی بنی عباس کے ہاتھوں ۳۳ ہجری
میں ختم ہو گئے تو اصحاب مذہب مروانی
کی چنگاری بھی بجھ گئی، یہ وہ لوگ تھے جو
حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبراً
اور سب و شتم کیا کرتے تھے اور جب سے
بنی عباس کا ظہور ہوا ان کی یہ حالت ہو
گئی کہ اپنے قتل سے خائف رہنے لگے
اور ڈرتے رہتے کہ کہیں کسی کو ان کی اطلاع
نہ ہو جائے، ہاں ایک چھوٹی سی جماعت
جو ”واعات“ (مصر کے بالائی مغربی علاقہ
وغیرہ کے اطراف میں تھی، وہ ایک
مست تک مروانی مذہب پر جمی رہی۔

بالآخر وہ بھی فنا ہو گئی اور اب دیارِ مصر
میں ان کا سرے سے کوئی وجود ہی باقی
نہیں۔

اور برصغیر ہندو پاک تو ان کے وجود
نامعلوم سے شروع ہی سے پاک چلا

برصغیر میں ناصبیت کی تحریک

آتا تھا، تا آنکہ حال میں محمود احمد عباسی امر دہوی نے "خلافتِ معاویہ و یزید" لکھ کر
اس فتنہ کو نئے سرے سے ہوا دی اور اس کے مرجانے کے بعد کمیونسٹوں اور منکرین
حدیث نے موقع سے فائدہ اٹھا کر عباسی کے قلعین کی پیٹھ ٹھونکی اور ان کو "ناصریت"
کے مشن کو فروغ دینے پر لگا دیا، چنانچہ اب مختلف ناموں سے لہجہ نہیں قائم ہو گئی ہیں جن
کا کام ہی اہل سنت کو باہرِ اعتدال سے ہٹانا ہے، اسی سلسلہ کی ایک انجمن "مجلس
حضرت عثمان غنی" کراچی ہے، جس کے شائع کردہ پہلے کتابچہ پر مکمل تنقید "ناصری سازش"
کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ اور اب یہ اس مجلس کے شائع کردہ دوسرے کتابچہ کا
مختصر سا جائزہ ہے۔

یہ کتابچہ بھی چھوٹی "تقطیعِ پتلیں" صفحہ ۱۱ کا نام ہے "داستانِ کربلا
حقائق کے آئینہ میں" اس کے مرتب بھی وہی "احمد حسین کمال" (سی ۱۵۳، کورنگی ۱۷
کراچی ۳۱) ہیں، یہ سلسلہ مطبوعات "مجلس حضرت عثمان غنی" کی دوسری کڑی ہے۔

مجلس عثمان غنی کا تعارف اور پروگرام
لیکن جائزہ لینے سے پہلے مجلس کا
تعارف اور پروگرام پڑھیے جو ان

الفاظ میں پیش کیا گیا ہے۔

”مجلس حضرت عثمان غنی“ دراصل تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی اس تحریک کا نام ہے جس کے پیش نظر ان حضرات صحابہ کرام کے متعلق اغیار و اشعار کے نامبارک ہاتھوں مرتب کردہ تاریخی اکاذیب و اباطیل کی اصلاح اور چھان پھٹک ہے جنہوں نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اور آپ کے انقلابی پروگرام کو اچھی طرح سوچ سمجھ کر قبول کیا اور پھر تن، من، دھن کی بازی لگا کر اطرافِ عالم میں اسے پھیلایا.... لیکن چونکہ اولین اہل قلم..... عموماً انہی عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت..... ان ہی مقدس صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں..... پیوند خاک ہوئیں، بنا بریں، انہوں نے اپنے کفر و زندہ اور جذبہ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محبین امت کے حسین کردار اور حقیقی خدو خال پر مفتریات و کمذبات کی گرمی تھیں چمٹ گئیں.... تاریخ کا یہی وہ اہم مگر بی یقینہ موضوع ہے جسے انہیں تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ، ڈھونڈ کر حق و انصاف، روایت و درایت کے جملہ حقوق کی حمایت رکھتے ہوئے مرتب کرنا اور مسلمان قلم کو اس پر غور و فکر اور پھر قبول کی دعوت دینا ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کے پیش نظر ہے....

جو اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں دیکھنے کے خواہاں ہیں اور اسلام کا سچا درد رکھتے ہیں ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کی اس کوشش کو کامیاب بنائیں اور صداقت کے علمبردار بن کر دنیا و آخرت میں اپنا مقام بلند کریں۔ (داستانِ کربلا ص ۲۰ و ۲۱)

”مجلس حضرت عثمان غنی“ نے تطہیر تاریخ اور تصفیہ اذہان کی جو ہم چلائی ہے

اس کا ایک نمونہ تو ”اکابر صحابہ پر بہتان“ میں گزرا، اب تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر مجلس نے جس طرح اسلام کی تاریخ کو حقیقی اور صحیح روپ میں پیش کیا یا درحقیقت اسے مسخ کیا ہے اس پر نظر ڈالیں !

اس کتابچہ کا نام ”داستانِ کر بلا“ حقیقت میں اسمِ باسٹی ہے عربوں کے گاہنوں کی طرح ایک پس میں سو جھوٹ ملا کر یہ داستان تیار کی گئی ہے۔ اردو ادب کے سب سے طویل افسانے ”داستانِ امیر حمزہ“ کی طویل و عریض اور ضخیم جلدیں اگر کسی کی نظر سے گزری ہیں اور اس نے نوشیروان نامہ، ہریر نامہ، کوچک باختر، بالا باختر، ایسیج نامہ، طلسم ہوش ربا، بقیہ طلسم ہوش ربا، حسد لی نامہ، تورج نامہ، لعل نامہ، طلسم خیالِ سکندری، طلسم کوخیز جشدی، طلسم زعفرانی زار سلیمانی وغیرہ کا مطالعہ کیا ہے تو اس کے سامنے یہ حقیقت عیاں ہوگی کہ اس طویل داستان میں اتنا تو پس ہے کہ اس افسانے کے ہیروز امیر حمزہ، عمرو بن امیہ ضمری، معدیکر تب، مالک اشتر، لندہند، ابن سعدان، نوشیروان، بزرجمہر، افراسیاب، زمر دشاہ باختری وغیرہ کا تاریخی وجود تو بے شک تھا اور ان نامبروگان میں سے سابق چار افراد عرب سے تعلق رکھتے تھے اور بقیہ پچھلے پانچ عجم سے، لیکن ”داستانِ امیر حمزہ“ پڑھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایک آدمی اتنا ایسا ہو جو اس داستان کو صحیح سمجھتا ہو اور اس جھوٹ کو پس باور کتا ہو، خود لکھنؤ کے شیعہ داستان گو، محمد حسین جاہ اور تصدق حسین قرنہ بھی جن کے قلم سے ”داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قرآن“ کی طویل و ضخیم جلدیں نکلی ہیں، کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ”داستانِ امیر حمزہ صاحبِ قرآن“ کی کوئی تاریخی حیثیت بھی ہے،

مگر آفرین ہے ”مجلس عثمان غنی“ کے ارکان اور اس مجلس کے سربراہ احمد حسین کمال برجنہوں نے اپنے جی سے گڑھ کر ”داستانِ کر بلا“ لکھی اور اس پر بعد طعراق یہ دعویٰ بھی کیا ہے کہ یہ دروغ بے فروغ ایک تاریخی حقیقت ہے اور یہ داستان

”حائل کے آئینہ“ میں سپرد قلم کی گئی ہے، سچ ہے۔

إِقَالَعُ تَسْتَحْي فَاَصْنَع مَا شِئْتَ ، بے جیا باشش و ہرچہ خواہی کن۔

”مجلس عثمان غنی“ کے لیے تو واقعی یہ خوشی کا مقام ہے کہ انہوں نے یہ کتابچہ لکھ کر لکھنؤ کے شیعہ داستان گو یوں کو جھوٹ بولنے میں بھی مات کر دیا۔

آفریں باد بریں ہمت مروانہ تو

اب ذرا دل پکڑ کر اس داستان کو پڑھیے اور احمد حسین کمال نے داستان سرائی

میں جو کمال دکھایا ہے اور افسانہ طرازی میں جس جرأت و بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے اسے ملاحظہ کیجئے۔

خود ساختہ ”داستان کربلا“

”داستان کربلا“ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

بعث اهل العراق الى الحسين الرسل والكتب يدعون له اليهم

فخرج متوجهاً اليهم في اهل بيته وستين شخصاً من اهل

الكوفة صحبة - (البدایہ والنہایہ، جزء ہفتم ص ۱۵۲)

۲۲ رجب ۶۰ کو امیر المومنین حضرت معاویہؓ کا انتقال ہو گیا۔ ۲۸

رجب ۶۰ ہجری کو امیر بزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی شیعان کوفہ

میں حضرت حسینؑ اہل و عیال سمیت مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ تشریف لے

آئے، اس وقت حضرت حسینؑ کی عمر ۵۵ سال کی تھی۔

کوفہ میں رہنے والے شیعان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت حسینؑ

مدینہ سے مکہ آکر مقیم ہو گئے ہیں تو انہوں نے آپ کے پاس یکے بعد دیگرے

قاصد پر قاصد روانہ کرنے شروع کر دیے کہ آپ کوفہ تشریف لے

آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنا چاہتے ہیں اور آپ کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں۔

آپ نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے اپنے تالیازاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ روانہ کیا، کوفہ میں رہنے والے شیعانِ علی کے پیغامات اب بھی برابر آرہے تھے، حتیٰ کہ ساٹھ کوفیوں کا ایک وفد بہت سے خطوط لے کر آپ کے پاس پہنچا، شروع کی عبارت مشہور عربی تاریخ "البدایہ والنہایہ" سے ماخوذ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔

اہلِ عراق (کوفہ) نے حضرت حسین کے پاس متعدد پیغامبر اور بکثرت خطوط بھیجے کہ آپ کوفہ آجائیں، چنانچہ حضرت حسین اپنے اہل بیت کو لے کر ساٹھ کوفیوں کی معیت میں کوفہ روانہ ہو گئے۔

منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسین مکہ سے کوفہ کے لیے روانہ ہوئے۔ اس وقت تک امیرِ نجد کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ ہو چکے تھے اور امیرِ نجد کے ہاتھ پر اسوا عبد اللہ بن زبیر اور کوفہ کے چند سو آدمیوں کے شام، عراق، مصر، اور عرب کے تمام مسلمان بیعت کر چکے تھے۔ ان بیعت کرنے والوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ۱۸۹۵۰ صحابہ کرام شامل تھے جو اس وقت حیات تھے۔

جب حضرت حسین اپنے قافلہ کے ساتھ زردیہ پہنچے تو وہاں آپ کو معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل، کوفہ میں قتل ہو گئے ہیں۔ اس سانحہ کی اطلاع سے آپ دل برداشتہ ہوئے اور واپس مکہ چلا جانا چاہا، لیکن جو ساٹھ کوفی ساتھ تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ آپ ضرور کوفہ چلیں۔ مسلم بن عقیل کی بات اور تھی۔ آپ کی حیثیت دوسری ہے، کوفہ کے شیعانِ علی

آپ کا ساتھ ضرور دیں گے، موضع زُرُود، مکہ سے کوفہ جانے والے راستہ پر "۱۸ ویں" منزل پر واقع ہے اور مکہ سے اس منزل تک کی مسافت ۴۵۹ عربی میل ہے، مسلم بن عقیل کی وفات کی خبر سن کر اور کوفیوں کی سابقہ بے وفائیوں، غداروں کا احساس کر کے آپ اسی مقام پر رک گئے جو کوفی آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے وہ کوفہ چلتے براصرار کرتے رہے اور آپ جانے میں تردد فرماتے رہے۔

کوفہ کی حکومت کو جب آپ کے موضع زُرُود میں رک جانے کی اطلاع ملی تو صورتحال معلوم کرنے کیلئے عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ آپ کے پاس بھیجا..... ان دونوں نے حضرت حسین سے ملاقات کی اور آپ کا ارادہ اور منصوبہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا:-

میں کوفیوں کے بلانے اور اصرار کرنے پر کوفہ آ رہا تھا، ان کے یہ سلیکٹروں خطوط میرے پاس مکہ میں آئے اور متعدد قاصد بھی زبانی پیغامات لاتے رہے، میں نے اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو دریافت حال کے لیے کوفہ بھیجا تھا، ساتھ کوفی جواب میرے ساتھ ہیں، مسلم کا خط لے کر میرے پاس آئے کہ کوفہ آجائیں، اہل کوفہ بیتابی سے آپ کے منتظر ہیں، چنانچہ ان ساتھ کوفیوں کے ساتھ میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا یہاں آکر معلوم ہوا کہ کوفیوں نے مسلم بن عقیل کو دھوکہ سے قتل کر دیا، اس لیے اب، میرے سامنے بھی چارہ کار رہ گیا ہے کہ شام چلا جاؤں اور یزید کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنا معاملہ طے کر لوں،

عمر بن سعد نے کوفہ کے گورنر ابی زیاد کو اس صورت حال سے اور حضرت حسین کے ارادہ سے مطلع کر دیا، حبیب اللہ بن زیاد نے قبلت کہہ کر منظوسی دے دی اور ساتھ ہی احتیاطاً عمر بن سعد اور شمر بن ذی الجوشن کو ایک دستہ کے ساتھ حضرت حسین کے قافلہ کے ہمراہ جانے کا حکم دیا، تاکہ جو کوئی حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں وہ آگے چل کر حضرت حسین کو کسی اور راستہ کی طرف نہ لے جائیں یا کہیں اور شرارت نہ کھڑی کر دیں، تاہم یہ دستہ حسینی قافلہ سے ذرا فاصلہ پر رہ کر چلا۔

مقام ”واقعہ“ سے حضرت حسین نے کوفہ جانے والی راہ چھوڑ دی اور اب ”القرعہ“ اور ”مغیشہ“ کی منزلوں سے ہوتے ہوئے دمشق کی راہ پر چل پڑے، ۹ مہرم کی شب کو ”الغزیب“ اور ”قصر مقاتل“ کی منزلیں طے کر کے آپ نے ”الطف“ کی سرسبز و شاداب زمین میں ”کربلت“ کے مقام پر جہاں پانی کے چار چشمے بہتے ہیں، قیام فرمایا اسی ”کربلت“ کو ”کرب و بلا“ کے معنی پہنانے کے لیے کربلا بنا دیا گیا۔ ”کربلت“ عربی میں مرطوب جگہ کو کہتے ہیں۔

۱۔ یہ بھی داستان سرائی کا ایک جزو ہے مگر ناہیوں کے ”امام التاریخ“ عباسی صحت یہ لکھتے ہیں، ”ارض الطیف کے قریہ عتقر کی مضافاتی زمین“، کربلا کہلاتی تھی، جو روروں، ننگروں اور بھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم و ملائم زمینی تھی، نیز جو قریہ مذکور کی فصل غلہ پھوٹنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بنا پر ”کربلا“ کہلاتی تھی، خلافت معاویہ ویزید ص ۲۰۵، ۲۰۶ طبع چہارم، یاد رہے تاریخ اور جغرافیہ کی کتابوں میں موضع ”کربلا“ کا تو ذکر آتا ہے مگر ”کربلت“ نامی کسی مقام یا موضع کا ذکر نہیں ملتا۔ آخر وہ داستان ہی کیا جس میں جھوٹ نہ ہو۔

گربت دریا ئے فرأت سے مینٹ میل دُور اور کوفہ سے پچیس میل کے
فاصلہ پر واقع ہے۔

دوسرے دن آپ کے ہمراہی کوفیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ
دشمن نہ بایں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل
شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا حتّٰی کہ آپ نے
یہاں تک فرمایا،

”افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی
کو دھوکہ میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن
کو زخمی کیا اور مایوس بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بنی
عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کر دیا، پس ہے جو بھی تمہارے دھوکہ
میں آجائے بڑا احمق ہے۔“

(جلال العیون، طبری)

ساتھوں کو فی یہ سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین کا ان کے قابو میں نا مشکل
ہے، لیکن ان سے جدا ہونا ابی زیاد کی گرفت میں پڑ جانا ہے جو یقیناً
عبرت ناک سزا دے کر رہے گا۔ ابی زیاد کا فوجی دستہ ساتھ میں
اس لیے ان سب نے باہم صلاح و مشورہ کر کے عصر و مغرب کے درمیان
کیمپ میں ہنگامہ پر پا کر سنے اور قافلہ حسینی کے تمام افراد کو ہلاک کر کے
رات کی تاریکی میں بھاگ نکل جانے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ عصر کی نماز کے
بعد یہ سب کے سب ایک دم حضرت حسین اور ان کے اہل بیت کے
خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، خیمہ
میں شور مچا ہو گیا، بچے عورتیں وغیرہ خیمہ سے باہر نکل آئے، کچھ لوگ دفاع

اور جوانی کا روانی کرنے لگے، اس شور و فل اور ہنگامہ کی آواز دور محافظ
 دستے نے بھی سنی، صر، شمر اور عمر بن سعد بنی کیمپ کی طرف دوڑے، شام
 کا جھپٹا ہو چکا تھا، ان سب نے اگرچہ تمام کوفیوں کو گھیر کر اور پکڑ کر
 قتل کر ڈالا، ایک آدھری پنج کر نکل بھاگنے میں کامیاب ہو سکا، لیکن افسوس
 اس دوران حضرت حسینؑ کئی زخم کھا کر شہید ہو چکے تھے، ان کے صاحبزادے
 علی اکبر اور عبداللہؑ بھی قتل ہو گئے تھے، حضرت حسن کے تین صاحبزادے
 عبداللہ، قاسم، ابوبکر بھی قتل کر دیے گئے تھے، عبداللہ بن جعفر کے
 لڑکے عون اور محمد بھی مارے گئے تھے اور حضرت عقیل کے چاروں لڑکے
 جعفر، محمد عبدالرحمن، عبداللہ اور عبداللہ ثانی بھی مارے جا چکے تھے
 یعنی جب تک عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن اور حرث خانہ ابن علی کو
 کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے لیے دوڑ کر پہنچے، اس خاندان کے
 اکیس افراد حضرت حسین سمیت شہید کیے جا چکے تھے، حرث بھی کوفیوں
 کو مارتے ہوئے ایک کوفی کے فارسے قتل ہو گئے۔ یہ المناک سانحہ
 ۱۰ محرم ۶۱ ہجری مطابق ۱۰ اکتوبر ۶۸۰ء بدھ کے دن پیش آیا
 بعض روایتوں میں ہے کہ یہ سانحہ ۱۰ صفر کو "کربلا" کے بجائے
 "مینوا" کے مقام پر پیش آیا۔ بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی
 نعشوں کو اکٹھا کیا، ان کی نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ
 دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پٹا رہنے دیا۔ بلکہ دستہ کے بعض یوروں
 نے انھیں پامال بھی کیا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، خاندان علی کے

بچے کچھے افراد خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعیان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات کی، اپنی ہمدردیاں جٹائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ مکر چھٹے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے جنہیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں، مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ گئے تھے، اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد، اور شمر ذی الجوشن کی سرپرستی و دیکھ بھال میں علاج کر رہے تھے فرمایا،

”اے خدا رو! اے مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا۔“

خاندان علی کے افراد کچھ عرصہ کوفہ میں ابن زیاد کے ہمان رہے پھر بلوری حفاظت اور آرام کے ساتھ دمشق روانہ ہو گئے، جہاں ایک مدت تک ان سب نے خلیفہ یزید کے محل میں قیام کیا، امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی اور مدینہ واپس آکر جوار رسول میں حسب سابق رہنے لگے۔

خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہ کے طریقہ کے مطابق حضرت حسین کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان کے پیش بہا و فیض مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

(از ص ۳ تا ص ۱۲)

یہ ہے ”مجلس حضرت عثمان غنی“ یعنی حال کے ”مذہب مروانی“ کے داستان گو احمد حسین کمال کی بنائی ہوئی داستان جو ابھی آپ کی نظر سے گزری اور جس میں اس امر

کی پوری کوشش کی گئی ہے کہ ”شیعان اموی“ کے خلیفہ برحق یزید بن معاویہ اور اس کے ظالم گورنر عبید اللہ بن زیاد اور یزیدی لشکر کے سپہ سالار عمر بن سعد اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں پیش پیش رہنے والے شخص شمر ذی الجوشن پر کوئی فراسی بھی آپس نہ آنے پائے، کیونکہ شیعان بنی امیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ ان کے خلفاء کی نیکیاں سب اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول ہیں اور ان کے گناہ سب معاف ہیں نیز خلیفہ وقت کی اطاعت ہر حال میں ضروری ہے خواہ اس کا حکم صحیح ہو یا غلط، یہ بھی واضح رہے کہ اس دور کے سب نواصب اگرچہ اس امر میں سخت کوشاں ہیں کہ یہاں تک بن سکے خلیفہ یزید کی پوری پوری تعظیم بجا لائی جائے اور اس کے تمام ظالم کارندوں کی ظالمانہ کاروائیوں پر نہ صرف یہ کہ پردہ ڈالا جائے بلکہ ان الزام منطلوول کے سر تھوپا جائے، واقعہ کربلا کی ذمہ داری خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء کے سر ڈالی جائے، حرہ کے مظالم کا ذمہ وار مدینہ طیبہ کے حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم کو قرار دیا جائے اور مکہ معظمہ کے محاصرہ کے سلسلہ میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر الزام عائد کیا جائے اور اس کار شرم میں اپنی تمام ذہنی صلاحیتوں اور توانائیوں کو اس ہشیاری اور چالاک کی کے ساتھ کام میں لایا جائے، کہ سادہ لوح عوام گمراہی میں پڑ جائیں اور ان کے دھوکہ اور فریب میں آکر سلف صالحین صحابہ و تابعین اور اہل بیت کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے بدظن ہو جائیں، لیکن تلکے جھوٹ آخر جھوٹ ہی ہے اس لیے کسی نہ کسی مرحلے پر جا کر اس جھوٹ کی قلعی کھل ہی جاتی ہے۔

اس داستان کے پہلے جھوٹ کی تنقیح **اچانچہ احمد حسین کمال داستان**
گو نے اگرچہ حضرت حسین

رضی اللہ عنہ کا قاتل انی ساٹھ کوفیوں کو بتایا ہے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت میں مکہ سے چلے تھے اور راستہ بھر آپ کو درغلاسنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن جب آپ ان کے درغلاسنے میں نہ آئے اور امیر یزید کی بیعت کا مصمم ارادہ کر لیا تو یہ ساٹھوں کوفی سمجھ گئے کہ اب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے قابو میں آنا مشکل ہے اس لیے سب کے سب صلح و مشورہ کر کے عصر کی نماز کے بعد ایک دم حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کرام کے خیمہ پر ٹوٹ پڑے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت کئی افراد کو قتل کر ڈالا، عمر بن سعد اور شمر ذی الجوشن کا محافظہ دستہ جو کاروان اہل بیت کی حفاظت کے لیے کوفہ کی حکومت نے بھیجا تھا وہ بھی اس آفت ناگہانی سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کو نہ بچا سکا مگر ان "شیعہ مروانیہ" "مجلس حضرت عثمان غنی" کے "امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی" کا جس کے لیے یہ ناصبی "رحمۃ اللہ" بھی لکھتے ہیں، یہ بیان ہے۔

۱۔ "مجلس حضرت عثمان غنی" نے اپنے سلسلہ اشاعت کے چھٹے نمبر پر جو کتابچہ "علی المرتضیٰ" کے نام سے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۷۲ پر یہی الفاظ ہیں

"امام التاریخ شیخ الاسلام علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ"

ان کے علامہ ہونے کا تو راقم الحروف کو ذاتی تجربہ ہے، بار بار ملاقاتیں ہوئیں اور مجلس گفتگو پر پتہ چلا کہ جناب کی فارسی کی استعداد ہی نام نہا ہے، عربی کا تو کیا ذکر اہل علم حضرات اگر ان کی تالیف "خلافت معاویہ و یزید" میں انھوں نے جو عربی فارسی عبارتوں کا ترجمہ کیا ہے اس کا جائزہ لیں تو ان "علامہ صاحب" کی ساری علمی حیثیت عیاں ہو جائے گی اور ان کی "شیخ الاسلامی" کی شان معلوم کرنا ہو تو ان کے جاننے والے امر وہ کہہ بہت سے جناب

امیر عبید اللہ بن زیاد باغیانِ کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر امیر المؤمنین (یزید) کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائضِ مخصوصہ کی انجام دہی میں کر رہے تھے، حضرت حسینؑ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انھیں نہ کوئی ذاتی پر خاش تھی اور نہ بغض و عداوت۔۔۔۔۔

علاوہ ازیں خود امیر المؤمنین (یزید) کے فرمان میں ان کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ و جدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے، وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے،۔۔۔۔۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو قاتل حسینؑ کہا جاتا ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مورخانہ طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افتراء ہی ثابت ہو گا۔۔۔۔۔

حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

ابھی زندہ میں ان سے ان کی صوم و صلوٰۃ کی پابندی اور جمعہ و جماعات کے اہتمام کا حال معلوم فرمائیں نیز وحی اور قرآنِ کریم کے بارے میں جو وہ اظہارِ خیال فرماتے رہتے تھے اس کے بارے میں دریافت کریں وہ آپ کو ان کے الحاد و بے دینی کی تفصیل بتائیں گے۔

یہی ذہنی میں رہے کہ عباسی کی کتاب ”خلافت معاویہ و یزید“ کی جب نشر و اشاعت ہو رہی تھی تو وہ چینی سفارت خانے میں ملازم تھے اور احمد حسین کمال کی جب یہ داستانِ شائع ہوئی تو وہ روسی سفارتخانہ میں ملازم ہیں۔

دآشتی سے نمٹانا چاہتے تھے، دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل
 اور مزاحم تھیں، ایک تو بہادران مسلم بن عقیل کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول
 بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دے
 دینی پڑیں۔ دوسرے ان کو لی شبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ
 گئے تھے اور حسینی قافلہ کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان
 کی پوزیشن حدودہ غراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ
 صلح و مصالحت نہ ہونے پائے، کیونکہ ان کے لیے اب کوئی اور صوت
 مفر کی نہ تھی، کوفہ جاتے ہیں تو کفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رخ
 کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر لے انھوں نے اپنے پیش رو شبائیوں کی تقلید
 کو اپنی چاہی، جنھوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں
 مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرادی تھی..... چنانچہ ان کو فیوں
 کی ساری کوشش اب اس بات پر تھی، کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ

لے جماسی صاحب تو ان کو فی شہداء کو جنھوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کی نصرت میں اپنی جانیں تیار کر دیں "سبائی" کہہ کر اسلام سے خارج کرنا چاہتے ہیں اور
 "مجلس حضرت عثمان غنی" کا داستان گو خود انہی شہداء کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کا قاتل قرار دینے کی فکر میں ہے۔

اے کیوں کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کرنے کے بعد بھی
 اپنے ساتھیوں کے لیے امان نہیں لے سکتے تھے؟ جس طرح کہ حضرت حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معاہدہ میں یہ طے کر لیا تھا کہ صلح
 کے بعد اہل عراق پر کوئی دارو گیر نہیں ہوگی۔

موقف پر قائم رہیں۔۔۔۔۔

حکومتِ وقت کے نمائندوں کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہو کر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلابِ حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا، مگر تھریں و ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے، ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی، یعنی عمر بن سعد کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؑ مجب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں، ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر بیعت کریں۔۔۔۔۔

حضرت حسینؑ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔۔۔۔۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ مزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلاتِ حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں، سمائندگانِ حکومت کے حوالہ کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدِ باب ہو جائے، جو ان کوفیوں کی ترغیباً نہ گفتگوؤں سے پیدا تھا، کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عاملِ مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعتِ عامہ کے لیے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے مگر حضرت ابن الزبیر سے

گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے، حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوشش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے، مشتعل کر دیا، نیز ان کو فیوں کو بھی جو حسنی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی، یہ موقع ہاتھ آگیا، انھوں نے اپنے پیش روؤں کی تقلید میں جنھوں نے جل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا، اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا، کہ انتہائی طاقت اندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ، یہ گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ کے ہتھیار لے لینے کی تدبیر کرے اور صوبہ عراق میں ان کو داخل ہونے اور جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے، کوفہ کے شیعیان علی میں سے کوئی بھی مدد کو کھڑا نہ ہوا) حسین امداد ان کے منہی بھرتے ہیں نے اپنے سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جہاں سے ہتھیار رکھوائے کو بھیجا گیا تھا، غیر مال اندیشانہ طرہ سے حملہ کر دیا (ص ۱۱۶۲)

عمر بن سعد امیر عسکر نے... کوئی جارحانہ اقدام مطلق نہیں کیا تھا، انکے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعات پہلو اختیار کرتے رہے یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گنگوٹے مصالحت یکایک جدال و قتال میں بدل گئی.....

حضرت حسینؑ کے مقتول ہو جانے پر ابن سعد پر رنج اور صدمہ ایسی رقت طاری ہوئی کہ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگے.....

انہوں نے مفاہمت کی خاطر بہتری کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر سپاہیوں کی دراندازیوں سے ان کی مساعی نامکام ہو گئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا جسکا بہن ثبوت شہدائے اولیوں کے

بیان سے ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلہ کے بہتر مقتول ہوئے، جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ سپاہی اٹھاسی مارے گئے، گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؑ کی جان بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور زار و قطار رونے لگے، پھر انہوں نے حضرت حسینؑ کے اہل خاندان کو ان کی بیبیوں، کنیزوں اور دوسری خواتین خاندان نبوت کو عزت و حرمت کے ساتھ ہر دو در محمول میں سوار کرا کے روانہ کیا۔

(ملاحظہ ہو "خلافت معاویہ و بنیہ" مؤلفہ محمود احمد عباسی)

شیعانِ اموی ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کے ”امام التاریخ“ کا بیان ایک بار پھر پڑھ لیجئے کہ ماصیوں کے یہ امام صاحب کیا فرماتے ہیں، ان کی تحقیق میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے اہل بیت، اور ان ساٹھ کوئی حضرات کا جو حضرت ممدوح کی میت میں مکہ سے کربلا تک آئے تھے، قاتل تو عمر بن سعد کا فوجی دستہ ہی تھا، مگر یہ حادثہ حزن انگیز اس لیے پیش آیا کہ خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں نے اشتعال میں آکر اس فوجی دستہ پر جو ہتھیار رکھوالے کی غرض سے ان کا گھیرا ڈالے ہوئے تھا، اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا، عمر بن سعد نے پھر بھی مدافعت جنگ کی کہ اپنی فوج کے سولہ افراد زیادہ کٹوا دیے اور اس طرح یزیدی دستہ فوج کے اٹھائی آدمی کام آئے، ورنہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کاروان میں عباسی کے خیال میں کوئی بہادر اور جنگ آزمودہ سپاہی تھا ہی کہاں عمر بن سعد اگر خود اقدام کرتا تو جو شجاعانِ عرب اس کے ساتھ تھے انا فانا میں حسینی قاتل کے بہتر نفوس کا سر قلم کر دیتے اور اس کے دستہ فوج کو ایک متنفس کا بھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا۔ مگر ”مجلس شیعانِ عثمان“ کے اس داستان گو نے جو داستان بیان کی ہے وہ امام التاریخ کے بیان کردہ افسانہ سے بالکل جہا ہے، اس میں مذکور ہے کہ، عمر بن سعد کا دستہ فوج تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت پر مامور تھا اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سرے سے جنگ ہی نہیں کی بلکہ یہ تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اہل بیت کو ان کو فیوں کے ہاتھ سے بچانے کے لیے آیا تھا، مگر افسوس کہ اس دستہ فوج کے پہنچتے پہنچتے آپ کو قتل کر ڈالا گیا اور عمر بن سعد کفِ افسوس مل کر رہ گیا آخر یزیدی فوج نے گھیر گھیر کر ان سب قاتلانِ حسین کا کام تمام کر دیا۔

بہیں تفاوت رہ از کجا است تا کجا

ہمارے نزدیک تو ناجیوں کے امام صاحب اور مجلس کے داستان گو دونوں ہی فسانہ طرازی اور داستان گوئی میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ اس لیے ان سے سچ بولنے کی توقع رکھنا فضول ہے۔ فرق ہے تو بس اتنا کہ ناجیوں کے شیخ الاسلام عباسی صاحب نے اپنے پیش رو مستشرقین یہود و نصاریٰ ضالین و مضبوطین کی اتباع میں یہ بیان دیا ہے جن کو وہ آزاد اور بے لاگ محقق مانتے ہیں، چنانچہ انھوں نے اس بات کو چھپا یا بھی نہیں ہے بلکہ اپنے بیان کے ثبوت میں ”انسائیکلو پیڈیا آف اسلام“ کے مقالہ نویس کا حوالہ دے کر اس کو صاف ظاہر بھی کر دیا ہے، لیکن مجلس حضرت عثمان غنیؓ کے داستانی گو کا سارا بیان خانہ ساز و طبع زاد ہے۔ بہر حال اب شیعیان اموی ”مجلس عثمان غنی“ کو چاہیے کہ اپنے تمام اراکین مجلس کا اجلاس طلب کر کے پہلے یہ طے کریں کہ ان کے امام صاحب اور ”داستان گو“ دونوں میں سے کس کی بات سچی ہے اور کس کی جھوٹی؟ اور جب یہ فیصلہ کر چکیں تو پھر مسلمانوں سے مخاطب ہوں۔

داستان گو کی حساب دانی (۲) ”داستان گو“ صاحب کی حساب دانی
 کا یہ عالم ہے کہ وہ یہ بھی شمار نہ کر سکے کہ، ۲۸ رجب سے لے کر ۱۰ ذی الحجہ تک کتنے دن ہوتے ہیں، سب جانتے ہیں کہ جب کا چاند اگر تیس دن کا ہو تو چار مہینے بارہ دن ہوں گے ورنہ چار مہینے گیارہ دن اگرچہ اپنے کمال سے اسے چھ مہینے کی مدت بنا رہے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں کہ :-
 ”۲۸ رجب سنہ ہجری کو امیر مزید کے ہاتھ پر بیعت خلافت ہو گئی“

(داستان گو ص ۲)

”منگل کے دن ذی الحجہ کی ۱۰ تاریخ کو حضرت حسینؑ کو ف کے

لیے روانہ ہوئے، اس وقت امیر مزید کی خلافت کو قائم ہوئے ۶ ماہ
ہو چکے تھے۔ (داستان کربلا ص ۴)

پس ہے و دروغ گورما حفظ نباشد

دوسرے جھوٹ کی تنقیح (۱۳) "داستان کربلا" (دش) پر جو یہ مرقوم ہے کہ

”دوسرے دن آپ کے ہمراہی کو فیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ
دمشق نہ ہائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل
شام سے جنگ کریں، آپ نے اس سے انکار کیا، حتیٰ کہ آپ نے
یہاں تک فرمایا

”افسوس تمہیں لوگ ہو جنہوں نے میرے والد حضرت علی کو دھوکہ
میں رکھا اور شہید کر دیا، میرے بھائی حضرت حسن کو زخمی کیا اور مالوس
بنایا اور میرے عم زاد بھائی مسلم بن عقیل کو کوفہ بلا کر قتل کر دیا، پس
ہے جو بھی تمہارے دھوکہ میں آجائے وہ بڑا احمق ہے۔“

(جلال العیون طبری)

سو محض غلط ہے ”داستان گو“ صاحب کی عادت ہے کہ وہ موقع بے
موقع کہیں بھی غلط بیانی سے نہیں چوکتے اور داستان تو پھر داستان ہی ہے اس
کے بارے میں تو پہلے ہی مشہور ہے کہ

بڑھا بھی دیتے ہیں کچھ زیب داستان کیلئے

اس لیے انہوں نے یہاں، موقع سے فائدہ اٹھا کر کچھ کی بجائے بہت کچھ
بڑھا دیا ہے۔ مؤرخ طبری کے بیان کے مطابق واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت حسین

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مقام شراف سے چل کر (جو واقعہ سے دو میل پر ہے) ”کوفہ فی
 سم“ کے دامن میں خیمہ زن ہوئے، تو حضرت بن یزید تمیمی یربوعی ایک ہزار سواروں کے
 ساتھ آپ کے مقابل آکر اتر پڑا، دوپہر کا وقت تھا۔ نماز آفتاب نے خراس کی
 فوج اور سواروں کو پیاس سے بے تاب کر رکھا تھا۔ ساتی کوثر علیہ الصلوٰۃ والسلام
 کے نواسے سے ان کا یہ حال دیکھا نہ گیا، فوراً اپنے خدام کو حکم دیا کہ ان کو اور ان
 کی سواروں کو پانی پلا کر خوب سیراب کر دیا جائے، تعمیل حکم میں دیر نہ لگی اور اؤل
 سے آخر تک سب نے خوب سیر ہو کر پانی پیا اور اپنی سواروں کو بھی پلایا۔ محضر کو
 قادیہ سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نقل و حرکت کی نگرانی کے لیے بھیجا
 گیا تھا اور اس کو حکم دیا گیا تھا کہ حسینی کا روانہ کو عبید اللہ بن زیاد کے سامنے کوفہ
 میں لا کر پیش کیا جائے، عبید اللہ بن زیاد کو جو یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر مقرر
 ہو کر آیا تھا۔ جب یہ خبر ملی کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوفہ کے قصد سے
 کہ مغلہ سے روانہ ہو چکے ہیں تو اس نے کوفہ کے پولیس افسر حصین بن تمیم کو کوفہ
 سے یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ قادیہ میں جا کر پڑاؤ ڈالے اور قطعاً نہ سے لے کر
 خُفّان تک مسلح کیمپ قائم کر کے ان کا کنٹرول سنبھالے، چنانچہ اسی ہدایت
 کے مطابق اس نے اپنے سامنے حُر کی کمان میں ایک ہزار سوار دے کر ان کو حضرت
 حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابل بھیجا تھا، ظہر کا وقت ہوا، تو حضرت حسین
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حجاج بن مسروق جعفی کو آذان کے لیے فرمایا۔ حجاج
 نے آذان دی۔ اقامت کا وقت آیا تو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ردا
 وازار زیب تن کیے نعلین پہنے تشریف لائے اور حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
 فرمایا۔

ایہا الناس انہا معذوۃ الی اللہ لوگو! اللہ عزوجل اور تم لوگوں کے سامنے

عز وجل وایکم، انی لہم آتکم
 حتی اتنی کتبکم و قد مت
 علی رسلکم ان اقدم علینا فانه
 لیس لنا امام لعل اللہ یجمعنا بک
 فی الہدی فان کنتہ علی ذلک
 فقد جئتکم فان تعطونی ما اطلبن
 الیہ من عہودکم و مواثقکم
 اقدم مصرکم وان لم تفعلوا
 و کنتہ لقدم فی عارہین انصرف
 عنکم الی المکان الذی اقبلت
 منہ الیکم۔ (تاریخ الطبری ج ۱ ص ۱۰۰)

میرا یہ عذر ہے کہ میں تمہارے پاس اس
 وقت تک نہیں آیا، جب تک کہ
 تمہارے خطوط اور تمہارے قاصد یہ
 پیام لے کر میرے پاس نہیں آئے کہ
 ”آپ ہمارے یہاں تشریف لائے۔“
 ہمارا کوئی امام نہیں، ممکن ہے اللہ تعالیٰ
 آپ کی وجہ سے ہمیں ہدایت پر جمع کر
 دے۔“ سو تم اب بھی اگر اسی بات پر
 قائم ہو تو میں تمہارے پاس آچکا ہوں
 اب اگر تم مجھ سے ایسے عہد و پیمان کرو کہ
 جی سے مجھے اطمینان ہو جائے، تو میں
 تمہارے شہر میں چلا چلوں گا اور اگر تم ایسا نہیں کرتے اور میرا آنا تمہیں ناگوار ہے
 تو میں تمہیں چھوڑ کر اسی جگہ چلا جاتا ہوں جہاں سے تمہاری طرف آیا تھا۔

اس وقت تو آپ کی تقریر سن کر حرّ اور اس کے ساتھی خاموش رہے اور
 مؤذن سے کہنے لگے اقامت کہو۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرّ سے
 دریافت کیا کہ کیا تم اپنے ساتھیوں کے ساتھ الگ نماز پڑھو گے، اس نے جواب
 دیا نہیں، بلکہ آپ امامت کریں ہم آپ کی اقتدار میں نماز ادا کریں گے، چنانچہ
 آپ نے ظہر کی امامت فرمائی۔ عصر کی نماز کے بعد پھر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ نے حرّ اور اس کی فوج سے خطاب فرمایا اور حمد و ثناء الہی کے بعد ارشاد
 فرمایا :

اما بعد، ایہا الناس، فانکم ان
تتقوا وتحرفوا الحق لا ھلہ یکن
ارضی للہ، ونحن اھل البیت اولی
بولاية هذا الامر علیکم من
ھؤلاء المدعین مالیس لھم
والسائرین فیکم بالجور والعدوان
وان انتم کوھتمونا وجھلتم
حقنا، وھکان رأیکم فی ما اتنی
کتبکم، وقد مت بہ علی رسلکم
انصرفت عنکم (برہین چندی)

جس کا تمہارے قاصد میرے پاس پیام لے کر آئے تھے تو پھر میں واپس ہوئے
جاتا ہوں۔

اب تحرر نے آپ کی تقریر سن کر جواب میں کہا۔

انا واللہ ما ندری ما ھذا الکتب
التي تذکر۔ (صفحہ ۱۰)

خدا کی قسم ہم نہیں جانتے، آپ کن
خطوط کا ذکر فرما رہے ہیں۔

اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عقبہ بنی سمان سے فرمایا کہ خدا
وہ دونوں خزینیں تو لاؤ جن میں میرے نام ان کو فیوں کے خطوط ہیں، چنانچہ وہ
دونوں خزینیں جو خطوط سے پر تھیں، ان لوگوں کے سامنے لا کر خالی کر دی گئیں
اور آپ نے انی خطوط کو پھیل کر ان کے سامنے ڈال دیا، تحرر نے اب بھی یہی جواب
دیا کہ،

فانا لسنا ھؤلاء الذین عتبتوا
ہم تو وہ نہیں ہیں جنہوں نے

اما بعد، اے لوگو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو
اور اہل حق کا حق پہچان لو تو یہ بات اللہ
تعالیٰ کو زیادہ راضی کرنے والی ہے
اور ہم اہل بیت ان کا حق کے مدعیوں،
اور تم پر ظلم و زیادتی کرنے والوں کی
بہ نسبت تمہارے ولی امر ہونے کے
زیادہ حقدار ہیں اور اگر تم ہم کو ناپسند
کرتے ہو اور ہمارے حق سے ٹکرتے
ہو اور تمہاری رائے وہ نہیں رہی جو
تمہارے خطوط میں بیان کی گئی تھی اور
کرتے ہو اور ہمارے حق سے ٹکرتے

ایک، وقد امرنا اذا نحن لقيناك
 الا نفارقك حتى نقدمك على
 عبید اللہ بن زیاد (صفحہ ۴۲)
 جب تک کہ عبید اللہ بن زیاد کے سامنے لے جا کر پیش نہ کر دیں۔
 اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

الموت ادنیٰ ایک من ذلک
 اس کی تعمیل میں تو موت تمہارے زیادہ
 قریب ہے

یہ فرما کر حضرت مدوح نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ چلو سوار ہو کر واپس
 چلیں۔ مگر جب یہ حضرات سوار ہو کر وطن واپس جانے کے لیے آمادہ ہوئے تو حرّ
 اور اس کا رسالہ راستہ روک کر کھڑا ہو گیا، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حرّ
 سے فرمایا، آخر تم کیا چاہتے ہو حرّ نے پھر وہی جواب دیا۔

ارید والله ان انطلق بك الى
 عبید اللہ بن زیاد (صفحہ ۴۲)
 حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔
 بخدا میں یہی چاہتا ہوں کہ آپ کو عبید اللہ
 بن زیاد کے پاس لے چلوں۔

اذن والله لا ابعثک
 اس پر حرّ نے کہا۔
 خدا کی قسم، ایسی صورت میں میں نہیں تیرا
 تابن نہیں ہو سکتا۔

اذن والله لا ادعک
 خدا کی قسم میں بھی اب تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔
 طرفین سے گتگو میں تلخی بڑھی تو حرّ کہنے لگا کہ مجھے آپ سے قتال کا تو حکم نہیں
 ملا، البتہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ جب تک آپ کو کوفہ نہ پہنچا دوں آپ کا چھپا چھوڑوں
 اب اگر آپ نہیں مانتے تو پھر ایسی راہ لیجئے جو نہ کوفہ کو جاتی ہو اور نہ مدینہ کو، یہ
 بات میرے اور آپ کے مابین انصاف کی ہے۔ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اور آپ

چاہیں تو زید بن معاویہ کو لکھیں چاہیں عبید اللہ بن زیاد کو، شاید اللہ تعالیٰ اس میں کوئی ایسی مافیت کی صورت پیدا کر دے کہ مجھے آپ کے بارے میں کوئی ابتلا نہ پیش آئے۔“

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزیب اور قادسیہ کی راہ پر بائیں سمت کو مڑ گئے، حر کا دستہ ساتھ نہیں چھوڑتا تھا، اگلی منزل میں جب مقام ”بیضہ“ پر پہنچے جو واقعہ اور غزیب کے بائیں پانی کا ایک تالاب تھا، تو آپ نے وہ خطبہ ارشاد فرمایا جس کا حوالہ ”داستان گو“ نے دیا ہے اور اس کے نقل کرنے سے پہلے اپنے جی سے گڑھ کر یہ اضافہ کر دیا ہے۔

”دوسرے دن آپ کے ہمراہی کو فیوں نے اصرار شروع کیا کہ آپ و شق، بائیں اور اپنی خلافت کا اعلان کر کے اپنے والد کی طرح اہل شام سے جنگ کریں آپ نے اس سے انکار کیا حتیٰ آپ بنے یہاں تک فرمایا الخ“
(”داستان کربلا“ ص ۷۸)

حالانکہ تاریخ طبری میں کہیں اس بات کا نام و نشان تک نہیں جو ”داستان گو“ نے بیان کی ہے چنانچہ طبری کی اصل عبارت ملاحظہ ہو جو درج ذیل ہے۔

ان الحسین خطب أصحابه و	حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
أصحاب الحرّ بالبيضة فحمد	مقام ”بیضہ“ میں پہنچ کر اپنے اصحاب
الله واثني عليه ثم قال ايها	اور حر کے رفقاء کے سامنے خطبہ دیا،
الناس ان رسول الله صلى الله عليه	جس میں حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
وسلم قال من رأي سلطانا جائرا	فرمایا لوگو! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
مستحلا لحرم الله ناكثا لمهد الله	کا ارشاد ہے ”جو کسی ظالم حکمران کو اس

مخالفاً لسنة رسول الله يعصّل
 فی عباد الله بالاثم والعدوان فلم
 یغیر علیہ بفعل ولا قول، کان حقاً
 علی الله ان یدخله مدخله الا
 وان هؤلاء قد انرموا طاعة
 الشیطان وترکوا طاعة الرحمن
 واطهروا الفساد وعطوا الحدود
 فاستاثروا بالفیء، واحلوا حرام الله
 وحرّموا حلاله، وانا احق من
 غیر قد اتی کتبکم و قد مت
 علی رسکم ببیتکم انکم ولا
 تسلمونی ولا تخذلونی فان
 تعصم علی بیعتکم تصیبوا رشداً
 فانا الحسین بن علی وابن
 فاطمة بنت رسول الله صلی الله
 علیہ وسلم، نفی مع انفسکم
 واهل مع اهلکم فاکم فی اسوة
 وان لم تفعلوا ونقضتم عهدکم
 وخلصتم بیعتی من اعدائکم
 فلمصری ما هی لکم بنکر لقد
 فعلتموها بأبی وأخی وابن عسی

حال میں دیکھے کہ وہ محرمات الہی کو حلال
 کر رہا ہو، اللہ تعالیٰ کے عہد و پیمان کو
 توڑ رہا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی سنت کا مخالف ہو اور اللہ تعالیٰ
 کے بندوں کے ساتھ گناہ اور زیادتی کا
 معاملہ کرتا ہو اور پھر اپنے قول و فعل
 سے اس کے خلاف تبدیلی نہ برپا
 کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو بھی اسی
 کے ٹھکانے پر پہنچانے میں حق بجانب
 ہیں "خبردار! ان لوگوں (حکمران لوگے)
 نے رحمن کی اطاعت چھوڑ کر شیطان
 کی اطاعت اختیار کر لی ہے۔ ملک
 میں فساد پھیلادیا۔ حدود الہی معطل کر
 دیں، مال غنیمت اپنے لیے مخصوص
 کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کے حرام کو حلال اور
 حلال کو حرام کر دیا۔ چنانچہ اس صورت
 حال میں تبدیلی لانے کا میں سب سے
 زیادہ حق رکھتا ہوں، تمہارے خطوط
 میرے پاس آپکے ہیں اور تمہارے
 قاصد تمہاری اس امر پر بیعت کی
 خبر لے کر پہنچ چکے ہیں کہ تم مجھے بے یار

مسلم بن عقیل، والمغرور من
اغتریکم فحظکم اخطائکم
ونصیبکم ضیعتکم، وَمَنْ نَكَثَ
فَاِنَّمَّا یُکْثُ عَلٰی نَفْسِهِ وَسیَعْتَنی
اللہ عنکم والسلام علیکم و
رحمة اللہ وبرکاتہ۔

و مددگار نہیں چھوڑ دو گے پھر اگر تم اپنی
بیعت کی تکمیل کرتے ہو تو اپنی بھلائی کو
پالو گے، کیونکہ میں حسین بن علی ہوں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دختر
اہل فاطمہ کا بیٹا ہوں میری جان
تمہاری جانوں کے ساتھ اور میرے

(تاریخ طبری ج ۵ ص ۴۰۲)

طبع دار المعارف قاہرہ ۱۹۶۲ء

اہل و عیال تمہارے اہل و عیال کے ساتھ

ہیں، تمہارے لیے میں نمونہ ہوں اور اگر
تم ایسا نہیں کرتے اور اپنے جہد و پیمان کو توڑتے ہو اور میری بیعت کو اپنی گردنوں
سے اتار پھینکتے ہو تو سبحان من یہ تم سے کچھ بعید بھی نہیں، تم نے میرے باپ،
میرے بھائی، اور میرے برادر عزا د مسلم بن عقیل کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا ہے وہ
فریب خوردہ ہے جو تمہارے دھوکہ میں آئے۔ تم نے اپنے فائدہ کو کھویا اور اپنی
قیمت کو خراب کیا "جو شخص بھی جہد توڑے گا اس کا زیاں خود اسی کو اٹھانا پڑے
گا۔" اور اللہ تعالیٰ عنقریب مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ والسلام علیکم و
رحمة اللہ وبرکاتہ۔

یہ ہے وہ تفصیل جو مؤرخ طبری نے ۱۱ ہجری کے حوادث کو بیان کرتے ہوئے
"مقتل حسین" کے ضمن میں بیان کی ہے اس میں اول سے آخر تک کہیں ان ساتھ لوئی
حضرات کا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ میدان کربلا میں شہید
ہوئے کوئی ذکر نہیں بس مقام "بیضہ" پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے حر کے لشکر کے سامنے جو تقریر فرمائی، اس کا ذکر ہے اس تقریر میں حضرت
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرا اور اس کی فوج کے سواروں سے مخاطب ہیں۔

اپنے اُسی صاحب سے نہیں جو مکہ معظمہ سے آپ کے ہمراہ تھے، حرّ اور اس کی فوج پر حجت قائم کرنے کے بعد آپ اپنے قافلہ کے ساتھ عازمِ مدینہ ہونا چاہتے ہیں، حرّ اور اس کا رسالہ سبّ راہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور آپ کو مدینہ طیبہ کی طرف جانے نہیں دیتا، مگر ”داستان گو“ صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجانے مدینہ طیبہ کے یزید کی بیعت کے لیے دمشق جا رہے تھے اور آپ کے ساتھیوں نے سازش کر کے عصر و مغرب کے مابین کیمپ میں اچانک حملہ کر کے آپ کو شہید کر ڈالا اور پھر اس پر طبری کا حوالہ بھی دے رہے ہیں، مطمئن ہیں کہ کون اصل کتاب سے مراجعت کرے گا جو ہمارے جھوٹ کی پول کھلے گی اور ابلہ فریسی کا پردہ چاک ہو گا۔ بھلا سوچنے کی بات ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خطاب اپنے ان جان نثار ساٹھ کو فیوں سے کریں گے جو مکہ معظمہ سے آپ کے ساتھ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کھانے میدان کر بلا میں جامِ شہادت نوش کیا (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔ اور طبری میں ”داستان گو“ صاحب کو وہ کونسا لفظ ملا ہے جس کا ترجمہ بڑا احمق کیا گیا ہے؟

”جلال العیون“ کے بارے میں اسی ”داستان کر بلا“ کے الفاظ ہیں

”شیعہ کتاب جلال العیون“

اس لیے ہمیں اس سے مراجعت کی ضرورت نہیں، گو ”داستان گو“ صاحب کی بات کا بھی کچھ اعتبار نہیں۔ وروغ گوئی اور بہتان طرزی ووافض و نواصب دونوں کا شیوہ ہے۔

معلوم نہیں کہ ”مجلس حضرت عثمان غنی“ کیوں عام مسلمانوں کو ایک غلط بات کو صحیح باور کرانے پر تلی ہوئی ہے، تمام اہل السنّت والجماعۃ حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں نہ رافضیوں کی خرافات پر

اعتماد کرتے ہیں، نہ ناصبیوں کی بکواس پر، اور نہ ان کے بڑے بھائی خارجیوں کی لغو بات پر، کیونکہ رافضیوں کو حضرات خلفائے ثلاثہ اور عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پیر ہے اور خارجیوں کو حضرت عثمان حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء سے عناد ہے اور ناصبیوں کو بالخصوص حضرت علی، حضرات حسین اور ان کی اولاد امجاد رضی اللہ عنہم سے۔ ”لوا صب“ کو اگلے زمانہ میں ”شیعہ عثمان“ اور شیعہ مرقمہ ”اوشیعہ امویہ“ کہا جاتا تھا، بنی امیہ کی حکومت کے ساتھ ایک فرقہ کی حیثیت سے ان کا وجود بھی ختم ہو گیا تھا، اب پھر محمود احمد عباسی نے ”خلافت معاویہ یزید“ لکھ کر اس فتنہ کو نئے سرے سے ابھارا ہے۔ ”مجلس عثمان غنی“ بھی اپنے شائع کردہ کتابچوں کے ذریعہ اسی فتنہ کو ہوا دے رہی ہے، اور ان سادہ لوح مسلمانوں کے عقائد خراب کرنے کے درپے ہے جن کو اپنی نادانی سے اس فتنہ کا علم نہیں کہ یہ کیا ہے، وہ اپنی سادگی سے یہی سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی کوئی روافض کی تردید کا مشغلہ ہے حالانکہ اصل بات یہ نہیں بلکہ یہ ناصبی شیعان عثمان مجلس حضرت عثمان غنی کے نام پر رافضیوں کے تمام سب و شتم کا بدلہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لینا چاہتے ہیں صح ہے۔

ماسلمہ الصدیق من رافض
فانجی من ناصبین علی

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی رافضی کے برابر سے محفوظ نہ رہ سکے اور ناصبیوں کی طعن سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نجات نہ ملی۔

تیسرے جھوٹ کی تصحیح کہ یزید
کی فوج نے حضرت حسین کو قتل نہیں کیا
(۴۴) ”داستان گو“ صاحب
نے ”البدایہ والنہایہ“ کی عربی

عبارت سے اس داستان کا آغاز کیا اور اس کا ترجمہ بھی آگے چل کر لکھا مگر صفحہ اور جلد کا سوال غلط دیا یعنی (جلد ہفتم ص ۱۵۳) لکھا حالانکہ یہ عبارت جلد ہشتم میں ہے غنیمت ہے ان کو یہ تسلیم ہے کہ

”البدایہ والنہایہ“ مشہور عربی تاریخ ہے۔

مگر تعجب ہے کہ حافظ ابن کثیر نے اسی ”البدایہ والنہایہ“ کے اسی صفحہ پر جو

یہ لکھا ہے وہ نظر نہ آیا۔

یزید نے ابن زیاد کو لکھا کہ مجھے یہ خبر ملی ہے کہ حسین کوفہ کی طرف چل پڑے ہیں، اب زمانوں میں تیرا زمانہ اور شہروں میں تیرا شہر ان کے بارے میں مبتلا ہوا ہے اور گزروں میں تو خود ان کے معاملہ میں مبتلا ہو چکا ہے اور ایسی صورت میں یا تو تو آزاد کرو یا جائے گا یا جس طرح غلاموں کو غلام رکھا جاتا ہے تجھے بھی غلام بنا دیا جائیگا چنانچہ ابن زیاد نے حضرت حسین کو قتل کر کے ان کا سر یزید کے پاس بھیج دیا۔

کتب یزید الی ابن زیاد انه قد بلغنی ان حسیناً قد سار الی کوفۃ وقد ابتلی بہ زمانک من بین الازمان و بلدک من بین البلدان و ابلت افت بہ من بین العمال و عندہا تشرق و تعود عبد اکما ترق العبد و تعبد فقتلہ ابن زیاد، و بعث برأسہ الیہ۔

(ع - ۸ ص ۱۶۵ طبع بیروت ۱۹۶۷ء)

اسی ”البدایہ والنہایہ“ میں یہ بھی ہے کہ

و بعث عبید اللہ بن زیاد عمر بن سعد کاحضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا

(صفحہ ۸)

وإبطاً عمر عن قتالہ فارسل ابن
زیاد شمر بن ذی الجوشن و
قال لہ ان تقدم عمر فقاتل والا
فاقتله وکن مکانہ فقد ویتد
الامرة۔ (ج ۸ ص ۴۰)

عمر (ابن سعد) نے حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے قتال میں تاخیر سے کام لیا
تو ابن زیاد نے شمر بن ذی الجوشن کو یہ
کہہ کر بھیجا کہ اگر عمر قتال میں پیش قدمی کئے
تو تو بھی جنگ میں شریک ہو جاؤ اور نہ

عمر (ابن سعد) کو قتل کر کے اس کی جگہ خود سنبھال لیجئے، میں تمہو کو امیر لشکر کرتا ہوں۔
اس فوج کی تعداد جو عمر بن سعد کی کمان میں تھی ”ابدایہ والنہایہ“ ہی میں یہ
بتائی ہے کہ

وكانوا أربعة آلاف يريدون
قال الديلم، فعينهم ابن زياد
ومرهم الى قتال الحسين۔

چار ہزار سپاہی تھے جو دیلم سے جنگ
کرنے کے ارادہ سے چلے تھے ان کو
ابن زیاد نے قتال دیلم سے روک کر
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
قتال کے لیے متعین کیا۔

(ج ۸ ص ۱۶۹)

عمر بن سعد کو تعمیل حکم سے کب انکار تھا جیسے ہی ابن زیاد کا حکم اس کو پہنچا،
فوثب الى فرسه فركبها ثم
دعا بسلاحه فلبسه وانه لعل
فرسه ونهض بالناس اليهم
فقاتلوه فجيئ برأس الحسين
الى ابن زياد فوضع بين يديه
فجمل يقول بقضيه في القدر

عمر بن سعد جھپٹ کر اپنے گھوڑے پر سوار
ہوا پھر سواری ہی کی حالت میں اپنے
ہتھیار منگوا کر ان کو اپنے بدن پر سجایا
اور فوج لے کر سیدھا ان حضرات سے
مقابلہ کے لیے چل پڑا، فوج نے جاتے
ہی کشت و خون شروع کر دیا، چنانچہ

يقول ان ابا عبد الله كان قد شتم

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر
بہارک کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے ڈال
دیا گیا اور ابن زیاد اپنی پھڑی آپکی ناک پر رکھتا
اور کہتا کہ ابو عبد اللہ کے بال تو اب پک چکے ہیں۔

(ج ۸ ص ۱۷۱)

شمر اپنی نباشت سے فوج کے سپاہیوں کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے قتل پر اس وقت بھی ابھار رہا تھا، جب کہ آپ کے تمام رفقاء یکے بعد دیگرے
جام شہادت نوش کر کے راہی جنت ہو چکے تھے اور آپ یکہ ذنب میدان قتال میں
ثابت قدم تھے اور کیوں نہ ہو حضرت ممدوح نے تو اس کو دیکھتے ہی فرما دیا تھا،

اللہ سچا، اس کا رسول سچا، رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا گویا میں
دیکھ رہا ہوں اس چنگبر سے کتے کو جو
میرے اہل بیت کے خون میں منہ ڈالے گا

صدق الله ورسوله قال رسول
الله صلى الله عليه وسلم "كأن
انظر الى حلب ابقع بلف في دماء
اهل بيتي

(البداية والنهاية ج ۸ ص ۱۸۸)

اس روایت کے آخر میں لڑی کی یہ بھی تصریح ہے۔

وكان شمر قبحة الله ابوص
شمر اللہ اس کا بُرا کرے برص میں مبتلا تھا

(ج ۸ ص ۱۸۹)

مگر "داستان گو" اسی کتے کو خراج عقیدت پیش کر رہے ہیں، قاتلوں کو
محافظ بنا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

"عمر بن سعد، شمر ذی الجوشن، خاندان علی کو کوفیوں کے حملہ سے بچانے کے
لیے دوڑ کر پہنچے،"

(ص ۱۰)

"عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی لاشوں کو اکٹھا کیا ان کی نماز

جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا، کوفیوں کی لاشوں کو وہیں پڑا رہنے دیا بلکہ دستہ کے بعض سواروں نے انہیں پال بھی کیا تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں“ (ص ۱۰)

حالانکہ ”البدایہ والنہایہ“ میں اس کے برعکس مرقوم ہے۔

وقتل من اصحاب الحسین اثنان
وسبعون نفساً دفنہمواہل
الفاخریۃ من بنی اسد بعد ما
قتلوا بیوم واحد

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اصحاب
میں سے بہتر نفوس شہید ہوئے جن کو
غاضریہ کے رہنے والے قبیلہ بنی اسد کے
لوگوں نے قتل کے دوسرے دن دفن کیا

(ص ۱۸۹ ج ۸)

”غاضریہ“ کوفہ کے نواح میں ”کربلا“ کے قریب ایک قریہ کا نام ہے جو قبیلہ بنو اسد کا مسکن تھا، ہاں عمر بن سعد نے اپنی فوج کے مقتولین پر جو شہداء کربلا کے ہاتھوں مارے گئے تھے بے شک نماز جنازہ ادا کی تھی اور انہیں کی لاشوں کو اس نے دفن بھی کیا تھا۔ ”البدایہ والنہایہ“ میں ہے

وقتل من اهل الكوفة من اصحاب
عمر بن سعد ثمانیۃ وثمانین
رجلاً سوى الجرحی فصلی علیہم
عمر بن سعد ودفنہموا و
یقال ان عمر بن سعد امر
عشرة فرسان فدا سوا الحسين
بحوا فرخیولہم حتی الصقوہ
بالارض یوم المعركة وأمر

اور عمر بن سعد کے ساتھی اہل کوفہ میں سے
اٹھاسی اشخاص قتل ہوئے، زخمیوں
کی تعداد ان کے علاوہ ہے، عمر بن سعد
نے ان مقتولین کی نماز جنازہ ادا کر کے
ان کو دفن کیا اور بیان کیا جاتا ہے کہ
عمر بن سعد نے معرکہ کے دن ناس سواروں
کو حکم دیا جنہوں نے اپنی گھوڑوں کے
سموں سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

برأسه ان یحصل من یومہ الی
ابن زیاد مع خولی ابن یزید
الا صبحی۔

کے لاشہ کو پامالی کر کے پیوند زمین کو
دیا اور آپ کے سر مبارک کے متعلق
آزور دیا کہ اسی دن اس کو اٹھا کر خولی
بن یزید اصبھی کے ساتھ ابن زیاد کو بھجوا

(ج - ۸ ص ۱۸۹) دیا جائے۔

صرف حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا سر مبارک بلکہ تمام شہداء کربلا کے
سر کاٹ کر جن میں یہ ساٹھ حضرات بھی شامل تھے خولی کے ساتھ ابن زیاد کے پاس
روانہ کر دیے گئے تھے، حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک جب
عبید اللہ بن زیاد کے پاس پہنچا تو اس نے شہر میں منادی کرا کر لوگوں کو جمع کیا
اور پھر ان کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں اپنی
فتح و کامرانی کی تقریر بھی کی۔ اس تقریر میں حضرت ممدوح پر طعن و طنز بھی تھا جس
پر عبداللہ بن عقیف ازدی نے برا فروختہ ہو کر ابن زیاد کو ان الفاظ میں ٹوکا۔

ویحک یا ابن زیاد! تقتلون اولاد
النبيين وتعلمون بکلام
الصدیقین کرتے ہو۔

اس کلمہ حق کو سننے کی بھلا ابن زیاد میں تاب کہاں تھی فوراً حکم دیا کہ اس
گستاخی کی پاداش میں اس غریب کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا جائے زان بعد
”سر حسین“ کا کوفہ کے تمام گلی کوچوں میں گشت کرایا گیا پھر زحر بن قیس کی محبت
میں تمام شہداء کربلا کے مبارک سروں کو یزید بن معاویہ کے پاس شام روانہ کر
دیا، دربار یزید میں پہنچ کر زحر بن قیس نے اپنے سیاہ کارنامہ کو جن الفاظ میں
پیش کیا، وہ یہ ہیں۔

ابشر يا امير المؤمنين بفتح الله عليه
 ونصره، ورد علينا الحسين بن علي
 بن ابي طالب وثمانية عشر من
 اهل بيته وستون رجلاً من شيعته
 فسرنا اليهم فسالناهم ان يتسللوا
 وينزلوا على حكم الامير عبيد الله
 بن زياد والقتال، فاختاروا القتال
 فعدونا اليهم مع شروق الشمس
 فاحطنا بهم من كل ناحية حتى
 اخذ السيوف ماخذها من هام
 القوم، فجعلوا يهرلون الى غير
 مهرب ولا وذر، ويلوذون منا
 بالاحكام والحفر لوذا كما لا ذ
 الحمام من صقر، فوالله ما تحافوا
 الا جزر جزورا ولومة قائل حتى
 اتينا على آخرهم فها تيك
 اجسادهم مجردة و
 ثيابهم مزملة وخدودهم
 صفرة، تصهرهم الشمس
 وتسفي عليهم الريح و
 ازدهم العقبان والرخس

امير المؤمنين آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت
 کی بشارت ہو، حسین بن علی بن ابی طالب اور ان
 کے اہل بیت کے اٹھارہ افراد اور ان کے شیعیان
 میں "ساتھ اٹھائیس" ہمارے یہاں وارد ہوئے
 تو ہم بھی ان کی طرف چل پڑے اور ہم نے ان سے
 یہ مطالبہ کیا کہ امیر عبید اللہ بن زیاد کے آگے
 سر تسلیم خم کر دیں اور اس کے حکم پر اپنے آپ کو
 ہمارے حوالہ کر دیں یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو
 جائیں، انہوں نے جنگ ہی کو پسند کیا، تو ہم
 نے صبح سویرے جیسے ہی آفتاب چمکا ان لوگوں
 کو جالیا اور ہر طرف سے ان کو گھیر لیا، آخر جب
 تلواروں نے ان کی کھوپڑیوں کی صحیح صحیح گرفت
 شروع کی، تو یہ ادھر بھاگنے لگے جدھر بھاگنے
 کی ان کے لیے نہ کوئی جگہ تھی نہ جائے پناہ اور
 جطر حشر سے کبوتر پناہ ڈھونڈتا ہے
 یہ بھی ٹیلوں اور گڑھوں میں پناہ ڈھونڈھنے
 لگے، سو خدا کی قسم بس جتنی دیر میں دنٹ کاٹ
 کر رکھ دیا جاتا ہے یا قیلولہ کرنے والا اپنی
 نیند پوری کر لیتا ہے اتنی دیر میں ہم نے ان
 کے آخری فرد تک کا کام تمام کر دیا سو اب
 ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں اور ان کے

کپڑے پیٹے جا چکے ہیں ان کے رخسار خاک
میں لتھڑے ہوئے ہیں دھوپ ان کو جلاد رہی
ہے اور ہوا ان پر خاک اڑاتی ہے عقاب
اور گدھ ان کی لاشوں پر منڈلا رہے۔

(البدایہ والنہایہ ص ۱۹۱)

زحر بن قیس نے بھی اگرچہ یزید کے سامنے اپنی بہادری کی ڈینگیں مارتے ہوئے
ان حضرات کی جج میں کچھ کم جھوٹ نہیں بکا ہے، تاہم ”مجلس حضرت عثمان غنی“
کے داستان گو کے علی المرتضیٰ اس نے صاف اقرار کیا ہے کہ وہ ساٹھ کوئی حضرات
جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی معیت میں تھے، انہوں نے حضرت مدوح
کی نصرت ہی میں اپنی جانیں نثار کی تھیں اور خود کوفہ کے گورنر عبید اللہ بن زیاد کا
اس بارے میں اعتراف موجود ہے یزید نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں جب
حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گرفتار کرنے کی غرض سے مکہ معظمہ پر چڑھائی کا
ارادہ کیا، تو اس ہم کی سرکردگی کے لیے بھی اس کی نظر انتخاب سب سے پہلے ابن
زیاد ہی پر پڑی تھی، چنانچہ جب اس خدمت کی انجام دہی کے لیے یزید نے اس کو
لکھ کر بھیجا، تو ابن زیاد کی زبان سے بے اختیار یہ نکل گیا کہ

واللہ لا اجمعہما للفاسق ابدا خدا کی قسم میں اس فاسق کی خاطر کبھی بھی دونوں
اقتل ابن ہشمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گناہ اپنے نامہ اعمال میں جمع نہیں کر سکتا رسول
علیہ وسلم وانحزو البيت الحرام اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے کو تو قتل
(البدایہ والنہایہ ص ۲۱۹) کر دیا، اب بیت الحرام پر چڑھائی کروں

یاد رکھئے ”داستان گو“ صاحب نے جن شہدار کرام کے بارے میں یہ ہرزہ مسمرائی
کی ہے، یہ وہی شہدار کرام ہیں جن کے بارے میں وارد ہے کہ ”وہ جنت میں بے
حساب داخل ہوں گے“ چنانچہ حافظ ابن کثیر البدایہ والنہایہ میں لکھتے ہیں۔

وقد روى محمد بن سعد وغيره من غير وجه عن علي بن ابي طالب رضى الله تعالى عنه انه قارب كربلاء عند اشجار الحنظل وهو ذاهب الى صفين، فسأل عن اسمها فقيل كربلاء فقال عرب وبلاء فنزل وصلى عند شجرة هناك ثم قال يقتل ههنا شهداء هم خير الشهداء غير الصحابة يدخلون الجنة بغير حساب. وأشار الى مكان هناك فعلموه بشئ فقتل فيه الحسين -

(ج ۸ - ص ۱۹۹، ۲۰۰)

ظلم کا انجام

یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل کو ختم کرنا چاہا

تھا، مگر حق تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل تو چار دانگ عالم میں پھیل گئی اور آج حینی سادات اقالیم اسلامی کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں، لیکن یزید کی نسل اسی زمانہ سے ایسی نابود ہونا شروع ہوئی کہ پرودہ دنیا سے اس کا وجود ہی اٹھ گیا۔ حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں یزید بن معاویہ کی بیس صلیبی اولاد کو نام بنام گنا کر جن میں

حافظ محمد بن سعد وغیرہ نے متعدد اسانید سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے کہ جب آپ "صفین" کی طرف جا رہے تھے تو مقام کربلا میں حنظل (اندرائٹن) کے درختوں کے پاس سے گزرے آپ نے اس مقام کا نام دریافت کیا تو بتلایا گیا "کربلا" ہے فرمایا کرب وبلاء ہے، پھر سواری سے اتر کر آپ نے وہاں ایک درخت کے پاس نماز پڑھی پھر ارشاد فرمایا کہ "یہاں وہ شہدار قتل کیے جائیں گے جو صحابہ کے علاوہ بہترین شہدار ہوں گے اور بلا حساب جنت میں جائیں گے اور یہ" فرماتے ہوئے، آپ نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا لوگوں نے وہاں کچھ نشانی بھی لگا دی، چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اسی جگہ پر قتل ہوئے۔

پندرہ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں، تصریح کی ہے۔
 وقد انقرضوا كافة فلم يبق ليزيد سب ایسے ختم ہوئے کہ یزید کی نسل میں سے
 عقب (ج ۸ ص ۲۳۷) کوئی ایک بھی تو باقی نہ بچا۔

اور حافظ ابن کثیر ہی کے الفاظ ہیں۔

فانه لم يمهل بعد وقعة حو بلاشبہ واقعہ حرہ اور قتل حسین کے بعد یزید
 الحرة وقتل الحسين الا کو ڈھیل نہ دی گئی مگر ذرا سی تا آنکہ حق تعالیٰ
 يسيراً حتى قصه الله الذي نے اس کو ہلاک کر دیا جو اس سے پہلے اور
 قصه الجباة قبله و اس کے بعد بھی ظالموں کو ہلاک کرتا رہا ہے
 بعده، انه كان عليهما بے شک وہ بڑا علم رکھتا ہے اور بڑی قدرت
 قديراً۔ والا ہے۔

اور ۷۴ھ کے واقعات کے ذیل میں مسلم بن عقبہ کی موت کے سلسلہ میں
 لکھتے ہیں۔

ثم مات قبضه الله ثم پھر مسلم بن عقبہ، اللہ تعالیٰ اس کا ہرا کرے
 اتبعه الله بيزيد بن مرگیا اور یزید بن معاویہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے
 معاوية فمات بعده اس کے پیچھے چلتا کیا اور وہ بھی اس کے بعد
 في ربيع الاول لاربعة عشرة ۱۴ھ ربيع الاول کو مرگیا اور ان دونوں کو جو
 ليلة خلت منه فما امیدیں اور توقعات تھیں اللہ تعالیٰ نے
 متعهما الله بشئ مما ان میں سے کوئی بھی پوری نہ کی بلکہ اس ذات
 رجوه واملوه بل قهرهم قاہرہ نے جو اپنے سب بندوں پر غالب
 القاهر فوق عباده و ہے ان پر اپنا قہر نازل فرمایا اور انکی بادشاہی
 سلبهم الملک و نزعہ سلب کر لی اور ان کی سلطنت اس نے

منہم من ینزع الملك چھین لی جو جس سے چاہتا ہے اسکی سلطنت
من یشاء۔ چھین لیتا ہے۔

اور پھر واقعہ حرہ کے مظالم کو بیان کرتے ہوئے آخر میں ان کے قلم سے یہ الفاظ نکلتے

ہیں۔

وقد اخطأ یزید خطأ فاحشا
فی قوله لمسلم بن عقبة
ان یمیر المدینة ثلاثة ايام،
وهذا خطأ کبیر فاحش، مع
ما انضم الی ذلك من قتل
خلق من الصحابة وابنائهم
وقد تقدم انه قتل الحسين
واصحابه علی یدی عبید اللہ
ابن زیاد۔ وقد وقع
فی هذه الثلاثة ايام
من المفسد العظيمة
فی المدینة النبویة مالا
یحسد ولا یوصف، مما
لا یحسد الا الله عز وجل
وقد اراد بارسال مسلم
ابن عقبة توطید سلطانه
وملكه، ودوام ايامه

اور بے شک یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ حکم دے کر
کہ "تو تین دن تک مدینہ منورہ کو تباہ و راج
کیجو"، فحش غلطی کی۔ یہ نہایت بڑی اور فاحش
خطا ہے اور اس خطار کے ساتھ صحابہ کرام
اور اولاد صحابہ کی ایک خلقت کا قتل و
شامل ہو گیا اور سابق میں گزر چکا کہ عبید اللہ
بن زیاد کے ہاتھوں حضرت حسین رضی اللہ
عنه اور ان کے اصحاب کو شہید کر دیا گیا
اور ان تین دنوں میں مدینہ نبویہ میں وہ عظیم
مفسد برپا ہوئے کہ جو عدد و شمار سے باہر
ہیں اور جن کا بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ بس
اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان کا پورا علم کسی
کو نہیں۔

یزید نے تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر اپنی بادشاہی
اور سلطنت کو مضبوط کرنا چاہا تھا اور اس
کا خیال تھا کہ اب بلا نزاع کے اس کے ایام
سلطنت کو دوام نصیب ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ

من غیر منازع ، فعاقبہ
 اللہ بمقتضیٰ قصدم
 و حال بینہ و بین
 ما یشہیدہ فقصمہ اللہ
 قاصم الجبابرة و اخذہ اخذ
 عزیز مقتدر و عَذْلِكَ اخذ
 رَبِّكَ اِذَا اخَذَ الْقُرَى
 وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اخَذَهُ
 اِلَيْهِ شَدِيدٌ -

(البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۲۲۲)

دیدنی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
 اموالوں کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا

چنداں امان نداد کہ شب را سحر کند
 خلیفہ عبد الملک اموی نے یزید
 کے زوال اقتدار سے عبرت پکڑ

کہ ہی اپنے گورنر حجاج بن یوسف کو لکھا تھا کہ

جنبنی دماء آل بنی ابی طالب فانی
 وایت آل حرب لعالتهمجوا
 بھالہ ینصروا
 (تاریخ یعقوبی ص ۳۰۳ طبع بیروت ۱۳۶۹ھ)

مجھے آل بنی ابی طالب کی خونریزی سے بچاتے
 رہنا کیونکہ میں آل حربؓ کا انجام دیکھ چکا
 ہوں کہ یہ جب ان کی خونریزی پر پل پڑے تو
 بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے۔

اے قرآن پاک کی آیت ہے۔

اے ”حرب“ یزید کے پردادا کا نام ہے اور یہاں ”آل حرب“ سے خود یزید مراد ہے۔

اے یعقوبی اگرچہ شبہی ہے مگر ہم نے یہاں اس کا حوالہ قصداً دیا ہے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ بنو مرثد

افسوس یہ نابھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان ہی سے ناواقف ہیں
حافظ ابن کثیر نے اس دور کا بالکل صحیح نقشہ کھینچا ہے کہ

الناس انما ميلهم الى الحسين سب لوكون كميلان حضرت حسين رضي الله تعالى
لانه السيد الكبير و ابن بنت عنه ہی کی طرف تھا کیونکہ وہی سید کبیر اور سبط
رسول الله صلى الله عليه وسلم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور اس وقت
فليس على وجد الارض يومئذ احدٌ روئے زمین پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو (فضل
يساميه ولا يساويه ولكن الدولة و کمالات میں) آپ کا مقابلہ یا برابری کر سکے
اليزيدية كانت كلها تناويه. لیکن یزیدی حکومت ساری کی ساری آپ
(البدایہ والنہایہ ج - ۸ ص ۱۵۱) کی دشمنی پر اتر آئی تھی۔

یہ ہے اختصار کے ساتھ صورت واقعہ کا اصل نقشہ جو حافظ ابن کثیر کی مشہور عربی تاریخ
”البدایہ والنہایہ“ سے انہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا، لیکن ”داستان گو“
صاحب کو ان تمام حقائق سے انکار ہے، وہ اپنی من گھڑت ہی دہرائے جاتے ہیں اور ان
کو تاریخ ابن کثیر کا صرف وہی ایک فقرہ یاد ہے جو انھوں نے مسلمانوں کو مغالطہ دینے
کے لیے نقل کیا ہے، اللہ تعالیٰ جھوٹ بولنے سے بچائے۔

داستان گو کا حضرت ابن زبیر پر افترا (۵) ”داستان گو“ صاحب آگے

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بنو ہاشم کی خونریزی سے بچتے تھے ورنہ اس امر کا ذکر ابن تیمیہ کی ”مہاج النہ“
میں بھی متعدد جگہ آیا ہے اور اسی لیے بنی امیہ کی شاخ بنی مڑان سے بنی ہاشم کی قرابتیں بھی جاری
رہیں اور ان میں باہمی رشتہ مناکحت بھی ہوتا رہا ہے۔ ورنہ خاندان یزید اور خاندان حسین
میں واقعہ کربلا کے بعد قرابت کا کوئی سلسلہ قائم نہ ہوا۔ جیسا کہ محمود احمد عباسی نے
خلافت معاویہ و یزید میں مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے۔

چل کر اصل حقیقت کے زیر عنوان پھر اسی بات کو نئے سرے سے دہرا کر ابلہ فریبی کی اس طرح کوشش کرتے ہیں۔

”حضرت حسینؑ کا قتل ان کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے، اس کا ثبوت طبری کی اس روایت سے مل جاتا ہے جس میں اس حادثہ کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی تقریر کا ذکر ہے (طبری حصہ چہارم باب ۱۱) کی روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے قتل حسین کے سانحہ کی اطلاع پا کر اہل مکہ کے سامنے یہ تقریر کی تھی۔

”اہل عراق میں اکثر بدکردار اور غدار ہیں ان میں اہل کوفہ بدترین ہیں، حسین کو انہوں نے اس لیے بلایا کہ ان کی مدد کریں گے، جب وہ ان کے پاس چلے گئے تو ان سے ملنے کھڑے ہو گئے، واللہ حسین یہ بات نہیں سمجھ سکتے کہ اس انبوہ کثیر میں ان کے شخص ساتھی بہت تھوڑے ہیں۔“

”ان کے بقیہ اہل خاندان نے بھی ان کے قتل کا الزام کوفیوں پر ہی عائد کیا عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی کوفیوں کی غداری کو ہی قتل کا موجب بتایا اور اس وقت کی پوری پہلا دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی؟“

(”داستان کربلا“ ص ۲۴۲، ۲۴۳)

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی جو تقریر ”داستان گو“ صاحب نے نقل کی ہے غور فرمائیے! اس میں کہاں یہ ذکر ہے کہ ”آپ کو انہی ساٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے ہمراہ مکہ مظلہ سے گئے تھے“ کیا ان ساٹھ افراد کے علاوہ کوفہ میں اور کوئی متنفس نہیں بتاتا تھا؟ کیا کوفہ کی آبادی بس ان ہی ساٹھ نفوس پر مشتمل

تھی؟ کیا یزیدی لشکر جس کی نفری چار ہزار تھی اور جو عمر بن سعد کی سرکردگی میں ابی زیاد کے حکم سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے آیا تھا کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا اس فوج کے افراد کوفہ کے رہنے والے نہ تھے؟ کیا شمر کوئی نہ تھا؟ کیا عمر بن سعد کوفہ سے نہیں آیا تھا؟ کیا عبید اللہ بن زیاد اس وقت کوفہ کا گورنر نہ تھا؟

یہی کوئی تو تھے جو ابن زیاد کی ترغیب و تحریص پر عمر بن سعد کے

زیرکمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے لئے آئے

یہی ان بہتر نفوس کے قاتل ہیں جن میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، ان کے اہل بیت اور وہ ساتھ کوفی شامل ہیں جو حضرت ممدوح کے ساتھ میدانِ کربلا میں شہید ہوئے۔ ”داستان گو“ صاحب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے اہل بیت کرام کے خون کا الزام خلیفہ یزید، اس کے باعمال قتال اور یزیدی دستہ فوج کی بجائے جو تمام ترکوفیوں پر مشتمل تھی اور جس کو ابن زیاد نے زور و زبر سے رام کر کے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جنگ کرنے کے لیے بھیجا تھا، ان کوئی شہیدان کربلا پر ڈالنا چاہتے ہیں جنہوں نے بڑی بہادری کے ساتھ برضاد و رغبت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر اپنی جانیں قربان کیں، ظاہر ہے جو شخص جھوٹ بولنے سے ڈرانہ شرماتا ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر تہمت جوڑنے میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہتھم کرے، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو عجبی سازش کا نتیجہ قرار دے کر اس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور افراد بنی ہاشم کو ملوث کرے، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بلوائیوں کو کسانے اور ان کی قیادت کرنے کا الزام حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر عائد کرے

اور حضرت ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے سلسلہ میں بقیہ حضرات عشرہ مبشرہ
 حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور ان حضرات کے صاحبزادگان حضرات حنین،
 حضرت محمد بن طلحہ، حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ذمہ وار ٹھہرائے اس
 سے اس کے سوا اور کیا امید کی جاسکتی ہے کہ وہ خود "شہدار کر بلا" کو حضرت حسین
 اور ان کے اہل بیت کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتلائے ایسا شخص جتنا بھی جھوٹ
 بولے کم ہے! انسوس ان سادہ لوح حضرات پر ہے جو اس مجلس کے جلسوں کی
 صدارت کرتے ہیں، اس کے کناپچوں پر تقریظیں لکھتے ہیں، ان کی مالی امداد کر کے
 اس کے ان کناپچوں کو جو جھوٹ کی پوٹ میں چھپواتے ہیں اور پھر ان کو خرید کر بانٹتے
 اور تقسیم کرتے ہیں۔

فان كنت لا تدري فتلك مصيبة وان كنت تدري فالمصيبة اعظم
 (اگر تم جانتے نہیں تو یہ مصیبت ہے اور جو جانتے ہوئے (ایسا کرتے ہو) تو پھر بہت
 ہی بڑی مصیبت ہے۔)

"داستان گو" صاحب کو اتنا بھی یاد نہ رہا کہ میں پہلے یہ لکھ آیا ہوں کہ
 "بہر حال عمر بن سعد اور شمر نے خاندان علی کی لاشوں کو اکٹھا کیا، ان کی
 نماز جنازہ ادا کی اور ان کو نہایت احترام کے ساتھ دفن کر دیا۔۔۔
 خاندان علی کے بچے کچے افراد و خواتین کو کوفہ لاکر آرام سے رکھا، جو لوگ زخمی
 ہو گئے تھے ان کا علاج کیا۔

کوفہ میں بعض شیعیان علی نے خفیہ طور سے ان حضرات سے ملاقات
 کی اپنی ہمدردیاں جتائیں، انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا

لے "داستان گو" کی اس افتراء پر دازی کی تفصیل معلوم کرنا ہو تو رسالہ اکابر صحابہ پر بہتان
 ملاحظہ فرمائیں۔

کہ مکہ چلے جائیں، لیکن حضرت حسین کے صاحبزادے زین العابدین نے
جنہیں زخمی کر کے کوئی سمجھتے تھے کہ مر چکے ہیں مگر خوش قسمتی سے زندہ بچ
گئے تھے اور اب کوفہ میں ابن زیاد، عمر بن سعد اور ثمر ذی الجوشن کی سر
پرستی و دیکھ بھال میں علاج کر رہے تھے۔ فرمایا

”میں تمہیں خدا کی قسم دیتا ہوں، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے
ہی میرے پدر بزرگوار کو خطوط لکھ کر اور فریب دے کر بلایا
اور ان سے جنگ کر کے انہیں مار دیا، اے خدا رو! اے
مکارو! میں ہرگز تمہارے فریب میں نہیں آؤں گا، ہرگز تمہارے
قول و قرار پر اعتبار نہیں کروں گا، میرے باپ اور میرے
اہل خانہ ابھی کل تمہارے مکر سے قتل ہوئے ہیں میں سے نہیں
بھول سکتا ہوں۔“ (شیعہ کتاب، جلد ۱، بیون باب ۱۵، فصل ۱۵)
یہی جواب سیدہ زینب نے دیا، آپ نے یہاں تک کہا
کہ تم ہمارے پاس گریہ و ماتم کرتے ہوئے آئے ہو حالانکہ تم نے
ہی ہمیں قتل کرایا ہے، جاؤ یہ مار کا وجہ اب رونے سے
زائل نہیں ہو سکتا۔ (شیعہ کتاب، جلد ۱، بیون باب ۱۵، فصل ۱۵)

”فاطمہ بنت حسین نے بھی یہی زجر و توبیخ کی“ (داستان کر بلا ص ۱۲، ۱۱، ۱۰)

”داستان گو“ صاحب اپنی بنائی ہوئی داستان پر غور کر کے ذرا یہ بتائیں کہ حضرت
زین العابدین، حضرت زینب اور حضرت فاطمہ بنت حسین رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس کوفہ میں
جو بعض شیعیان علی خفیہ طور سے ملاقات کے لیے آئے، اپنی ہمدردیاں جتائیں اور
انہیں شام جانے سے روکنا چاہا اور مشورہ دیا کہ چلے جائیں“ اور جن کے غلط مشورے
اور ہمدردیاں جتانے سے ان تینوں حضرات نے برہم ہو کر ان سے یہ گفتگو کی جو داستان گو

صاحب نے "جلار الیعون" کے حوالہ سے نقل کی ہے، کیا یہ وہی مرد ہے تھے جو دوبارہ زندہ ہو کر ان حضرات کے پاس آ گئے تھے جن کو بقول ان کے ابھی کل شام گھر گھیر کر اور پکڑ پکڑ کر عمر بنی سعد اور شمر ذی الجوشن اور ان کے لشکریوں نے قتل کر ڈالا تھا اور ان کے دستہ کے بعض سواروں نے ان کی لاشوں کو پامال بھی کیا تھا، تاکہ عبرت کا سامان بن جائیں، یعنی وہی ساٹھ کوئی "شہداء کربلا" (رحمہم اللہ تعالیٰ) کہ جن کو قاتل "گور" صاحب حضرت حسین اور ان کے اہل بیت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قاتل بتاتے ہیں یا یہ وہ لوگ تھے جو عید اللہ بن زیاد کے دباؤ میں آ کر عمر بن سعد کی کمان میں اور شمر کی معیت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے ہاتھاروں سے لڑنے آئے تھے اور جو واقعی حضرات "شہداء کربلا" کے اصل قاتل تھے اور اس لیے بجا طور پر زجر و توبیخ کے مستحق اور لعن طعن کے قابل تھے، اس لیے ان کو جتنی بھی سرزنش کی جاتی کم تھی۔

اب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اس تقریر کے اصل الفاظ بھی پڑھ لیجئے جس کو احمد حسین کمال نے مؤرخ طبری کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور اس پر غور کیجئے کہ یہ صاحب زیب داستان کے لیے صورت واقعہ کو مسخ کرنے میں کیسا کمال دکھاتے ہیں۔ تاریخ طبری کی عبارت درج ذیل ہے

لما قتل الحسين عليه السلام	جب حضرت حسین علیہ السلام قتل کر دیے گئے
قام ابن الزبير في اهل مكة	تو حضرت ابی زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اہل مکہ
وعظم مقتله وعاب اهل	مکہ کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر کی اور ان کے
الكوفة خاصة ولام اهل العراق	قتل کو بہت بڑا سانحہ قرار دیا، اہل کوفہ کا خصوصیت
عامة، فقال بعد ان حمد الله و	کے ساتھ عجب بتایا اور عمومی طور پر اہل عراق
اشنى عليه وصلى على محمد صلى	کو عمت کی، انھوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد
الله عليه وسلم ان اهل العراق	دُعا کرنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود

خُذْ فُجْرًا قَلِيلًا وَانْ اَهْل
 الْكُوفَةِ شَرَارَ اَهْلِ الْعِرَاقِ وَانْ هُمْ
 دَعَوْا حُسَيْنًا لِيَنْصُرُوهُ وَ يُولُوهُ
 عَلَيْهِمْ ، فَلَمَّا قَدِمَ عَلَيْهِ ثَارُوا
 اِلَيْهِ ، فَقَالُوا لَهُ اَمَا اَنْ تَضُمَّ يَدَكَ
 فِي اَيْدِيْنَا فَنُبْعَثَ بِكَ اِلَى ابْنِ زِيَادِ
 بِنِ سَمِيَّةٍ سَلَمًا قِيَمَضَى فَيْلَكَ
 حَكَمُهُ وَاَمَا اَنْ تَحَارِبَ ، فَرَأَى
 وَاللّٰهُ اَنَّهُ هُوَ وَاصْحَابُهُ قَلِيلٌ
 فِي كَثِيرٍ ، وَانْ عَانَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ
 لَمْ يُطْلَعْ عَلَى الْغَيْبِ اَحَدًا اَنَّهُ
 مُقْتُولٌ ، وَلَكِنَّهُ اخْتَارَ الْمَيْقِطَةَ
 الْكَرِيمَةَ عَلَى الْحَيَاةِ الذَّمِيمَةِ
 فَرَحِمَ اللّٰهُ حُسَيْنًا وَاعْزَى ،
 قَاتِلَ الْحُسَيْنِ ، لَعَنَ عَرِي لَقَدْ كَانَ
 مِنْ خِلَافِهِمْ اِيَّاهُ وَ
 غَضِبَانَهُمْ مَا عَانَ فِي
 مَثَلِهِمْ وَاعْظَمَ وَنَاءَ عَنْهُمْ
 وَ لَعَنَهُ مَا حَمَّ نَازِلٌ
 وَ اِذَا اَسْرَادَ اللّٰهُ اَمْرًا لَنْ
 يَدْفَعُ اَقْبَعُ الْحُسَيْنِ

بھیجنے کے بعد فرمایا کہ اہل عراق میں قلیل تعداد کو
 مستثنیٰ کر کے اکثر غدار اور بد کاریوں اور کوفہ والے
 تو اہل عراق کے بدترین لوگ ہیں ، انھوں نے
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے بلایا
 تھا کہ ان کی مدد کریں گے اور ان کو اپنا والی بنائیں
 گے ، پھر جب وہ ان کے پاس پہنچ گئے تو ان
 کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان سے مطالبہ
 کرنے لگے کہ یا تو آپ اپنا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں
 پکڑا دیں تاکہ ہم آپ کو گرفتار کر کے بھرت ابن
 زیاد بنی سیمہ کے پاس پہنچا دیں اور وہ اپنا حکم
 آپ پر چلائے ورنہ آپ جنگ کے لیے تیار
 رہیں ، سو بخدا حسین نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ان
 کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں آپ کی اور آپ کے
 اصحاب کی تعداد قلیل ہے اور گو اللہ عزوجل
 نے کسی کو غیب کی خبر نہ دی کہ وہ ضرور قتل ہو کر
 رہے گا ، تاہم آپ نے عزت کی موت کو ذلت
 کی زندگی پر ترجیح دی ، اللہ تعالیٰ حسین پر رحمت
 نازل فرمائے اور ان کے قاتل کو رسوا کرے
 بجا ان میں ان لوگوں نے حضرت حسین رضی اللہ
 عنہ جیسے شخص کی جس طرح سے مخالفت اور
 نافرمانی کی وہ ان کے طرز عمل سے نصیحت پکڑنے

نظمین الی هؤلاء القوم و
 نصدق قولهم و نقبل
 لهم عهداً ! لا و لا
 نراهم لذالعب اهلا
 اما والله لقد قتلوه ،
 طويلاً بالليل قيامه
 كثيراً في النهار صيامه
 احق بما هم فيه منهم
 و اولی به في الدين و
 الفضل ، اما والله ما
 كان يبدل بالقرآن
 القناء ولا بالبكار من خشية الله المدا ،
 ولا بالصيام شرب الحرام ، و لا
 بالمجالس في حلق الذكر
 الركض في تطلاب الصيد
 يعرض بيزيد فسوف
 يلقون غتاً .

(تاریخ الطبری ج -

ص ۴۴، ۴۵، ۴۶)

اور ان سے روکنے کے لیے کافی تھا لیکن جو تقدیر
 میں ہوتا ہے پورا ہو کر رہتا ہے اور جب اللہ
 تعالیٰ کسی معاملہ کا ارادہ فرما لیتے ہیں تو اس کو
 ہرگز ٹالا نہیں جاسکتا، سو کیا اب حسین کے بعد
 بھی اس حکمران قوم پر اطمینان کریں ان کے قول
 کی تصدیق کریں اور ان کے عہد کو قبول کریں نہیں
 نہیں ہم ان کو اس کا اہل نہیں سمجھتے، خدا کی قسم
 انھوں نے اس حسین کو قتل کیا جو رات کو دیر
 تک نمازوں میں کھڑے رہتے اور دن میں کثرت
 سے روزے رکھتے تھے اور جو اقتدار ان کو ملا
 ہے وہ اس کے ان سے زیادہ حقدار اور دین
 اور فضل کے اعتبار سے زیادہ مستحق تھے، بخدا
 وہ تلاوت قرآن کی بجائے گانے بجانے اور
 خوف الہی سے رونے کی بجائے لغو اور سرور
 کا شغل نہیں رکھتے تھے، نہ روزوں کی بجائے
 شراب خواہی میں مصروف رہتے تھے، نہ ذکر
 الہی کی مجالس کو چھوڑ کر شکار کی جستجو میں گھوڑے
 کو ایڑ لگایا کرتے تھے، یہ سب باتیں یزید پر ظن
 تمہیں ہنسویہ لوگ غنقریب (آخرت میں) خرابی
 دیکھیں گے۔“

اس تقریر کو پھر پڑھیے، یہ یزید اور اس کی کوئی فوج کا بیان ہو رہا ہے، یا حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھی ”شہداء کربلا“ کا، یہ شغل مے نوشی، یہ سیر و شکار کی مصروفیت، یہ نغمہ و سرود کے مشغلے کس کے کردار پر طعنے ہیں، کیا یزید کے کردار پر نہیں؟ جس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آمد کی خبر سن کر عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا گورنر بنایا اور پھر ابن زیاد نے کوفیوں کو ترغیب و تہییب سے حضرت ممدوح سے فدا داری پر آمادہ کیا اور عمر بن سعد کو سالار لشکر بنا کر آپ کے مقابلہ کے لیے روانہ کیا۔ اسی حکومت اور اس کے کارندوں کے بارے میں حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما یہ اعلان فرما رہے ہیں کہ ان لوگوں پر ہم کیونکر اطمینان کریں اور ان کی باتوں کو ہم کس طرح سچ جانیں اور ان کے حمد و پیمان پر کس طرح اعتماد ہو کہ انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی شخصیت کو تو شہید کر دیا اور یزید جیسے بدکردار کے تابع فرمان ہیں، کیا اس تقریر میں قتل حسین کی ذمہ داری یزید پر نہیں ڈالی گئی؟ مگر ”داستان گو“ صاحب داستان سمرانی میں مصروف اور افسانہ نویسی میں گم ہیں۔

یزید کی برارت کے سلسلہ میں داستان سمرانی (۶) حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سانحہ

شہادت پر یزید اور یزیدی حکومت کے خلاف آپ کے یوم شہادت سے لے کر آج تک جو احتجاج ہوا اس سے پوری اسلامی دنیا کا بچہ بچہ واقف ہے مگر ”داستان گو“ صاحب ابھی تک اس سے انجان بنے یہی تحریر فرماتے ہیں

”اس وقت کی پوری اسلامی دنیا نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا تھا، چنانچہ جن لوگوں اور گروہوں نے اس زمانہ میں کسی وجہ سے خلافت کے خلاف بغاوت کی، ان میں سے کسی نے بھی خلیفہ یا اس کے عمال پر حضرت حسینؑ کے قتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی۔“ (داستان کربلا ص ۲۵)

حالانکہ خود بدولت ہی اپنے پہلے کتابچہ ”حضرت عثمان کی شہادت کیوں اور کیسے؟“

میں یہ تحریر فرما چکے ہیں کہ

”حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کی دینی، سیاسی اور تاریخی عظمت سجا اور ان کے عظیم ترین کارنامے و فتوحات تسلیم، لیکن حضرت عثمانؓ نے خلیفہ ثانی حضرت عمرؓ کی شہادت کے جس سازشہ پس منظر میں خلافت کا عہدہ سنبھالا تھا اور اندرونی طور پر حضرت عمرؓ کے صاحبزادہ حضرت عبید اللہ کے قتل کرنے کے اندرونی دباؤ اور مطالبہ سے دوچار ہونا پڑا تھا، جس کے مان لینے سے امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو سکتی تھی، جیسا کہ واقعہ قتل حسین کے بعد ہو گئی“ (ص ۳۰)

تعب ہے کہ یہ مان لینے کے بعد بھی کہ
”واقعہ قتل حسین کے بعد امت مسلمہ فوراً دو ٹکڑوں میں بٹ کر مستقل باہمی تصادم میں مبتلا ہو گئی“

داستان کربلا کہنے بیٹھے تو سب کچھ فراموش کر کے بالکل اسجان بن گئے سچ ہے دروغ گو را حافظہ نباشد

اب ذرا کمال صاحب اپنے حافظہ پر زور ڈال کر سوچیں کہ امت یزید اور اس کے بد اعمال عمال حکومت کے خلاف ہو گئی ہے یا ان ساٹھ کو فی ”شہداء کربلا“ کے کہ جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رفاقت میں درجہ شہادت پر فائز ہو کر داخل جنت ہوئے۔
خاندان حسینی کے وظائف مقرر کرنے کا افسانہ (۷) اور ”داستان گو“ صاحب نے جو یہ بات

بڑے مزے لے لے کر بیان کی ہے کہ

”خلیفہ یزید نے اپنے والد حضرت معاویہؓ کے طریقہ کے مطابق حضرت حمزہ کے صاحبزادے علی المعروف زین العابدین اور دوسرے افراد

خاندان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات نہایت اطمینان و آرام کے ساتھ کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔
(”داستان کربلا“ ص ۱۲)

اگر یہ بات صحیح ہے تو ”داستان گو“ صاحب ذرا بتائیں کہ یہ پیش بہا وظیفے یزید نے اپنی ذاتی اور خاندانی جاگیر سے مقرر کیے تھے یا حکومت کے بیت المال سے، اگر بیت المال سے مقرر کیے تھے تو حضرت زین العابدین اور دوسرے افراد خاندان ان بیش بہا وظیفوں کے مستحق بھی تھے یا نہیں، اگر مستحق تھے تو پہلے سے کیوں مقرر نہیں کیے اور اگر غیر مستحق تھے تو یزید کو مسلمانوں کے بیت المال میں بے جا تصرف کرنے کا کیا حق حاصل تھا جو اس نے اپنی طرف سے ان کے بیش بہا وظیفے مقرر کر دیے اور یہ حضرات کئی پشتوں تک ان وظائف پر زندگی بسر کرتے رہے۔

یزید کی جانشینی کی نرالی توجہ (۸) ”داستان گو“ صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بارے میں یہ داستان

گڑھنے کے بعد اس کے پس منظر میں واقعات کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ ”حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔

چونکہ مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل تھا اور اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہو اس کا بیٹا ہو یا اس کے خاندان کا کوئی فرد ہو یزید بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے

نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دئے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنا دیا تھا، اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کے امیرزید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی

اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؑ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آکر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورت حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ

”میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے

درپے ہوں“ (اخبار الطوال)

سنہ ۴۰ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیرزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت حسین کو بلایا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ

”مجمع عام میں بیعت کی جائے، وہیں میں بھی بیعت کر لوں گا“

(طبری۔ اخبار الطوال)

لیکن دوسرے دن آپ مکہ کے لیے روانہ ہو گئے، آپ کے ہمراہ آپ کی ہمیشہ گان ام کلثوم، زینب، آپ کے برادران ابوبکر، جعفر اور عباس اور آپ کے برادر زادگان یعنی فرزندان حضرت حسن بھی تھے، البتہ آپ کے

ایک بھائی محمد بن حنفیہ اور بہت سے اہل خاندان ساتھ نہیں گئے، مدینہ کے کوفہ اور حکام نے کوئی قرض نہیں کیا اور حضرت حسین کو ان کے اہل خانہ کے ساتھ مکہ چلے جانے دیا، راستہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پوچھا کہاں جا رہے ہو۔ جواب دیا مکہ جا رہا ہوں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعیان علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؟ ان لوگوں نے آپ کے والد اور آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اُسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا۔ (اخبار الطوال)

کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں تو انہوں نے سلیمان بن صرد کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیح ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہے نکال دیں گے“

حضرت حسین کے پاس صبح یہ دونوں قاصد پہنچے اور شام کو مزید دو قاصد پہنچے۔ پچاس پچاس خطوط جن پر دو دو چار چار اشخاص کے دستخط تھے لے کر پہنچ گئے مضمون ایک ہی تھا کہ کوفہ تشریف لائیے اور بیعت لیجئے، غرضیکہ ہر روز صبح و شام کوفہ سے آنے والے قاصدوں کا تانا بندا ہوا، حضرت حسین نے ان تمام خطوط کو بحفاظت رکھا اور اپنے بھائی مسلم بن عقیل کے ذریعہ ایک خط اہل کوفہ کے نام جواب میں بھیجا کہ ان آمدہ خطوط کی تصدیق ہو جائے۔ (اخبار الطوال)

بعد کے واقعات اور انجام آپ شروع میں پڑھ چکے ہیں (استانِ کربلا ص ۲۴ تا ۲۸)

”داستان گو“ صاحب کو ایک ہی سانس میں متضاد باتیں کرنے میں ذرا باک نہیں چنانچہ جہاں وہ یہ فرما رہے ہیں کہ

”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق کے دعویٰ نے نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات معدوم کر دیے تھے اور منصب خلافت کو ایک نزاعی امر بنایا تھا (ص ۲۱)

اسی کے ساتھ بلا توقف یہ بھی ارشاد ہو رہا ہے کہ

”اس لیے حضرت معاویہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دینا مناسب خیال فرمایا اور اس وقت زندہ تمام اصحاب رسول و ازواج رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورہ اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کر کے امیر زید کی ولی عہدی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۱)

نیز یہ کہ حضرت معاویہ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو اپنی وفات سے پیشتر مسلمانوں اور اہل مدینہ سے مشورہ و استصواب رائے کر کے اپنے بیٹے زید کی جانشینی کی بیعت عام لے لی“ (ص ۲۰ و ۲۱)

ناظرین! جائے غور ہے جب بقول ان کے ”نئے خلیفہ کے مشورہ عام سے منتخب ہونے کے امکانات ہی معدوم تھے“ تو یہ ”ان ہوں“ کیسے ہوئی اور زید کے بارے میں استصواب عام کیوں کر ممکن ہوا؟ ایسی صورت میں اصحاب رسول و ازواج رسول (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور پوری مملکت کے عوام سے استصواب کی آخر کیا صورت ہوئی؟ اور اگر استصواب عام ممکن تھا جیسا کہ بقول ”داستان گو“ کے زید کی بیعت کے سلسلہ میں ہوا بھی بلکہ زید کے مرجانے پر بھی اس کے بیٹے معاویہ نے خلافت کا مسئلہ استصواب ہی پر رکھا، چنانچہ خود ”داستان گو“ کا بیان ہے کہ

تعجب ہے کہ آپ کے مدد و ح یزید کی ولی عہدی کے بارے میں تو اہل عجم کا اتنا خیال رکھا جائے، مگر ”مجلس حضرت عثمان غنی“ الیٰ ہی ”اہل عجم“ کے اتنے خلاف ہو کہ ان کے کفر و زندہ و نفاق کے اثرات کو زائل کرنے کے لیے اس کا قیام عمل میں لائے چنانچہ ”داستان کربلا“ کے آخر میں مجلس کے تعارف اور پروگرام کے سلسلہ میں جو کچھ بیان کیا گیا وہ یہ ہے کہ

”چونکہ اولین اہل قلم عموماً انہیں عجمی اقوام میں سے ہوئے ہیں جن کی شوکت و حکومت اور چودھراہٹ مخالفت اسلام کے سبب الیٰ ہی مقدس صحابہ کرام کے ایمان عزم و ہمت اور فطرتی ہاتھوں پیوند خاک ہوئیں بنا بریں انھوں نے اپنے کفر و زندہ اور جذبہ انتقام کو نفاق کی خوشنما چادر میں چھپا کر صدر اول کی تاریخ کو اس طرح مسخ کیا کہ ان اکابر صحابہ اور محدثین امت کے حسین کردار اور حقیقی خد و خال پر مفتریات و کمذوبات کی گہری تہیں بیٹھ گئیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل زندگی منظور نظر اور اسلام کی ریڑھ کی ہڈی کہنا چاہیے۔“ الخ (ص ۳۰، ۳۱)

اب خود ہی سوچ لیجئے کہ کیا انہی اولین اہل عجم کی خوشنودی کے لیے ”یزید“ کی ولی عہدی کی بیعت لی گئی تھی؟ اور کیا الیٰ ہی کی اطاعت کی خاطر ان کے رسم و رواج کو اپنایا گیا تھا، خوب جناب نے یزید کی ولی عہدی کی تحقیق کا حق ادا کیا۔

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

(۱۰) یہاں یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ پہلے ”داستان گو“ صاحب اس بات پر طنز کر چکے ہیں کہ

”حضرت علی کی وفات اور تدفین کے بعد لوگ حضرت حسن کے پاس مسجد میں

جمع ہو گئے اور ان کی بیعت کی“ (داستان کربلا ص ۱۷)

چنانچہ ان کے الفاظ ہیں کہ

”حضرت علیؑ کے بعد ان شیعیان نے حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے

حضرت حسن کو ان کا جانشین خلیفہ بنا کر باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی

کی رسم قائم کی“ (دستاویز کربلا ص ۱۵)

غور فرمائیے! یزید کی ولی عہدی کے لئے تو توجہیں گڑھی جاتی ہیں اور حضرت حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولی عہدی پر طنز کیا جاتا ہے، حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

اگر حضرات صحابہ و تابعین برضا و رغبت بیعت کر لیں اور تمام اہل سنت والجماعہ بلا اختلاف

ان کو خلیفہ راشد مان لیں، تو یہ بات قابلِ نکیر ہے کہ باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم

قائم ہوتی ہے، لیکن اگر یزید کو اپنے باپ کی ہی زندگی میں ولی عہد بنا دیا جائے تو لائقِ تحسین

ہے، قرینِ مصلحت ہے، کیونکہ ”مجلس عثمان غنی“ کے شیعیان اموی کی نظر میں ایسی صورت

میں باپ کے بعد بیٹے کی ولی عہدی کی رسم یا تو سرے سے وقوع پذیر ہی نہیں ہوتی

یا پھر من صواب ہے پھر یہ کہنا بھی غلط کہ ”ولی عہدی کی رسم قائم کی“

ولی عہد اور خلیفہ میں جو فرق ہے سب کو معلوم ہے ”دستاویز گو“ صاحب کو علم

نہ ہو تو اور بات ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر حضرت حسن رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو کسی کا ”ولی عہد“ نہیں بنایا گیا تھا بلکہ حضرت مدوح سے عارضی نے بیعت

خلافت کی تھی اور باتفاق اہل سنت و جماعت جب تک کہ آپ نے عہدہ حکومت

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تفویض نہیں کیا آپ کا شمار خلفاء راشدین میں ہے

آپ کا زمانہ ولی عہدی تو اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ امیر معاویہ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کو آپ نے زمام حکومت سونپی اور اس وقت آپ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے ولی عہد نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ولی عہد تھے، یزید کی ولی عہدی

کا مسئلہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد اٹھا ہے، اب ہم پوچھنا چاہتے

ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات اور یزید کی ولیعهدی کی بیعت کے دوران
 جتنا عرصہ گزرا اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد حکومت میں آخر بادشاہی
 وہ کوئی فتوحات ہوئیں جن کی بنا پر مملکت اسلامیہ کا بہت بڑا حصہ بلکہ غالب اکثریت
 والا حصہ اب بلادِ عجم پر مشتمل ہو گیا؟ جو اس سے پہلے نہ تھا۔ نیز اگر یہ بات صحیح ہے
 کہ ”اہل عجم اسی حکمران کی اطاعت کرتے تھے جو حکمران کے خاندان کا ہوا، اس کا بیٹا ہو
 یا اس کے خاندان کا فرد ہو“ تو اس میں یزید بن معاویہ ہی کی کیا خصوصیت تھی؟ کیا خلفاء
 راشدین حضرات ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اولاد امجاد حکمرانوں کی
 اولاد نہ تھی؟ کیا تاریخ اسلام میں بس پہلے حکمران حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 ہی ہوئے ہیں؟ مزید یہ کہ ”داستان گو“ صاحب تو یزید کے بعد مرغان ہی کو خلیفہ
 مانتے ہیں کیا مردان کے والد بزرگوار حکم بھی کبھی کسی زمانہ میں عالم اسلام کے حکمران رہے
 تھے؟ عوام کو اس طرح گمراہ کرنے سے فائدہ!

بنی ہاشم پر افتراء (۱۱) اور جناب نے بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی
طرف جو خلافت کے استحقاق کے ادعا کا دعویٰ فسوب

کیا ہے، اس کا تاریخی ثبوت کیا ہے؟ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکمرانی سے
 پہلے بنی ہاشم میں دو خلیفہ ہوئے ہیں، ایک حضرت علی دوسرے ان کے صاحبزادے
 حضرت حسن (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) اور دونوں کا انتخاب خلافت کے لیے ارباب
 حل و عقد نے کیا تھا، ان میں سے خود کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ نہیں کیا
 اور دونوں اہل سنت کے نزدیک خلیفہ راشد ہیں، ان دونوں کے علاوہ یزید کی ولیعهدی
 کے زمانہ تک بنو ہاشم میں سے کسی نے بھی استحقاق خلافت کا دعویٰ کیا ہو تو ذرا اس
 کا نام تو بتائیے! خلفاء راشدین کے بارے میں غلط بیانی سے کوئی فائدہ! نیز بالقرض
 یہ مان بھی لیا جائے کہ ”بنی ہاشم اور ان کے حامیوں کی طرف سے خلافت کے استحقاق

کا دعویٰ کیا گیا، تو اس سے کوئی قیامت ٹوٹ پڑی، خلافت کا حق قریش کے لیے نص سے ثابت ہے کیا بنی ہاشم جو خاندان نبوت سے تعلق رکھتے ہیں قریش سے خارج ہیں۔ کیا خلافت قریش کے تمام خاندانوں میں صرف بنی امیہ ہی کے لیے الاٹ کر دی گئی تھی، اور بنی امیہ میں بھی صرف بنو حرب کے لیے جو یزید کی ولی جہدی ضروری ٹھہری؟ وہیے بھی بنو ہاشم کے بارے میں تو جناب کی معلومات قابلِ داد ہیں کہ آپ نے حضرت عبید اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی ”شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے“ میں جو نام بنی ہاشم میں شمار کیا ہے (ص ۳۱) حالانکہ وہ قطعاً ہاشمی نہیں۔ بلکہ قریشی اسدی ہیں ہاں یہ صحیح ہے کہ روافض خلافت کو بنی فاطمہ کا حق سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل بعض نو اصحاب بنی امیہ کا، چنانچہ علامہ ابن حزم نے ”الفصل“ میں لکھا ہے، کہ ہمارے علم میں یہ بات آئی ہے کہ اردن میں ایک شخص نے جو اس امر کا قائل تھا کہ منصب خلافت پر فائز ہونا امیہ کے علاوہ اور کسی کے لیے روا نہیں اس موضوع پر ایک مستقل مایع بھی مدون کی ہے۔ (ج ۲ ص ۹۰)

حضرت حسین کے بارے میں افسانہ تراشی (۱۲) اور داستان گو“ نے جو یہ لکھا ہے کہ

”اس دوران کوفہ میں رہنے والے قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے، حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتِ حال پر متنبہ کیا تو حضرت حسین نے جواب میں لکھا کہ میں نہ آپ سے لڑنا چاہتا ہوں اور نہ آپ کی مخالفت کے پلے ہوں“

سو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں تو ان کو یہ افسانہ تراشا ہی چاہیے کہ قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا کیونکہ وہ نہ صرف حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے برادر بزرگوار حضرت حسن اور ان دونوں کے والد ماجد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں ملوث کرنا چاہتے ہیں، مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب وہ خود یہ لکھ رہے ہیں کہ یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ :-

”حضرت حسن فوت ہو چکے تھے“ اور ان کی وفات ۳۹ھ یا ۳۸ھ میں ہوئی ہے اور اسی ”داستان کربلا“ میں ان کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ :-

”امر خلافت جو حضرت عثمان کی شہادت کے بعد ۳۵ھ کے آخر سے معطل ہو گیا تھا اور مسلمان دو حصوں میں بٹ گئے تھے، حضرت حسن کے اس اقدام سے (کہ انھوں نے حضرت معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی) ۳۶ھ کے شروع میں ۵ سال بعد پھر بحال ہو گیا اور امت ایک ہی خلیفہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سربراہی میں متحد ہو گئی“ (ص ۱۹)

غرض ۳۶ھ سے لے کر ۳۹ھ یا ۳۸ھ تک پورے نو، دس برس حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام قلمرو اسلامی کے بلا شرکت غیر سے مطلق فرمانروا تھے اور اس لیے ”داستان گو“ ہی کے قول کے مطابق اس وقت

۱۔ کیونکہ شیعان مروان ”مجلس عثمان غنی“ نے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد سے ان کے عقیدہ کے مطابق امر خلافت معطل رہا۔

”حضرت معاویہ قاتلین عثمان..... اور فتنہ بازوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر کیفر کردار تک پہنچانے لگے۔“
(ص ۲۰)

پھر ”قاتلین عثمان“ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گرفت سے کیونکر بچ گئے شاید وہ یہ جواب دیں کہ

”حضرت معاویہ کے در سے قاتلوں کے بہت سے ساتھی روپوش ہو گئے۔“
(”داستان کربلا“ ص ۲۰)

تو پھر بھی یہ سوال اپنی جگہ باقی رہے گا کہ خود ان کے ہی لکھنے کے مطابق ”کوفہ میں رہنے والے“ قاتلان عثمان کے گروہ کے افراد نے حضرت حسین سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ حضرت معاویہ کو ان باتوں کا پتہ چلا تو آپ نے حضرت حسین کو خط لکھ کر اس صورتحال پر متنبہ کیا الخ

آخر حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس معاملہ میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو کیوں متنبہ کیا؟ جب ان کو ان باتوں کا پتہ چل گیا تھا تو پھر ان قاتلان عثمان کو کیوں کیفر کردار تک نہ پہنچایا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بھسری۔ ”داستان گو“ صاحب جھوٹ سے بات کہیں بنا کرتی ہے! معاملہ اور الجھ جاتا ہے!

غلط حوالہ دینے کی تو ”داستان گو“ صاحب سے شکایت ہی کیا، وہ تو ان کی پرانی عادت ہی بنے بھری کے حوالوں کی تفتیح ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے کہ ”داستان گو“ صاحب نے کس طرح سچ میں جھوٹ ملا کر صورت کو مسخ کیا ہے، یہاں بھی وہی کارروائی فرمائی اور ان اشراف کوفہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہور حلیل القدر صہابی حضرت جبر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو جبر بن الادبر، جبر الخیر کے نام سے معروف ہیں) کے قتل کیے جانے کی خبر لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تھے، ”قاتلان عثمان“ کی تہمت لگا دی ہے، حضرت جبر بن عدی

رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان اشرف کو ذکا قتل عثمان سے کوئی دور کا بھی تعلق نہیں، یہ سب
 ”داستان گو“ صاحب کی بنائی ہوئی بات ہے، اہل علم ”الاجار الطوال“ سے جس کا
 ”داستان گو“ صاحب نے حوالہ دیا ہے مراجعت کر کے دیکھ سکتے ہیں۔

حضرت حسین کو مطلع کرنا (۱۳) اور بیعت یزید کے سلسلہ میں جو ”داستان گو“

صاحب کا یہ بیان ہے کہ

”تہ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی، آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے

اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی، مدینہ میں جب بیعت لینا شروع ہوا اور حضرت

حسینؑ کو بلا یا گیا تو آپ نے مدینہ کے گورنر سے کہا کہ ”مجمع عام میں بیعت لی جائے

میں بھی وہیں بیعت کر لوں گا“ (طبری - اخبار الطوال)

”لیکن دوسرے دن آپ کہہ کے لیے روانہ ہو گئے“ (ص ۲۲)

اس کا مقصد حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غلط گوئی اور وہودہ غلطی سے متہم کرنا

ہے ”تاریخ طبری“ اور ”الاجار الطوال“ میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے گورنر مدینہ سے یہ کہا ہو کہ ”میں بیعت کر لوں گا“ یہ بات ”داستان گو“ صاحب نے

اپنے جی سے بنائی ہے، واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تو اس کو

سب سے پہلے اس بات کی فکر تھی کہ ان لوگوں سے کس طرح بٹا جائے، جنہوں نے

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی ہی میں یزید کی ولیعهدی کو قبول کرنے سے انکار کر

دیا تھا، چنانچہ فوراً ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کے نام جو اس وقت مدینہ کا گورنر تھا ایک

چھوٹے سے پرچہ پر جو بقول مؤرخ طبری ”چو ہم کے کان“ کے برابر تھا (کانہما اذن فادۃ)

یہ فرمان لکھ کر بھیجا

اما بعد بیعت کے سلسلہ میں، حسین عہد اللہ

اما بعد فخذ حسیناً و عبد اللہ

بنی عمر اور عبد اللہ بن زبیر کو پوری سختی کے

بن عمرو عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة

ساتھ پکڑو اور جب تک یہ لوگ بیعت نہ کریں

اخذاً شدیداً لست فیہ رخصة

حتی یایعوا والسلام - انہیں رخصت نہ ملنے پائے

(تاریخ الطبری ص ۳۸۳) والسلام

ولید کو زید کا یہ حکم ملا تو وہ فتنہ کے خوف سے گھبرا گیا، مروان اور ولید میں ان بنی تھی، لیکن معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر اس نے مروان کو مشورہ کے لیے طلب کیا اس شقی نے آتے ہی جو مشورہ دیا وہ سننے کے قابل ہے۔

علیک بالحسین بن علی وعبد اللہ بن الزبیر، فابعث الیہما المساعدة فان یایعوا ولا فاضربا عناقہما قبل ان یعلن الخبر

تم پر لازم ہے کہ اسی وقت حسین بن علی اور عبد اللہ بن زبیر کو بلوا لو اگر وہ دونوں بیعت کر لیں تو خیر ورنہ دونوں کی گروہیں مار دو، یہ کام معادیہ کی خبر مرگ کے

(اخبار الطوال ص ۲۲۷) اعلان سے پہلے پہلے ہو جانا چاہیے۔

ولید نے مروان کے مشورہ کے مطابق عبد اللہ بن عمرو بن عثمان کو ان دونوں حضرات کو بلانے کے لیے بھیج دیا، جو اس وقت مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، ولید کا پیام پہنچا تو ان حضرات نے عبد اللہ سے فرمایا تم چلو ہم آتے ہیں، وہ چلا گیا تو حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ”اس بے وقت کی طلبی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ

لے ابو صفیہ دینوری کے الفاظ میں ظہور ذلک علی الولید فقطع بہ وخاف الفتنۃ (اخبار الطوال ص ۲۲۷) جب ولید کے پاس یہ حکم پہنچا تو وہ گھبرا گیا اور اسے فتنہ کا اندیشہ ہوا۔

اسے یہ بھی واضح رہے کہ حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جنگ جمل میں مروان کی جانب بخشی کی تھی۔ اس ناسپاس نے اس کا یہ بدلہ دیا۔

”میرا گناہ ہے کہ معاویہ کا انتقال ہو گیا اس لیے بیعت کے لیے ہمیں بلا بھیجا ہے“ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر کہا ”میں بھی یہی سمجھتا ہوں“ اس گفتگو کے بعد دونوں حضرات اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ گھر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے غلاموں اور موالیٰ کو جمع کر کے ”دارالامارۃ“ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر ان کو ہدایت کی کہ دروازہ پر ٹھہرے رہو اور اگر اندر سے میری آواز سلو تو ”دارالامارۃ“ میں گھس جانا یہ فرما کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اندر تشریف لائے، ولید نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کی خبر سنا کر یزید کا فرمان دکھایا اور اس کی بیعت کے لیے کہا، اس پر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعزیت کے بعد فرمایا کہ

أَمَّا سَأَلْتَنِي مِنَ الْبَيْعَةِ فَاِنْ
مِثْلِي لَا يُعْطَى بِبَيْعَتِهِ سِرًّا
وَلَا اِرَاكَ تَجْزِي بِهَا مَنِي
سِرًّا دُونَ اَنْ تَطْهَرَهَا مَلِي
رُؤْسُ النَّاسِ عَلَانِيَةً۔

بیعت کے بارے میں جو تم نے مجھ سے کہا
ہے تو مجھ جیسا آدمی خفیہ بیعت نہیں کیا کرتا
اور میں سمجھتا ہوں کہ تم بھی میری خفیہ بیعت کو
کافی نہیں سمجھتے جب تک کہ تم برملا لوگوں
کے سامنے اس کا اظہار نہ کرو۔

ولید نے کہا اجل (ہاں ہاں)۔ اس پر آپ نے اس سے فرمایا۔

فَاذْخَرْتُ جِثَّتِ اِلَى النَّاسِ وَدَعَوْتُهُمْ اِلَى
الْبَيْعَةِ دَعْوَتًا مَعَ النَّاسِ فَكَانَ امْرًا
وَاحِدًا (تاریخ الطبری ج ۵ ص ۴۲۹، ۴۳۰)

ساتھ ہی بلا لینا، تاکہ معاملہ یکساں رہے۔
اس عبارت میں کوئی لفظ ایسا نہیں کہ جس کا ترجمہ یہ ہو کہ ”میں بیعت کر لوں گا“
بلکہ آپ معاملہ کو لوگوں کے اجتماع پر لانا چاہتے ہیں، پھر ابھی بیعت لینا شروع نہیں
ہوا۔ جیسا کہ ”داستان گو“ صاحب نے لکھا ہے بلکہ آپ کو بے وقت بلوا کر خفیہ
طور پر بیعت لینے کے لیے زور ڈالا جا رہا تھا، جس سے آپ نے حکمت عملی کے ساتھ

پہلو تہی فرمائی، بہر حال حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ولید کو قائل کیا تو اس نے آپ کو ”دار الامارۃ“ سے جانے کی اجازت دے دی، اس پر مروان نے پھر ولید سے کہا

واللہ ان فارقک الساعة خدا کی قسم اگر یہ اس وقت بغیر بیعت کیے
ولم یبایع لا قدرت منہ تیرے پاس سے چلے گئے تو پھر کبھی بھی تو ان
علی مثلہا ابدا حتی تکثر سے بیعت لینے پر اس وقت تک قادر نہ ہو
القتلی بینکم و بینہ اجس سکے گا جب تک کہ تمہارے اور ان کے مابین
الرجل، ولا یخرج من کثرت سے لوگ قتل نہ ہو جائیں اس شخص کو
عندک حتی یبایع او تضرب کو قید کر اور جب تک کہ یہ بیعت نہ کر لے یا
عنقہ۔ اس کا سر نہ قلم کر دیا جائے، یہ تیرے پاس

(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰) سے نکلنے نہ پائے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جیسے ہی مروان کی زبان سے یہ سنا گو دگر اٹھ کھڑے ہوئے اور یہ فرماتے ہوئے باہر نکل آئے کہ

یا ابن الزرقاء انت اور زرقاد (مروان کی ماں کا لقب) کے بچے تو
تقلنی ام ہو؟ کذبت مجھے قتل کرے گا یا یہ، خدا کی قسم تو جھوٹ بکتا
واللہ واثمت۔ ہے اور گناہ اپنے سر لیا ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح صحیح سلامت نکل جانے پر مروان بڑا برہم ہوا اور ولید سے کہنے لگا۔

عصیتی، لا واللہ لا تو نے میری بات نہ مانی، خدا کی قسم اب وہ
یمکنک من مثلہا کبھی تجھ کو اس بارے میں اپنے اوپر قابو
من نفسہ ابدا۔ نہیں دس گے۔

ولید نے مروان سے کہا ”مروان یہ زہر تو بیخ کسی اور کو کر تو میرے لیے وہ بات پسند کر رہا ہے جس میں میرے دیہی کی سراسر بربادی ہے

واللہ ما احب ان لی ما طلعت
علیہ الشمس و غربت عنہ من
مال الدنیا و ملکھا، وانی قلت
حسیناً، سبحان اللہ! اقل حسیناً
ان قال لا ابا یعر! واللہ انی لا ظن
امراً یحاسب بدم الحسین لضعیف
المیزان عند اللہ یوہ القیامۃ
(تاریخ الطبری ج ۵ ص ۳۴۰)

خدا کی قسم حسینؑ کے قتل کے عوض اگر مجھ کو مشرق
و مغرب میں تمام دنیا کا مال اور اس کی سلطنت
بھی ملے تو پسند نہیں، سبحان اللہ! کیا میں
حسین کو صرف اس لیے قتل کر ڈالوں کہ وہ
کہتے ہیں ”میں بیعت نہیں کرتا“ بخدا مجھے
یقین ہے کہ جس شخص سے قیامت کے دن
اللہ تعالیٰ کے حضور میں حسین کے خون کا حساب
لیا جائے گا، میزان میں اس کا پلہ ہلکا ہو گا۔

اس پر مروان جھلا کر بولا، اچھا تمہاری یہی رائے ہے تو پھر تم نے ٹھیک کیا۔ یہ
ہے اس واقعہ کی تفصیل جو تاریخ طبری سے نقل کی گئی۔ ”الاجبار الطوال“ اور ”تاریخ طبری“
دونوں کا مضمون واحد ہے، فرق ہے تو بس اجمال و تفصیل کا۔ مورخ دینوری نے
بیان واقعہ میں اجمال سے کام لیا ہے اور مورخ طبری نے تفصیل سے، مگر ”داستان گو“
صاحب کو پوری داستان میں پس آنا ہی یاد ہے جو ان کی قلم سے نکلا اور پھر زیب
داستانی کے لیے دونوں کتابوں کے حوالے سے واقعہ کا وہ المناقشہ کھینچا ہے جس
سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذمہ کا پہلو عیاں ہو کیونکہ انہیں یزید و مروان سے
عقیدت ہے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیر۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت کو ”بیعت ضلالت“ سمجھتے تھے
اس لیے وہ اس سے کیوں بیعت کرتے چنانچہ امام ابن حزم ظاہری، ”الفصل فی الملل والاہوار
والنحل میں فرماتے ہیں

رأى انها بيعة ضلالة حضرت حسين رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے میں
(ج ۲۰ ص ۱۰۵ طبع ۱۳۲۱ھ) یزید کی بیعت ”بیعت ضلالت“ تھی۔
اور اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

انما انکر من انکر من الصحابة رضی صحابہ اور تابعین رضوان اللہ علیہم میں سے
اللہ عنہم ومن التابعین بیعة یزید بن جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید
معاویہ والولید وسلیمان لانہم عاؤا سلیمان کی بیعت سے انکار کیا وہ اس
غیر مرخصین (ج ۲۰ ص ۱۶۹) لیے کیا کہ یہ اچھے لوگ نہ تھے۔

”داستان گو“ صاحب نے مؤرخ طبری کے حوالے سے جو کچھ نقل کیا ہے اس
کی تنقیح کے سلسلہ میں یزید کے برے کردار پر روشنی ڈالی جا چکی ہے، اس پر دوبارہ نظر
ڈال لیجئے معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نے اس کے بارے میں کیا اظہار خیال فرمایا ہے،
حافظ ابن حزم اندلسی نے بھی اپنی مشہور کتاب ”جمہرة الثاب العرب“ میں یزید کے
کردار پر نہایت مختصر مگر جامع تبصرہ کیا ہے، جو ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے درج ذیل
ہے فرماتے ہیں۔

ویزید امیر المؤمنین وہان قبیح اور یرمیا میر المؤمنین جس کے اسلام میں برے

۱۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی حجۃ اللہ البالغہ میں یزید کو داعیان ضلال ہی میں شمار کیا ہے
چنانچہ ان کے الفاظ ہیں ودعاة الضلال یزید بالشام وخبّار العراق (ج ۲۰ ص ۲۱۳) اور کتاب کے آخر
میں فرماتے ہیں ومن القرون الفاضلة اتقا قامن هو منافق او فاسق ومنها الحجاج
ویزید بن معاویہ ومنختار داور قرون فاضلہ میں بھی باجماع ایسے افراد ہو گزرے
ہیں جو منافق یا فاسق تھے جیسے کہ حجاج، یزید بن معاویہ اور مختار تھے،

الانذار في الاسلام، قتل اهل
 المدينة وافاضل الناس وبقية
 الصحابة، رضي الله عنهم. يوم الحرة
 في آخر دولته، وقاتل الحسين رضي
 الله عنه واهل بيته في اول دولته
 وحاصر ابن الزبير رضي الله عنه
 في المسجد الحرام و استخف
 بجرمة الكعبة والاسلام فاماته
 الله في تلك الايام، وقد كان
 غزافي ايام ابيه القسطنطينية
 ومحاصرها (ص ۱۱۲ طبع مصر ۱۳۸۲ھ)
 محاصره بھی کیا تھا

واضح رہے کہ ”بھیرۃ الناب العرب“ ”خلافت معاویہ ویزید“ میں محمود احمد عباسی
 کا بڑا اہم ماخذ ہے، عباسی صاحب نے بنو ہاشم وبنو امیہ کی باہمی قربتوں کو بیان کرتے
 ہوئے اکثر اسی کتاب کا حوالہ دیا ہے، امام ابن خزم نے صاف تصریح کی ہے کہ حضرت
 حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصل قاتل یزید ہے کہ اسی کے حکم پر، ان کی شہادت محل میں
 آئی اس دور کے ناصبی اب یزید کو خون حسین سے بری کرنے کے لیے ہاتھ پیر مار رہے
 ہیں اور طرح طرح کی افتراء پر دازی میں مشغول ہیں۔

کتاب کا غلط حوالہ (۱۴) اور ”داستان گو“ صاحب نے ”الاخبار الطوال“

کے حوالہ سے جو یہ ارقام فرمایا ہے کہ

ستہ میں حضرت عبداللہ بن عباس نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ جواب

ہے، حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا کہ کہیں کوفہ کے شیعان

علی کے پاس تو نہیں جا رہے ہو؛ ان لوگوں نے آپ کے والد ادا آپ کے بھائی کے ساتھ جو سلوک کیا اسے یاد رکھیے اور ان کے فریب میں نہ آئیے گا
(اخبار الطوال) (۱۰) (استان کربلا ص ۲۳)

وہ الاخبار الطوال میں کہاں ہے تصحیح نقل کرنا چاہیے، ہمارے پیش نظر الاخبار الطوال کا جدید طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۴۰ء میں قاہرہ سے شائع ہوا اور عبدالنعم عامر نے متعدد قدیم نسخوں سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح کی ہے اگر ”داستان گو“ صاحب کو اپنے دعویٰ کی صحت پر اب بھی اصرار ہو تو اصل عربی عبارت پیش کی جائے۔
صحابی رسول حضرت سلیمان بن صردی طعن (۱۵) اور یہ جو ”داستان گو“ صاحب نے الاخبار

اطوال کے حوالہ سے لکھا ہے کہ

”کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آگئے ہیں، تو انہوں نے سلیمان بن صردی کے گھر بیٹھ کر مشورہ کیا اور عبداللہ بن سبیح ہمدانی اور عبداللہ بن وداک سلمی کے ہاتھ اس مضمون کا خط حضرت حسینؑ کو بھیجا کہ

”آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اور یہاں کے حاکم نعمان بن بشیر کو جو انصاری ہیں نکال دیں گے“

الخ (داستان کربلا ص ۲۳)

تو واضح رہے کہ حضرت سلیمان بن صردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے علیل القدر صحابی ہیں حافظ ابن کثیر ”البدایہ والنہایہ“ میں لکھتے ہیں۔

وقد کان سليمان بن صرد الخزاعي حضرت سليمان بن صرد خزاعي رضي الله عنه

لے مطلوبہ نسخہ میں بلاحت کی غلطی سے ”الخزاعي“ کی بجائے ”الخزرجی“ چھپ گیا ہے۔

صحابیاً جلیلاً نبیلاً عابداً زاهداً، جلیل القدر صاحب فضل کمال عابد زاهد
 روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابی تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ
 احادیث فی الصحیحین وغیرہما علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کی ہیں جو
 صحیحین وغیرہ میں منقول ہیں، صفین کی
 و شہد مع علی الصفین۔ جنگ میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

(ج - ۸)

(ص ۲۵۵)

کے ساتھ موجود تھے۔

ابن زیاد نے کوفہ میں آکر جس طرح دارگیر شروع کر رکھی تھی اور خوف و دہشت
 کا سماں پیدا کر کے ہر طرف سے جو ناکہ بندی کر دی تھی اس میں صحیح واقعات کا مخلصین
 کو بھی بروقت علم نہ ہو سکا جو وہ موقع پر پہنچ کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدد
 کو آتے اور نہ اس امر کا پہلے سے اندازہ تھا کہ یہ اشیاء حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کو راہ ہی میں روک کر اس بیدردی سے شہید کر ڈالیں گے، جیسے کہ خود اہل مدینہ کو بھی حضرت
 عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس طرح اچانک شہید کر دیے جانے کا خیال بھی نہ تھا،
 بہر حال کوفہ میں ایسے بہت سے مخلصین تھے جو دل سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کے ہوا خواہ تھے، مگر انھیں بروقت آپ کی مدد کو پہنچنے کا موقع نہ مل سکا۔

اپنی لوگوں میں یہ بھی تھے، لیکن بعد کو اس کوتاہی پر سخت نادم ہوئے اور ۶۰ھ

(بقیہ صفحہ گذشتہ) مٹے محمد احمد عباسی کی تاریخ دانی یا غلط بیانی کا ایک نمونہ یہ بھی ہے کہ حضرت
 سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو وہ "سبائی لیڈر" بتاتے ہیں اور مسلم بن عقبہ مری کو
 جس کے ہاتھوں مدینہ پاک کی حرمت خاک میں ملی اور سینکڑوں صحابہ تابعین کا قتل عام ہوا
 رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معر صحابی "حالانکہ سلف علماء جب اس مسلم کا ذکر کرتے
 ہیں تو سبجائے "مسلم" کے اس کو "مسرف" یا "بمحرّم" کے برے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

میں پار ہزار فدا شدہوں کا لشکر لے کر خونِ حسین کا انتقام لینے کے لیے شامیوں کے مقابلہ میں نکلے۔ یہ لشکر تاریخ میں "توابین" کے نام سے موسوم ہے، امیر التوابین یہی حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ "عین الوردہ" کے مقام پر ۲۲ جمادی الاولیٰ ۳۵ھ کو عہد اللہ بن زیاد کے لشکر سے مقابلہ شروع ہوا اور تین دن تک دونوں لشکروں میں معرکہ کارزار گرم رہا، تیسرے روز ۲۴ جمادی الاولیٰ کو نہایت بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے انہوں نے جاہم شہادت نوش کیا، اس وقت ان کی عمر تیرانوے سال تھی، رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعمان بن بشیر انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق انہوں نے تو ان کو کوفہ سے نکال دینے ہی کے لیے لکھا تھا، مگر ناصبیوں کے ممدوح مروان نے تو اپنی حکومت کی ابتداء ہی حضرت موصوف کے قتل سے کی تھی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "جہرة انساب العرب میں رقمطراز ہیں

والنعمان بن بشیر اول مولود ولد فی الانصار بعد الهجرة، افتتح مروان دولته بقتله و سبق اليه رأسه من حمص، رضی اللہ عن النعمان ولا رضی من قاتله" (ص ۲۶۴)

نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصاری ہیں پہلے صاحبزادے ہیں جو ہجرت کے بعد پیدا ہوئے مروان نے اپنی سلطنت کا افتتاح ان ہی کے قتل سے کیا، حمص سے ان کا سر کاٹ کر مروان کے پاس لایا گیا، اللہ تعالیٰ نعمان سے راضی ہو اور ان کے قاتل سے راضی نہ ہو

یہ بھی صحابی ہیں، جنگ صفین میں جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ تھے انھوں نے ان کو یمن کا اور یزید نے کوفہ کا گورنر بھی بنایا تھا، یزید کے بعد چونکہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیعت کر لی تھی اور انھوں نے ان کو حمص کا والی بنا دیا تھا، اس لیے مروان نے ان سے جنگ کر کے ان کو قتل کر ڈالا۔

"داستان گو" صاحب "توابین" کے واقعہ سے انجان ہیں وہ اپنی داستان

اس وقوعہ کے تین ماہ بعد مختار ثقفی کے قصہ سے شروع کرتے ہیں

داستان کا اختتام کھلے جھوٹ پر (۱۶) چنانچہ "داستان گو" صاحب

نے واقعہ کربلا کے بارے میں جو داستان

تصنیف فرمائی ہے اس کا ڈراپ سین اس طرح ہوتا ہے۔

"خلیفہ یزید کی وفات سے حضرت مروان کے خلیفہ ہونے تک دو سال کی

مستبدتی ہے، اس مدت میں عبداللہ بن زبیر کا دعویٰ خلافت اور خوارج

کی جنگیں جاری رہیں، لیکن قتل حسین کے متعلق اس دوران بھی کوئی آوازیسی

نہیں اٹھی، جس میں خلیفہ یزید یا بنی امیہ کو اس قتل کا ذمہ وار گردانا گیا ہو،

نالاہیکہ حضرت مروان کی خلافت کے قیام تک حضرت حسین کے قتل کے

واقعہ کو چار سال گزر چکے تھے، عبداللہ بن زبیر ابھی زندہ تھے اور اپنی خلافت

کے مدعی تھے۔ رمضان ۶۵ ہجری میں مختار ثقفی نامی ایک شخص کوفہ میں آیا

اور اس نے خون حسین کے انتقام کا خفیہ پروپیگنڈہ شروع کیا، ".....

اس شخص نے رفتہ رفتہ خفیہ طور سے ایک گروہ اکٹھا کر لیا اور آخر کار

۶۶ھ میں حضرت حسین کے قتل کے ۶ سال بعد خون حسین کے انتقام کا

نعرہ اس نے بلند کیا اب بھی الزام بنی امیہ اور خلیفہ یزید پر نہیں لگایا گیا بلکہ

موت خون حسین کے انتقام کا نعرہ بلند کیا گیا۔.....

خون حسین کے انتقام کا یہ سیاسی نعرہ حضرت عبداللہ بن زبیر کے

بعد اموی حکومت کی مخالفت میں موڑ دیا گیا اور پھر جس گروہ یا جس شخص

سابق میں گزر چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے شہادت حسین کے

بعد یزید کی حکومت کے خلاف آواز اٹھائی تھی اور قتل حسین کے سلسلہ میں اس پر نکیر کی تھی۔

نے بھی مسلمان حکومتوں میں خروج و بغاوت کے لیے کمر باندھی اس نے قتل حسین کے نعرہ کو ہی اپنا نشان بنایا، اس کے بعد ہی اس واقعہ سے متعلق وہ تمام قصے اور کہانیاں گھڑی گئیں جو آج تک شیعہ اور سنی فرقوں میں مشہور چلی آرہی ہیں، اگرچہ اہل سنت کے محقق علماء نے ہمیشہ ان گھڑے ہوئے قصوں کا رد کیا ہے اور بہت سے اہل علم و تحقیق شیعہ عالموں نے بھی ان قصوں کو جھوٹا اور من گھڑت بتایا ہے۔

بہر حال یہ ہے کہ بلا کی سچی اور تاریخی داستان ”داستان کربلا“ ۲۶ تا ۲۹ ہم اس کھلی ہوئی افتراء پر دازی پر جس کو احمد حسین کمال ”سچی اور تاریخی داستان“ بتلاتے ہیں اس کے سوا کیا کہہ سکتے ہیں کہ

اے کمال افسوس ہے، تجھ پر کمال افسوس ہے

بھلا اہل سنت کے محقق علماء میں سے کسی ایک عالم کا بھی نام لیا جاسکتا ہے جو اس بات کا قائل ہو کہ قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذمہ داری یزید کی اموی حکومت اور اس کے بد اعمال عمال پر عائد نہیں ہوتی بلکہ آپ کے قاتل دراصل وہ آپ کے ساتھ کوئی رفقاء ہیں جو مکہ معظمہ سے لے کر کربلا تک آپ کے ہمراہ تھے اور جنہوں نے آپ ہی کی رفاقت میں میدان کربلا میں شہادت نوش کیا اور پھر آپ کی شہادت کے ٹھیک چھ برس بعد آپ کے خوئی ناحق کی جھوٹی تہمت ناکر وہ گناہ خلیفہ یزید اور اس کی حکومت کے کارندوں کے سر تھوپ دی گئی اور پہلا شخص جس نے یہ تہمت طرازی کی اور پھر اس کا غلط پروپیگنڈہ کیا وہ مختار ثقفی ہے، چنانچہ اس وقت سے لے کر آج تک ساری ”امت مسلمہ“ مختار کذاب کے غلط پروپیگنڈہ سے متاثر ہو کر اسی غلط فہمی میں مبتلا ہے کہ اصل قاتلوں کی بجائے یزید بے چارہ کو برا بھلا کہتی چلی آتی ہے، اس جراثیم کے ساتھ غلط بیانی ہمارے نزدیک کسی مسلمان کا کام نہیں ہو سکتا، یہ الف

لیلہ کی کہانی نہیں، سبطِ پیغمبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا بیان ہے اس میں افسانہ طرازی اور داستان گوئی، حد درجہ کی گستاخی اور خیرہ چٹمی ہے، ایسی نازیبا حرکت ساری اسلامی دنیا کی دل آزاری کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ان ناصبیوں کے شر سے محفوظ رکھے، آمین۔

حضرت علیؑ و حسینؑ کی تحقیر و توہین (۱۷) "داستانِ کربلا" لکھی تھی تو قاعدہ کے مطابق "داستان گو"،

صاحب کو اپنی داستان واقعاتِ کربلا پر ہی ختم کر دینا چاہیے تھی، مگر جس طرح کسی رافضی سے موقع بے موقع خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرائیکے بغیر نہیں رہا جاتا، وہی حال ان کے مقتدی ناصبیوں کا بھی ہے کہ یہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور آلِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تبرائیکے بغیر نہیں رہ سکتے اور "داستان گو"، صاحبِ ان ناصبیوں کے نقیب ٹھہرے، پھر بھلا وہ کیسے اس سے باز رہ سکتے تھے، اس لیے انہوں نے حادثہ کربلا کا "پس منظر" بیان کرتے ہوئے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیر و توہین میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی ہے اور دل کھول کر ان دونوں حضرات پر طعن و طنز کیا ہے۔ چنانچہ "داستان گو" کے الفاظ ہیں۔

"ان شیعیان علی نے حضرت علیؑ کو کبھی اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ سے لڑایا کبھی حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کے خلاف کھڑا کیا اور پھر خود یہ شیعیان حضرت علیؑ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے، آپؑ پر گھرا فتویٰ عائد کیا، ہمدان پر حضرت علیؑ کے خلاف جنگ کی، حتیٰ کہ چھپ کر ایک دن حضرت علیؑ پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے حضرت علیؑ کی موت واقع ہو گئی،،

("داستانِ کربلا" ص ۱۳)

خاک بہن گستاخ کیا خوب گویا لغو ذبا اللہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، خلیفہ راشد نہیں، علم نبوی کے حامل نہیں، فراست دینی سے بہرہ ور نہیں فقہی مسائل سے آشنا نہیں، محض غے نادان تھے نہ کچھ سمجھ رکھتے تھے نہ شعور جو ان شیعوں کے کہنے میں آکر کبھی حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت طلحہ و حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جالڑے اور کبھی ان کے بھکانے سے جناب معاویہ و عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے! اور ہاں ان ناصبیوں کے بڑے بھائی خارجیوں کا کچھ ذکر نہیں، شاید دنیا میں ان کا وجود ہی نہ تھا، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نہروان کے مقام پر جن لوگوں نے جنگ کی وہ خوارج نہیں بلکہ ان لو اصعب کے پیش رو "شیعان علی" تھے، جن کی تقلید میں "مجلس عثمان غنی" نے جھوٹ بولنے پر کمر باندھ رکھی ہے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کا قاتل عبدالرحمن بن ملجم مرادی قطعاً خارجی نہ تھا، جیسا کہ اسلام دنیا آج تک باور کرتی چلی آئی ہے بلکہ مجلس کے "داستان گو" کی سچی اور تاریخی داستان کے مطابق "شیعان علی" کا ایسا فساد تھا اشار اللہ کیا کہنے اس داستان کوئی کے، داستان ہو تو ایسی ہو، کہ جس میں کہیں سچ کا شائبہ بھی نہ نکلے۔

ایک نئی دریافت | (۱۸) اور سنیہ کی نئی دریافت ہے۔

"در اصل یہ شیعان علی، قاتلان عثمان کا ہی گروہ تھا جو حضرت علی کے گرد جمع ہو گیا تھا، آپ کو خلیفہ بنایا اور خلافت کا مرکز مدینہ سے قتل کرا کر کوفہ لے آیا اور سبجائے اس کے کہ حضرت علی کی خلافت کو مستحکم بننے دیتا، انھیں کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جالڑایا، جب حضرت علیؑ نے چاہا کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں، تو ان شیعان علی نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک

دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ جان برباد ہو سکے۔

(داستان کربلا ص ۱۵)

(۱) معلوم ہوا، خاک بہن گستاخ (ونفوذ باللہ من ہذہ الخرافات) حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ "ان شیعان علی کے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ ہیں" کسی مسلمان نے ان سے خلافت کی بیعت ہی نہیں کی، لہذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ "مجلس عثمان غنی" کے نا جیلیوں کی طرح وہ بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خلیفہ برحق ماننے سے انکار کر دیں۔ "داستان گو" صاحب نے اپنی داستان میں یہ وضاحت نہ کی کہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کس عقیدہ کے حامل تھے۔ اہل سنت کے عقائد رکھتے تھے یا اہل تشیع کے، جہاں انہوں نے تاریخی اساطیر سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کی خلافت کے بارے میں یہ مفہومات و مکتوبات جمع کی تھیں، وہاں اگر وہ دو حرف اس سلسلہ میں بھی سپرد قلم فرمادیتے تو ان کا کیا بگڑ جاتا، امت کو ایک اور نئی بات معلوم ہو جاتی اور خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی شخصیت کے بارے میں بھی ان نا جیلیوں کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا۔

(ب) یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کوئی با اختیار خلیفہ نہ تھے بلکہ شیعان علی کے ہاتھوں میں جو دراصل قاتلان عثمان تھے بالکل بے بس تھے مگر اس کے باوجود اقتدار سے چپٹے ہوئے تھے، انہوں نے خلافت کا مرکز مدینہ سے منتقل کر لیا اور یہ مدینہ چھوڑ کر کوفہ چلے آئے، حرم نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو خیر باد کہہ دیا اور ذرا خیال نہ آیا کہ کیا کر رہے ہیں، یہ "شیعان علی قاتلان عثمان" جب چاہتے جس سے چاہتے تھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جا لڑاتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہر وقت لڑنے کو موجود رہتے تھے کبھی انکار ہی نہیں کیا، جب ان لوگوں نے حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے لڑنے کو کہا ان سے لڑنے پہنچ گئے اور جب "صفین" میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑائی کو کہا تو

وہاں آکر لٹے گئے، گویا با اختیار خلیفہ نہیں بلکہ ان "شیعانِ علی قاتلانِ عثمان" کے ہاتھوں کٹھپالی بنے ہوئے تھے، (معاذ اللہ من ہذا الکاذیب)

(ج) یہ بات بھی واضح ہوئی کہ اخیر زندگی میں حضرت ممدوح نے چاہا بھی کہ صلح صفائی کے ساتھ معاملات طے ہو جائیں تو ان "شیعانِ علی" نے اپنے بنائے ہوئے خلیفہ حضرت علی کے خلاف بغاوت کر دی اور بالآخر سازش کر کے ایک دن حضرت علی پر قاتلانہ حملہ کیا، جس سے آپ جان بردہ ہو سکے "خمارچ" کا اس سلسلہ میں کوئی ذکر نہیں کیونکہ وہ اراکین "مجلس عثمان غنی" کے بڑے بھائی تھے۔ یہ نا جسی تو صرف حضرت ممدوح کی تحقیق و تجسس پر قناعت کرتے ہیں اور وہ ان سے دو قدم آگے نعوذ باللہ حضرت کی تکفیر کے مرتکب تھے، لہذا "مجلس عثمان غنی" کا فرض ہے کہ اپنے ان محبوب و محترم بھائیوں کی جتنی بھی پردہ پوشی کی جاسکے کرے، کیونکہ ان کا نام لینے سے اندیشہ ہے کہ مسلمانان کے بزرگوں کی توہین کریں گے۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے "مجلس عثمان غنی" کہ یہ بد باطن نا جسی کس کس طرح سے حضرت علی کریم اللہ تعالیٰ وجہہ پر تبرا کرتے ہیں اور بہت سے سادہ لوح مسلمان اس کو بھی شیعوں کی تردید ہی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ شیعوں کی تردید نہیں حضرت علی و حضراتِ حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اپنے بغض و عناد کا اظہار ہے۔

حضرت حسن کے بارے میں امتحانِ سرائی

(۱۹) اب حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں "داستان گو" صاحب نے جو داستانِ سرائی کی ہے وہ ملاحظہ ہو۔ لکھتے ہیں۔

"حضرت علیؑ کے بعد ان شیعان نے حضرت علیؑ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؑ کو ان کا بائشین خلیفہ بنا کر، باپ کے بعد بیٹے کی دلی عہدی کی رسم قائم کی، پھر اس گروہ نے حضرت حسن کے ساتھ بھی سرکشی شروع کر دی، آپ کی اہانت کی، آپ کو زخمی کیا، آپ کا سامان لوٹا، جسور سرکڑے تک نہ رہا

اتاریے حتیٰ کہ گھر میں عورتوں کے سامان و لباس تک پر دست درازیاں کیں ،
 بالآخر حضرت حسن نے یہ ہی مناسب سمجھا کہ ان "قاتلانِ عثمان" سے جو شیعیان علیؑ
 بن کر ہماری آڑ میں اپنا تحفظ بھی کر رہے ہیں ، ہمیں ہمارے بھائیوں اور بزرگوں
 سے لڑانے میں بھی لگے ہوئے ہیں اور جب چاہتے ہیں ہمارے ساتھ بھی بدسلوکی
 اور شرارت سے باز نہیں آتے جس نجات حاصل کی جائے اور حضرت معاویہؓ
 کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمان امت کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ
 "قاتلانِ عثمان" کو کیفرِ کرب واز تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت
 کو بچائیں۔" (داستانِ کربلا ص ۱۵، ۱۶)

حضرت علیؑ کے بعد یہ ہی سلوک ان شیعیان نے حضرت حسنؑ کے ساتھ
 کیا، پہلے آپ کو اپنے والد حضرت علیؑ کا جانشین بنا کر آپ کے ہاتھ پر بیعت
 کی، پھر کچھ دن بعد آپ کی توہین کی، آپ پر حملہ کیا، آپ کی ران زخمی کر دی
 اور آپ کا سامان لوٹ لیا، چنانچہ حضرت حسنؑ نے ان کے اس طرزِ عمل سے
 بد دل و مایوس اور بیزار ہو کر اپنے نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 برادرِ سببی کاتب وحی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر حسینؑ
 اور اپنے تمام اہلِ خاندانِ سمیت بیعت کر لی۔ (داستانِ کربلا ص ۱۳)

معلوم ہوا حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی طرح حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
 بھی خلافت کی بیعت کرنے والے یہی "قاتلانِ عثمان شیعیان علیؑ" ہیں، لہذا مسلمانوں کو چاہیے
 کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان کے صاحبزادے حضرت حسن رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کو بھی خلیفہ راشد ماننے سے انکار کر دیں، اہل سنت خواہ مخواہ آج تک ان دونوں
 حضرات کو خلیفہ راشد مانتے چلے آتے ہیں۔

نیز جس طرح ان "قاتلانِ عثمان شیعیان علیؑ" نے نعوذ باللہ دروغ برگردن گستاخ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو کھلونا بنا رکھا تھا کہ جس سے چاہتے تھے جب چاہتے تھے حضرت کو لڑا دیتے تھے اور حضرت بلا تامل لڑنے چلے جاتے تھے، اسی طرح انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اپنا آلہ کار بنانا چاہا۔ مگر صاحبزادے باپ سے زیادہ ذہین نیکے اور معاملہ کی تہ تک جلد ہی پہنچ گئے، لہذا ان سے نجات حاصل کر لے کی بس ایک ہی راہ سمجھ میں آئی کہ

”حضرت معاویہؓ کے ہاتھ پر بیعت کر کے انہیں مسلمانوں کا متفقہ خلیفہ بنا دیا جائے تاکہ وہ قاتلان عثمان کو کیفر کردار تک پہنچائیں اور ان کی شرانگیزیوں سے امت کو بچائیں“

ملاحظہ فرمایا آپ نے حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور ان کے صاحبزادے حضرت حسن مجتبیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کا اس نا صبی ”داستان گو“ نے کیا سماں باندھا ہے۔ واقعی ڈاکٹر صاحب نے داستان گوئی کا حق ادا کر دیا، کیا مجال جو کوئی سچی بات درمیان میں آنے پائے، اپنے بزرگ و محترم خارجیوں کے جرائم کو بھی جن کی معنوی ذریت یہ نا صبی صاحبان ہیں ان ”قاتلان عثمان شیعان علی“ ہی کے نامہ اعمال میں درج کر دیا، ان خارجیوں نے اگر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو شہید اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی کیا تھا، تو کیا حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زخمی نہیں کیا تھا؟ کیا وہ ان کی زد سے بچ گئے تھے؟ پھر ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟

حضرت حسین کی تحقیق (۲۰) بہر حال ”داستان گو“ صاحب یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اس صورت حال سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور ”قاتلان عثمان“ کے ورغلا نے میں اگر ناحق اپنی جان گنوائی، جس کی تفصیل ”داستان گو“ صاحب کے الفاظ میں یہ ہے

”حضرت حسین جب شہید ہوئے تو ان کی عمر ۵۵ سال سے تجاوز کر چکی تھی

جوانی کا عہد گزر گیا تھا اور بڑھاپا آچکا تھا، حضرت حسین اس غدارانہ سلوک کو اچھی طرح دیکھ چکے تھے جو شیعیان علی نے ان کے والد حضرت علیؑ کے ساتھ کیا تھا۔۔۔ حضرت علی کے بعد یہی سلوک ان شیعیان نے حضرت حسنؑ کے ساتھ کیا تھا۔ (ص ۱۲، ۱۳) حضرت علی کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن ان تمام حالات کو شروع سے دیکھتے چلے آ رہے تھے، قاتلان عثمان کے ارادوں سے واقف ہو چکے تھے (ص ۱۷) "قاتلین عثمان" کے گروہ کے زعمہ سے جو اپنے آپ کو "شیعیان علی" کہتے تھے، آپ نے خود کو اور اپنے اہل خانہ کو نکالا اور مدینہ منورہ جا کر قیام پذیر ہو گئے۔ (ص ۱۹) لیکن "قاتلین عثمان" مایوس نہیں ہوئے اور حضرت علی کے اہل خاندان و بنی ہاشم کی نئی نسل کو خلافت کے مسئلہ پر اگسانے کی کوشش کرتے رہے حضرت معاویہؓ نے یہ محسوس کر کے کہ ان کے بعد خلافت کے سوال پر مسلمانوں کے درمیان پھر کوئی نزاع نہ اٹھ کھڑا ہو، اپنی وفات سے پیشتر۔۔۔ اپنے بیٹے یزید کے لیے جانشینی کی بیعت عام لے لی۔ اس دوران کوفہ میں رہنے والے "قاتلان عثمان" کے گروہ کے افراد نے حضرت حسینؑ سے خفیہ ملاقاتوں کا سلسلہ جاری رکھا، حضرت حسن فوت ہو چکے تھے اور یہ لوگ آ کر حضرت حسین کو متاثر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ (ص ۲۰، ۲۱)

سلسلہ میں حضرت معاویہ کی وفات ہو گئی آپ کے بعد امیر یزید جانشین ہوئے اور خلافت کی بیعت شروع ہوئی (ص ۲۲) کوفہ کے شیعیان علی کو جب یہ معلوم ہوا کہ حسین، یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ سے مکہ آ گئے ہیں تو انھوں نے۔۔۔ اس مضمون کا خط حضرت حسین کو لکھ بھیجا کہ آپ کوفہ آئیں، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے (ص ۲۳) حضرت حسین کا قتل ان

کوفیوں نے کیا جو آپ کو مکہ سے لے کر آئے تھے (ص ۲۴)

غرض جناب "داستان گو" صاحب کے بیان کے مطابق حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ نے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جانے پر بھی سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے باوجود قاتلان عثمان کے درغلانے میں آکر اپنے والد بزرگوار کی طرح طلب خلافت میں جان دے دی اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ اگر وہ بھی اپنے برادر بزرگوار کی طرح "قاتلین عثمان" کے گروہ کے نفع سے اپنے آپ کو اور اپنے اہل بیت کو نکال کر مزید کی بیعت کر لیتے تو کیا اچھا ہوتا۔ یہ ہے وہ تاثر جو "داستان گو" صاحب مسلمانوں کو "داستان کر بلا" لکھ کر دینا چاہتے ہیں

قاتلان عثمان کے بارے میں ضروری تنقیح | (۲۱) یہ بات اچھی طرح ذہن میں رکھنا چاہیے کہ

"داستان گو" صاحب بار بار "قاتلان عثمان" اور "شیعان علی" کے الفاظ کی تکرار اس لیے کرتے ہیں تاکہ اہل سنت کے جذبات بھڑکا کر وہ اپنا التو سیدھا کریں۔ یاد رہے وہ ہر جگہ ان الفاظ کے ذریعہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں غلط تاثر قائم کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں، ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"خليفة ثالث حضرت عثمان غني رضي الله تعالى عنه کی المناک شہادت کے

سانحہ نے امت مسلمہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا، ایک حصہ ان مسلمانوں

پر مشتمل تھا جو حضرت عثمان کے قاتلوں کو گرفتار کر کے کیفر کردار تک پہنچانا

چاہتا تھا اور دوسرا حصہ ان مسلمانوں کا تھا جن میں قاتلین عثمان مل جل گئے

تھے اور انھیں مسلمانوں کے پہلے گروہ سے لڑاتے رہنے کی کاروائیوں میں

مصروف تھے، حضرت معاویہؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان جنگوں کی اصل وجہ

یہی تھی" ("داستان کر بلا" ص ۱۶، ۱۷)

"داستان گو" کے اس فریب کو سمجھنے کے لیے اولاً "قاتلان عثمان" کے معاملہ پر غور

کیجئے، قاتلانِ عثمان کے سلسلہ میں اصل تنقیح طلب یہ امر ہے کہ واقع میں ”قاتلانِ عثمان“ ہیں کون؟ کیا وہ چند شریک جو اس پاس کے مکانات کی دیواروں سے کود کر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان میں داخل ہو گئے تھے اور جنہوں نے اس فعلِ شنیع کا ارتکاب کیا تھا؟ یا وہ سب مظاہرین جو آپ سے مسندِ خلافت سے کنارہ کش ہونے کا مطالبہ کر رہے تھے ظاہر ہے کہ شرعاً اور قانوناً آپ کے قتل کے مجرم وہی اشخاص ہیں جو براہِ راست اس فعلِ شنیع کے مرتکب ہونے خود آپ پر حملہ آور ہوئے یا آپ پر حملہ کرنے میں مدد کی، ایسے لوگوں کی تعداد خود ”داستان گو“ صاحب کے بیان کے مطابق پانچ افراد سے زیادہ نہیں، جن کو وہ شیعوں کی ضد میں ”پنج تن“ کہہ کر پکارتے ہیں، ان پانچوں قاتلوں کے نام ”داستان گو“ صاحب نے یہ لکھے ہیں۔

(۱) محمد بن ابی بکر

(۲) کنانہ بن بشر

(۳) غانقی

(۴) عمرو بن حق

(۵) سودان بن حمران

بعد کو ”داستان گو“ صاحب نے کلثوم بن نجیب نامی ایک شخص کو بھی قاتل لکھا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ کس کا قاتل تھا۔ اگر اس کو بھی وہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قاتل قرار دیتے ہیں تو ان کی ”پنجتن“ کی پھٹی غلط ہو جائے گی کیوں کہ اب قاتل ”پنجتن“ کی بجائے ”شش تن“ بن جائیں گے۔ بہر حال ان نامزدگان میں حضرت عمرو بن حق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لے ملاحظہ ہو ”داستان گو“ صاحب کا مجلسِ عثمانِ غنی“ سے شائع کردہ پہلا کتابچہ ”حضرت

عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے؟“ (ص ۸، ۷)

توصحابی ہیں اور محققین محدثین کی تصریح کے مطابق کسی صحابی رسول کی شرکت قتل عثمان میں ثابت نہیں۔ اسی طرح محمد بن ابی بکر صدیق کے متعلق بھی صحیح یہی ہے کہ وہ قتل کے ارتکاب میں شریک نہ تھے۔ انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ڈارھی ضرور پکڑی تھی، لیکن جب حضرت مدوح نے یہ فرمایا کہ بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ حرکت پسند نہ آتی یہ جملہ سننے کے ساتھ ہی وہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ پر دست درازی سے روکنے کی کوشش کی، لیکن کچھ بن نہ پڑا، یہ عجیب بات ہے کہ یہ نامی اپنے امام زید اور مروان کو تو ہر طرح بچانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان کے خلاف جو کچھ تاریخ اسلام میں مذکور ہے اس کو سبائیوں کی ہوائی باتیں بتاتے ہیں مگر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ کو قتل حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شریک بنانے کے درپے ہیں صرف اس لیے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لے پا لک تھے اور شیعہ بھی ان کو اپنا ہیرو مانتے ہیں اور ان پر "قتل عثمان" کی غلط تہمت جوڑتے ہیں، جو خلاف واقع ہے، نا صبیوں کو چاہیے کہ جس طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا براورستی ہونے کی وجہ سے "خال المؤمنین" کہتے ہیں اسی رشتہ سے ان کو بھی "خال المؤمنین" کہا کریں اور ان کا ادب کیا کریں کیونکہ وہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند ارجمند اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بھائی تھے۔

سودان بن حمران اور کلثوم تبیہی دونوں موقع پر ہی حسب تصریح حافظ ابن کثیر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں کے ہاتھوں مارے گئے۔ اب صرف خافتی اور کنانہ بن بشر دو شخص رہ جاتے ہیں جو موقع واردات سے کسی طرح فرار ہو گئے تھے

بعد کو یہی قتل ہوئے پنا منچہ ابن جریر طبری نے بعض سلف سے نقل کیا ہے کہ قاتلین عثمان میں سے کوئی شخص بھی قتل ہونے سے نہ بچ سکا۔

امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ جب منذ آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے سب سے پہلا کام جو کیا وہ اسی واقعہ کی تحقیق تھی، لیکن وقت یہ تھی کہ نہ تو اولیائے مقتول میں سے کسی نے اس وقت دربار خلافت میں استغاثہ دائر کیا اور نہ قاتلین میں سے کوئی موجد تھا، نہ قتل کی عینی شہادت کسی کے خلاف فراہم ہو سکی، اب کاروائی کی جاتی تو کس کے خلاف کی جاتی، علامہ ابن تیمیہ نے بھی اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ

علیّ عان معذوراً فی ترک قتلہ - حضرت علی قاتلین عثمان کو قتل نہ
عثمان لان شروط کرنے میں معذور تھے کیوں کہ
الاستیفاء لم توجد - قصاص لینے کے لیے جو شرائط

(منہاج السنہ ص ۱۲۹ ج ۳) ضروری ہیں وہ موجود ہی نہ تھیں

ظاہر ہے کہ جب اصل قاتلوں کا پتہ ہی نہ چل سکے تو پھر قصاص کس سے لیا جائے یہ بات تو ہوئی ان لوگوں کے متعلق جو براہ راست اس فعل تبلیغ کے مرتکب ہوئے تھے۔ اب رہے وہ مظاہرین جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حویلی کا محاصرہ کیا تھا۔ ان کی حیثیت باغی سے زیادہ نہ تھی "داستان گو" نے بھی اپنے پہلے کتابچہ "حضرت عثمان غنی کی شہادت کیوں اور کیسے" میں جگہ جگہ ان کو باغی لکھا ہے، باغیوں کے بارے میں فقہ اسلامی کا فیصلہ یہ ہے کہ بغاوت سے باز آ جانے کے بعد ان کو بغاوت کی پاداش میں سزا نہیں دی جائے گی، نیز آغاز بغاوت میں بھی جب تک وہ لوگوں کی جان و مال سے تعرض نہ کریں ان کو زبانی ہمائش ہی کی جائے گی۔ سمجھایا جائے گا، ان کے شبہ کے ازالہ

کی کوشش کی جائے گی تاکہ وہ فراد و بغاوت سے باز آجائیں، ہاں اگر وہ زبانی فہمائش سے باز نہ آئے اور انہوں نے خوں ریزی میں پیش دستی کی یا باضابطہ لشکر کشی کر کے لڑنے کو موجود ہو گئے، تو پھر ان سے قتال واجب ہے اب حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں خلفاء راشدین کے طرز عمل پر نظر ڈال لیجئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عین محاصرہ کے وقت بھی باغیوں کو زبانی فہمائش ہی پر اکتفا کی اور ہر طرح ان کے شبہات کے ازالہ کے کوشش فرمائی۔ کیونکہ اس وقت تک ان کا معاملہ خلیفہ وقت کے خلاف مظاہرہ سے آگے نہ بڑھا تھا۔ اخیر میں چند شر پسند جنکی تعداد چار پانچ افراد سے زیادہ نہ تھی، اچانک اشتعال میں آ گئے وہ چودوں کی طرح پڑوس کی دیوار سے آپ کی حویلی کی چھت پر کودے اور بالا خانہ میں اتر کر آپ کو شہید کر ڈالا، ان میں کچھ عین وقت پر مارے گئے، کچھ موقع پا کر رات کے اندھیرے میں فرار ہو گئے بعد ازاں جب حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے مدینہ کے تمام مہاجرین و انصار نے خلافت کی بیعت کی تو ان مظاہرین نے بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیعت کر کے آپ کی اطاعت اختیار کر لی، بغاوت فرو ہو جانے کے بعد اب ان باغیوں سے باز پرس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا فقہاء نے تصریح کی ہے۔

توبة الباعی بمنزلة الاسلام
من الحربی فی افادة العصمة
والحرمة۔
(البحر الرائق شرح کنز
قائمی، باب البغاة)

جان و مال کی حفاظت اور ان کے احترام کے
سلسلہ میں باغی کے توبہ کر لینے اور حربی کافر
کے اسلام لے آنے کا ایک ہی حکم ہے و کہ اب
دونوں کی جان اور مال سے کوئی تعرض نہیں
کیا جائے گا۔

پھر حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ، کو ان باغیوں نے امام نہیں بنایا تھا، بلکہ حضرات
مہاجرین و انصار نے آپ کو خلافت کے لیے منتخب فرمایا تھا اور آپ کا استحقاق خلافت

تو درحقیقت اسی روز متعین ہو گیا تھا جس روز حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کا انعقاد ہوا، کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنی وفات کے وقت خلافت کا مسئلہ چھ حضرات میں دائر کر دیا تھا اور ان حضرات نے حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دو حضرات کو اس کیلئے نامزد کیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ پر بیعت ہوئی تو صاف معلوم ہو گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عدم موجودگی میں حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ اس منصب جلیلہ کے لیے سب حضرات کی نظروں میں متعین ہیں، لہذا جس اجماع کے ذریعہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے لیے متعین ہوئے اسی اجماع نے اس منصب کے لیے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کو متعین کیا یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس عہدہ جلیلہ کو قبول کرنے کے لیے اپنی رضا مندی ظاہر کی، مدینہ طیبہ کی آبادی آپ سے بیعت کرنے کے لیے ٹوٹ پڑی، چنانچہ امام ابن حزم ظاہری "الفصل فی الملل والہیود والنحل" میں فرماتے ہیں۔

ان علیاً رضی اللہ تعالیٰ عنہ لما ادعی الی
نفسہ بعد قتل عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سارعت طوائف المهاجرین
والانصار الی بیعتہ۔

بلاشبہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
کے بعد جب اپنے لیے حق خلافت کا
اظہار فرمایا تو ہاجرین و انصار جو
درجہ آپ کی بیعت پر ٹوٹ پڑے۔

(ج-۳ ص ۱۰۱، ۱۰۲)

اور پھر آپ سے بیعت کرنے کے بعد ان حضرات ہاجرین و انصار نے جس
جان نثاری کا ثبوت دیا اس کا اظہار امام موصوف نے ان الفاظ میں کیا ہے

اذ دعا الی نفسه فقامت
معه طوائف من المسلمین

جیسے ہی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اپنی طرف دعوت دی مسلمانوں کی بڑی

عظيمة و بذلوا دماءهم
دونه، و رأوه حينئذ صاحب
الامر والاولى بالحق
من نازعه -

(ج-۳ ص ۹۷)

اور آگے چل کر لکھتے ہیں

الذين بايعوه بعد ذلك اذ صار
الحق حقه، وقتلوا انفسهم
دونه - (ج-۳ ص ۱۰۱)

وہ حضرات جنہوں نے شہادت عثمان کے بعد آپ
سے بیعت کی جبکہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور
پھر آپ کے لیے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

یہی حضرات ہاجرین و انصار حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے رفقاء و ہاں تیار تھے
جن کو یہ ناصبی "شیعان علی" اور "قاتلین عثمان" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

شیعہ مخلصین کون ہیں

(۲۲) رہا "شیعان علی" کا مسئلہ تو واضح رہے کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ کے شیعہ مخلصین یہی حضرات اہل السنۃ والجماعۃ ہیں، یہی آپ کو خلیفہ راشد مانتے
ہیں یہی آپ کی نسبت روحانی اور آپ کے علم کے حامل ہیں غور فرمائیے، تصوف اسلامی
کے اکثر و بیشتر سلسلے حضرت ممدوح ہی کی طرف منسوب ہیں، فقہ حنفی کا دار و مدار زیادہ
تر حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے فتاویٰ پر ہی ہے
اہل سنت کی کتب احادیث میں تمام ملفاء راشدین سے فیادہ آپ کی مرویات ہیں۔
غلاۃ شیعہ نصیریہ، اسماعیلیہ، اثنا عشریہ اور زیدیہ جو اپنے آپ کو "شیعان علی" کہتے ہیں
موصف خط ہے، ان لوگوں نے نہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استفادہ کیا، نہ
آپ کی تعلیم کو محفوظ رکھا اور نہ یہ آپ کی نسبت کے حامل ہیں نہ ان کا حضرت موصوف
سے کوئی تعلق تاریخی میں ثابت ہے اس سلسلہ میں مزید تفصیل کی ضرورت ہو تو متحدہ

اثنا عشریہ مولفہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی سے مراجعت کرنی چاہیے تاکہ حقیقت حال معلوم ہو جائے۔

اس میں شک نہیں کہ شیعوں کے تینوں فرقے غالیؑ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو لغو و با لہ خدا مانتے ہیں، رافضیؑ تہرائی جو حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فاسطہ خلافت سمجھ کر ان پر سب و شتم کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو امام مہصوم سمجھتے ہیں اور یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت کی صاف تصریح کر دی تھی اور تفضیلیؑ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل مانتے ہیں ان تینوں فرقوں کا آپ کے زمانہ خلافت میں ظہور ہو چکا تھا، جس طرح کہ خوارج بھی جو حضرت عثمانؓ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کافر سمجھتے ہیں اسی دور میں پیدا ہوئے تھے اور لو اہلب بھی جن کا کام صرف حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ وجہ اور آپ کے خاندان سے عناد کا اظہار ہے، لیکن امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سب گمراہ فرقوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا وہ علامہ شیخ ابن

۱۔ ملاحظہ ہو تحفہ اثنا عشریہ (ص ۷) اور (ص ۲۱) پر فرماتے ہیں۔

شیعہ حقیقی مرقضی علی اہل سنت و جماعت اند کہ بروش آبختاب میروند و با کے بد میتند و ہر یک با نیکی یاومی کنند و در عقائد و اعمال اتباع قرآن و حدیث و سیرت آبختاب مینمایند۔ "حضرت علی مرقضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حقیقی شیعہ تو اہل سنت و جماعت ہی ہیں کہ ان ہی کی روش پر چلتے ہیں اور کسی کے ساتھ برسر نہیں سب کو نیکی کیساتھ یاد کرتے ہیں اور عقائد و اعمال میں قرآن و حدیث کی اتباع کرتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریقے پر چلتے ہیں" واضح ہے کہ "شیعہ" کے معنی گروہ کہیں ہیں، اس لیے "شیعہ علی" کے معنی ہوئے "حضرت علی کی جماعت" اور ظاہر ہے کہ یہ صفت حضرات اہل سنت کی ہے نہ کہ "روافض" کی۔ ان کو "شیعہ علی" کہنا ایسا ہی ہے جیسے جوہر کو "دمن" کہنا یا خاک کو "دب" کو "حلال خور"۔

تیمہ کی زبان سے سینے۔

وقد عاقب علی بن ابی طالب طوائف
الشیعة الثلاثة، فانه حرق
الغالية الذين اعتقدوا الالهية
بالتار، وطلب قتل ابن سبار
لما بلغه انه يسب ابابكر و
عمر فهرب منه، وروی عنه
انه قال لا اوتی باحد یفضلنی
علی ابی بکر و عمر الا جلدته
حد المفتری، و قد تواتر عنه
انه قال خیر هذه الامة
بعد نبیها ابوبکر ثم
عمر، ولهذا كان اصحابه
الشیعة متفقین علی تفضیل
ابی بکر و عمر علیه۔
(فتویٰ ابن تیمیہ ص ۴۹)

حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے
شیعوں کی ان تینوں پارٹیوں کو منہ بدمال
پارٹی کو جو آپ کی "لوہیت" کی قائل تھی زندہ آتش کیا،
اور ابنی سبار کے بارے میں جب آپ کو یہ معلوم ہوا کہ
وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو گالیاں دیتا ہے
تو آپ نے اس کو قتل کرنے کے لیے طلب فرمایا،
لیکن وہ فرار ہو گیا اور آپ سے مروی ہے کہ آپ نے
ارشاد فرمایا جو کوئی شخص بھی میرے سامنے اس
خیال کا پیش کیا گیا کہ وہ مجھے ابوبکر و عمر پر فضیلت
دیتا ہو تو میں اس کو منہ بدمال کی حد (آتش کوڑے)
لگاؤں گا اور یہ روایت تو آپ سے تواتر ثابت ہے کہ
آپ نے ارشاد فرمایا "اس امت میں نبی کے بعد سب
سے بہتر ابوبکر ہیں اور پھر عمر" اسی لیے آپ کے شیعہ
اصحاب (مخلص رفقاء یعنی اہل سنت) اس امر
پر متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر حضرت علی سے افضل تھے

۱۔ واضح رہے کہ ڈاکٹر صلاح الدین منجد نے ابن تیمیہ کے اس فتویٰ کو جو قلمی شکل میں محفوظ تھا، "المرجع العلمی"
دمشق کے شمارہ ج ۲۸، جزئیات و رابع میں تصحیح کے ساتھ شائع کیا تھا، جس کا اصل متن اور ترجمہ ابن
تیمیا کی ڈبھی کراچی نے ۱۹۶۴ء میں "یزید بن معاویہ از ابن تیمیہ" کے نام سے شائع کیا ہے، اس فتویٰ کے
مترجم جناب ڈاکٹر جمیل احمد صاحب صد شعبہ عربی کراچی یونیورسٹی ہیں۔

اور خوارج کے بارے میں لکھتے ہیں۔

فلما قتل عثمان و تفرق الناس
 ظہر اهل البدع و الفجور، و
 حينئذ ظهرت الخوارج فحفظوا
 علي بن ابي طالب و عثمان بن
 عفان و من والاها حتى
 قاتلهم امير المؤمنين علي بن
 ابي طالب طاعة لله ورسوله
 و جهادا في سبيله، و اتفق الصحابة
 علي قتالهم لم يختلفوا في ذلك
 كما اختلفوا في الجمل و صفين۔
 اس بارے میں ان میں باہم کوئی اختلاف نہ تھا۔
 (ص ۲۸)

بہر حال حضرت امیر المؤمنین علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ یا حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہما نے جتنے بھی سیاسی یا غیر سیاسی اقدامات کیے ان میں ان نام نہاد "شیعان علی"
 کا کوئی دخل نہ تھا، ان سب حضرات کے اصل فدائی اور جان نثار اور ان کی واقعی عظمت
 و قدر کرنے والے اور ان سے صحیح محبت رکھنے والے ہمیشہ سے حضرات اہل السنۃ والجماعۃ
 چلے آتے ہیں اور وہی ان کے اصل پیرو ہیں، نا جھیلوں کو تو ان حضرات سے بغض ہے
 اور ان نام نہاد "شیعان علی" کو ان کی محبت میں وہ غلو ہے جس کی شریعت اجانت
 نہیں دیتی، نا جھبی اور رافضی دونوں جادۂ حق سے دور ہیں۔ اصل صراطِ مستقیم پر حضرات
 اہل السنۃ والجماعۃ ہیں غرض یہ بات خوب یاد رکھیے اور داستان گو کے بار بار قاتلان
 عثمان، اور "شیعان علی" کے الفاظ کی رٹ لگانے سے بالکل دھوکہ نہ کھائیے، اس

کا مقصد ان الفاظ کے بار بار دہرانے سے سوائے ابلہ فرسی کے اور کچھ نہیں ہے۔

باقی ”داستان گو“ صاحب نے جو بار بار یہ تکرار کی ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ”ان شیعان علی“ نے کبھی حضرت عائشہ، حضرت طلحہ اور حضرت زبیر سے لڑوا ڈالا اور کبھی صفین کے مقام پر حضرت معاویہ سے جا لڑایا سو محض لغو ہے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جنگیں بغاوت کو فرو کرنے کے لیے کی تھیں وہ امام اشد تھے انہوں نے جو جہاد کیا ہے، کتاب و سنت کی روشنی میں کیا ہے، حضرت طلحہ حضرت زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم کو غلط فہمی ہوئی، چنانچہ حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جیسے ہی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قائل کیا انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا اور اسی وقت میدان مصاف سے اپنی گھوڑے کی پاگ موڑ دی اور لشکر سے نکل کر چل دیے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے جو ان کو ہاتے دیکھا تو یہ بھی فوراً میدان جنگ سے ہٹنے لگے، لیکن مردان نے ان کو ہاتے دیکھ کر ان کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ ان کا کام تمام ہو گیا، تاہم ان میں ابھی زندگی کی رمت باقی تھی کہ انہوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک لشکر کی ہاتھ پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی بیعت کر کے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی، رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تو جنگ جمل میں اپنے شریک ہو جانے پر اس قدر رویا کرتی تھیں کہ آپ کا دوپٹہ تر ہو جاتا تھا، یہ سب باتیں کتب احادیث میں مصرح ہیں، صفین میں جو لوگ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے مقابل ہوئے ان کے بارے میں احادیث متواترہ میں۔ ”فئة باغیة“ کے الفاظ آتے ہیں، جس کے معنی باغی جماعت کے ہیں، غرض جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف بغاوت کی وہ یا تو غلط فہمی کی وجہ سے کی جیسے کہ اہل جمل تھے یا پھر ان سے دانتے یا نادانتے طور پر غلطی ہوئی جیسے کہ ”بغاة شام“ بہر حال حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی تمام جنگوں میں برسرِ حق تھے اور ان کے مخالفین خطا پر، پھر اس میں یہ تاثر دینا کہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہ اپنے شیعیان کے ہاتھ میں کھلونا بنے ہوئے تھے، ناصبیوں کی محض کجواس
ہے۔ عافظ ابن تیمیہ، منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں۔

ولو قدح رجل فی علی بن ابی طالب
بأنه قاتل معاویۃ و اصحابه و
قاتل طلحة و الزبیر لقیل لہ علی
بن ابی طالب افضل و اولی
بالعلم و العدل من الذین
قاتلوه فلا يجوز ان يجعل
الذین قاتلوه هم العادین
و هو ظالم لهم۔

(منہاج السنۃ النبویۃ فی نقض کلام

الشیعہ و القدریہ ج ۳۔ ص ۱۹۰

طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

وہیں است مذہب اہل سنت کہ حضرت
امیر و مقاتلات خود برحق بود و مصیب
و مخالفان او بر غیر حق و مخطلی۔
(ص ۲۱۹ طبع نول کشور کافو ۱۳۲۵ھ)

ناحق پر اور خطا کار۔

ناصری جو چاہیں بکتے رہیں، حدیث نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اس دور میں حضرت علی
کرم اللہ وجہہ اور ان کا گروہ اس امت کے بہترین افراد میں تھے، چنانچہ صحیحین میں بخارج
کے سلسلہ میں جو حدیث وارد ہے اس میں یہ الفاظ ہیں۔

و یدخرجون علی خیر فرقة من الناس
 قال ابو سعید اشهد انی سمعت
 هذا الحدیث من رسول الله صلی الله
 علیه وسلم و اشهد ان علی بن ابی
 طالب قاتلهم و انا معه۔
 (مشکوٰۃ المصابیح باب فی البجرات
 الفصل الاول ص ۵۳۵)

یہ خارجی ان لوگوں کے خلاف اٹھیں گے
 جو سب سے بہتر جماعت ہوگی، ابو سعید خدری
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں
 کہ میں نے اس حدیث کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی زبان مبارک سے سنا ہے اور یہ بھی گواہی دیتا
 ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے
 ان سے جہاد کیا اور میں بھی اس جہاد میں آپ کے ہمراہ تھا

حضرت حسن کے بارے میں افسر پروازی (۲۳)

حضرت حسن

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں جن خیالات کا "داستان گو" نے اظہار کیا ہے وہ بھی صحیح
 نہیں، حافظ ابن حزم ظاہری نے "الفصل فی المل والابوار والنمل" میں تصریح کی ہے کہ
 و مع الحسن ازید من
 مائة الف عنان یقولون۔ زائد ایسے شہسوار تھے جو آپ کے آگے جان فدا
 دوتے (ج-۴ ص ۱۰۵) کرنے کو تیار تھے۔

اور اسی لیے حافظ ابن حجر عسقلانی "فتح الباری" میں اس حدیث شریف کے ذیل
 میں جس میں یہ مذکور ہے کہ "حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک بار خطبہ دے رہے تھے اسی
 آثار میں حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سامنے سے آگئے تو آپ نے ان کو دیکھ کر برسرِ منبر
 ارشاد فرمایا

انبی هذا سید، ولعل الله ان
 یصلہ بہ بین فئتين من المسلمین
 میرا بیٹا "سید" ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ
 اس کی بدولت مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح
 کرادے گا۔ (ج-۱۳ ص ۵۷)

اس حدیث کے فوائد کو شمار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

و فی هذه القصة من اس واقعہ میں جو فوائد ہیں ان میں ایک تو حضور علیہ
الفوائد، علم من اعلام الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی نشانی ہے کہ آپ
النبوة، ومنقبة للحسن بن کی پیشین گوئی کا ظہور ہوا، دوسرے حضرت حسن
علی فانه ترك الملك لا لقلعة بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی منقبت معلوم
ولا لذلة ولا لعللة بل ہوئی کہ آپ بغیر کسی قسم کی کمی یا کسی طرح کی قلت
لرغبة فيما عند الله، لا راء کے یا کسی نوع کی علت کے، خالصتہً لوجه اللہ
من حق دماء المسلمين سلطنت سے دستبردار ہو گئے کیونکہ آپ نے
فراعى أمر الدين ومصلحة یہ محسوس کیا کہ ایسا کرنے سے مسلمانوں کی خون
الامة۔ ریزی سے بچ جائیں گے، لہذا آپ نے

(ج ۱۳۰ ص ۵۷)

دین اور مصالحت امت کی رعایت فرمائی۔
نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جناب معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت
باوجود باغی ہونے کے زمرہ مسلمین سے خارج نہ تھے، جیسا کہ خوارج یا روافض کا خیال
ہے یہ بھی واضح رہے کہ حضرات اہل السنۃ والجماعۃ روافض کی طرح کہ وہ اپنے ائمہ کو
معصوم سمجھتے ہیں کسی امتی کو معصوم نہیں سمجھتے بلکہ کسی صحابی سے بھی اگر کوئی غلطی ہو
جائے تو وہ غلطی کو غلط ہی کہتے ہیں اور ان کی اسلامی خدمات اور شرف صحابیت کی
بنادر پر ان کے احترام میں کوئی کمی نہیں کرتے۔

جن لوگوں نے حضرت علی سے جنگ کی انکے بارے میں اہل سنت کا عقیدہ

علامہ احمد بن علی مقریزی نے اپنی مشہور تصنیف "المخطوط والامار" میں اہل سنت کے عقائد کے
ترجمان امام ابوالحسن اشعری کا جو عقیدہ اس باب میں نقل کیا ہے اور جس پر تمام
اہل السنۃ والجماعۃ کا اتفاق ہے وہ یہ ہے۔

والأئمة مترتبون في الفضل ترتيبهم في الإمامة، ولا أقول في عائشة وطلحة والزبير رضي الله عنهم إلا أنهم رجعوا عن الخطأ، وأقول إن طلحة والزبير من الفجرة البشرين بالجنة، وأقول في معاوية وعمر بن العاص أنهما بغيا على الإمام الحق علي بن أبي طالب رضي الله عنهم فقاتلهم مقاتلة أهل البغي، وأقول إن أهل النهروان الشواة هم المارقون من الدين وإن علياً رضي الله عنه كان على الحق في جميع الأحوال، وأقول معه حيث داس

فضیلت کے اعتبار سے خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم میں وہی ترتیب ہے جس ترتیب سے وہ اس منصب رفیع پر فائز ہوئے اور حضرات عائشہ وطلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے بارے میں میں اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتا کہ ان حضرات نے اپنی خطا سے (جو جنگ جمل میں شرکت کی بنا پر واقع ہوئی تھی) رجوع کر لیا تھا اور میں اس کا قائل ہوں کہ حضرت طلحہ و زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان دس حضرات میں سے تھے کہ جن کو چیتے جی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کی بشارت دی تھی اور میں معاویہ اور عمرو بن عاص کے بارے میں یہی کہتا ہوں کہ ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی تھی جو خلیفہ برحق تھے لہذا حضرت امیر المؤمنین نے ان سے اسی طرح جنگ کی جس طرح باغیوں سے کرتی چاہیے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اہل نہروان جو اس امر کے مدعی تھے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے آپ کو بیچ دیا ہے وہ دراصل دین سے فراری تھے اور یہ بھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان تمام حالات میں حق پر تھے اور آپ نے جو قدم بھی اٹھایا حق آپ کے ساتھ تھا۔

نواصب تقیہ سے باز آئیں

افسوس ہے کہ ”مجلس عثمان غنی“ کے ناصبیوں نے سچ کو اپنا شعار بنانے کی بجائے دھن کی اتباع کو پسند کیا اور جھوٹ اور نفاق کو اپنا شعار بنایا، یہ دونوں کتا پچھے، شہادت عثمان غنی کیوں اور کیسے (۲) داستان کر بلا ”کذب کا مرقع“ ہیں، نفاق تو ظاہر ہے کہ خود کو اہل سنت والجماعت ظاہر کرتے ہیں، ان کی مسجدوں میں امام بنے ہوئے ہیں۔ حالانکہ شخصی آزادی کے اس دور میں ان کو تقیہ کی چادر اپنے سر پر ڈالنے کی ضرورت نہیں، صاف کھل کر کہنا چاہیے کہ ہم یزید و مروان کی امامت کے قائل ہیں، یزید کو حسین سے، مروان کو عبداللہ بن زبیر سے اور معاویہ کو علی مرتضیٰ سے افضل مانتے ہیں، ہمارے نزدیک علی و حسین رضی اللہ عنہما پسندیدہ شخصیتیں نہیں، اس لیے ہم ان پر طعن و تشنیع کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں، جس طرح روافض کو خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر تبرائے کرنے کا حق ہے، اسی طرح علی و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان حضرات ثلاثہ پر تبرائے کرنے کا ہم کو بھی حق ہے، ہم نے علی و آل علی کے بغض و عناد کا جھنڈا نصب کر رکھا ہے، اس لیے ہم ناصبی ہیں، تاریخ میں ناصبیوں کا یہ لقب پہلے سے موجود ہے اس میں دباثرانے اور جھگڑنے کی کوئی بات نہیں جرات کی ضرورت ہے، علاوہ کہنا چاہیے کہ مروان الحمار کے قتل پر جب مشرق سے اموی حکومت کا جنازہ نکل گیا تھا تو اس مکتب فکر کے لوگ ختم ہو گئے تھے، لیکن اب پھر بارہ سو برس کے بعد اسی مروان الحمار کی یادگار ہم لوگ بھی ہیں جو محمود احمد عباسی کی تحقیقات سے متاثر ہو کر اس کو اپنا ”امام و شیخ الاسلام“ سمجھتے ہوئے اس مکتب فکر سے وابستہ ہو گئے ہیں، لہذا ہمیں اسی نام سے جاننا اور پہچاننا چاہیے۔ اگر ان ناصبیوں نے ایسا ہی کیا اور جرات کے ساتھ بر ملا اپنے تشخص کا اظہار کر دیا تو وہ اس نفاق سے بچ جائیں گے جس میں فی الحال وہ مبتلا ہیں اور مسلمان بھی ان کا اصلی چہرہ پہچان لیں گے۔

یزید کے کثوت حدیث کی روشنی میں

اب ہم اخیر میں مشکوٰۃ شریف کی اس حدیث پر اپنی تنقید کو ختم کرتے ہیں جو "باب
الایمان بالقدر" کی فصل ثانی میں بایں الفاظ مرقوم ہے۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستہ لعنتہم
و لعنہم اللہ و کل نبی یحج اب، الزائد فی کتاب اللہ، و المكذب بقدر اللہ
و المتسلط بالجبود یعز من اذله اللہ و یذل من اعزه اللہ و المستحل
لحرم اللہ و المستحل من عقرتی ما حرم اللہ و التارک لسننی رواہ
البیہقی فی المدخل و رزین فی کتابہ۔

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ چھ آدمی ہیں جن پر میں نے بھی لعنت کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر لعنت کی اور ہر نبی مستجاب الدعوات ہوتا ہے (یہ چھ شخص یہ ہیں) اول وہ کہ جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، دوسرے وہ جو تقدیر الہی کا منکر ہو، تیسرے وہ جو جبر و ظلم سے مخلوق خدا پر مسلط ہو جائے تاکہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ذلت دی ہے اسے عزت بخشے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے اسے ذلیل کرے، چوتھے وہ جو اللہ تعالیٰ کے حرم پاک کو بے حرمت کرے، پانچویں وہ جو میری عزت کی اس حرمت کو خاک میں ملائے جو اللہ نے مکی ہے چھٹے وہ جو میری سنت کا تارک ہو اس حدیث کو امام بیہقی نے المدخل میں اور محدث مزین عبد رمی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔

(ص ۲۲)

اس حدیث کی روشنی میں اب فرمایزید کی زندگی پر نظر ڈالیے آپ کو معلوم ہو گا کہ

اس میں بہت سی لغتی باتیں جمع ہو گئی تھیں۔

(۱) اس کا فاسق و فاجر اور تارک سنت ہونا تو بہت ثابت ہے جس طرح رستم کی شجاعت، حاتم کی سخاوت مشہور ہے اس سے زیادہ یزید کا ظلم و ستم اور اس کا فسق و فجور مشہور ہے۔

(۲) وہ جبر و زبردستی سے حکومت پر مسلط ہو گیا تھا، اس نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کی ایک خلقت کو ذلیل کیا اور ناحق ان کا خون بہایا۔

(۳) اس نے نہ صرف حرم کعبہ کی بے حرمتی کی اور اس پر فوج کشی کی؛ بلکہ حرم نبوی کو بھی تین دن کے لیے اپنی فوج کے لیے باطل حلال کر دیا کہ وہ جو چاہے وہاں کرے، چنانچہ یزیدی لشکر نے تین دن تک حرم نبوی میں وہ فساد مچایا کہ چاہہا، سینکڑوں صحابہ و تابعین کے علاوہ اولاد انصار و ہاجرین کا ناحق قتل عام ہوا، لوٹ مار اور قتل و غارت گاہیہ عالم تھا کہ تین دن تک مسجد نبوی میں کوئی نماز نہ ہو سکی، چنانچہ مشکوٰۃ ہی میں ”باب الکرامات“ میں منقول ہے۔

و عن سید بن عبد العزیز قال
لما كان ايام الحرّة لم يؤذن
في مسجد النبي صلى الله عليه وسلم
ثلاثاً ولم يُقَمَّ ولم يبرح
سید بن السیب المسجد و كان
لا يعرف وقت الصلوة الا
بهمهمة يسمعها من قبر
النبي صلى الله عليه وسلم۔

حضرت سید بن عبد العزیز سے مروی ہے کہ
فتنہ حرّہ کے دنوں میں مسجد نبوی میں تین دن
تک نہ اذان ہوئی نہ اقامت، بس اکیلے حضرت
سید بن السیب تھے جو مسجد ہی میں رہے،
یہ بھی نماز کا وقت نہیں پہچانتے تھے کہ اس
ہلکی سی آواز سے جو قبر نبوی (علیہ السلام)
الصلوة والسلام سے وہ سنا کرتے تھے
اس روایت کو امام دارمی نے نقل
کیا ہے۔

معادہ الدارمی (ص ۵۲۵)

(۳) اور عزت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عزت و حرمت کو جس طرح اس نے خاک

میں لایا وہ تو زبانِ زودِ خاص و عام ہے یہی وجہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے ان کی مشہور و معروف کتاب "تاریخ الخلفاء" میں کربلاء کے حادثہ فاجعہ کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکل گئے ہیں۔

لعن اللہ قاتله و ابن زياد
معه و يزيد ايضا۔
اللہ تعالیٰ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے قاتل پر لعنت کرے اور اسی کے ساتھ ابن
(ص ۸۰ طبع مبینہ ۱۳۳۹ھ)
زیاد پر اور یزید پر بھی۔

دعا ہے کہ حق تعالیٰ محض اپنے فضل سے ہماری اس حقیر سی کوشش کو شرفِ قبولیت سے نوازے اور ایمان کے ساتھ اہل بیت و صحابہ کرام کی محبت پر ہمارا خاتمہ فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

الہی بحق بنی فاطمہ کہ بر قول ایمانی کنم خاتمہ

الحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات، ربنا تقبل منا انك انت
السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم

محمد عبدالرشید نعمانی

پنج شنبہ ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۹۷ھ

یزید کی شخصیت

اہل سنت کی نظر میں

از مولانا محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ

ناصبیت کا شجرہ خبیثہ جس کا بیج محمود احمد عباسی نے خلافت معاویہ و یزیدؓ لکھ کر بویا تھا۔ اب برگ و بار لا رہا ہے اور اس فتنہ سے متاثر لوگوں کی برائت کا یہ عالم ہے کہ خود پیش دستی کر کے اہل علم کو پھیرتے ہیں۔ ہماری نئی نسل میں جو لوگ تاریخ کے اسکار کہلاتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے سبب خود انکی رسائی اصل مآخذ و مراجع تک نہیں۔ اس لئے سب سے پہلے اس فتنہ سے ہی متاثر ہوئے عربی مدرسہ کے طلباء و اساتذہ کی اکثریت بھی علم تاریخ سے نا آشنا ہے۔ اس لئے ان کی خاصی تعداد بھی اس فتنہ کا شکار ہو گئی اور اب کیفیت یہ ہے کہ عوام تو کیا بہت سے مولوی بھی اس فتنہ کے داغی بن چکے ہیں۔

ماہ جمادی الثانیہ ۱۴۱۲ھ ہجری میں مولانا مفتی ولی حسن خان صاحب ٹونکی نے ہمیں یہ استفتاء دیکر فرمایا کہ اس کا مفصل جواب آپ تحریر کر دیجیے۔ چنانچہ مولانا کے فرمانے کے مطابق بعجلت ممکنہ اس کا جواب قلم بند کر دیا گیا۔

چونکہ استفتاء میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے بھی ایک فتویٰ کے متعلق دریافت کیا گیا تھا۔ اس لئے ہم نے سائل کو لکھا تھا کہ وہ فتویٰ ہمیں بھیج دیا جائے۔ اس کے تقریباً ایک ماہ بعد ایک مطبوعہ پمفلٹ آٹھ صفحات پر مشتمل حضرت یزید بن معاویہؓ سے متعلق ایک اہم استفتاء اور اس کا جواب، نامی ہمیں موصول ہوا

یہ پمفلٹ پہلے مجلس عثمان غنی کراچی ۲۱ سے شائع ہوا تھا۔ اور اب انجمن تحفظ ناموس لاہور سے شائع ہوا ہے۔ ہمارے پاس موصول شدہ قلمی استفادہ اور مطبوعہ پمفلٹ مضمون واحد ہے۔ البتہ سوالات میں بعض جگہ تقدیم و تاخیر ہو گئی ہے۔ اور کہیں کہیں الفاظ میں معمولی تبدیلی بھی مطبوعہ پمفلٹ میں مولوی محمد صابر، نائب مفتی دارالعلوم کراچی نانک وائرہ کے نام سے ان بارہ سوالات کے جواب میں کل یہ چند سطور درج ہیں۔

» امیرِ ینید نو من تھے۔ اور از روئے حدیث بخاری شریف: «خفوا ظہم» میں داخل ہیں۔ ان کو کافر کہنا اور لعن و طعن کرنا ہرگز جائز نہیں۔ کسی مسلمان کو بلاد ایل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر ٹوٹتا ہے۔ اس سے سخت احتیاط کرنی چاہیئے۔ ایسے نظریات رکھنے والے امام کے پیچھے بلاشبہ ناز جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم و عملنا اتم۔

اور پھر مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے نام سے "الجواب صحیح" کے

الفاظ درج ہیں۔

پہلے قلمی استفادہ کی پوری عبارت ملاحظہ فرمائیے۔ اور اس کے بعد بالتفصیل نمبر وار ہر سوال کا جواب بڑھتے جائیے۔ واللہ الہادی

محمد عبدالرشید نعمانی۔ ۶ صفر ۱۴۲۰ھ شرب جمعہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

استفتاء

کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین کہ ایک شخص مندرجہ ذیل حقائق پر
مبنی نظریات رکھتا ہے۔

اول :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ مدینۃ الروم قسطنطنیہ پر جہاد کر نیوالے
شکر کے لئے مغفرت ہے اور امیرینہ ید مرحوم اس لشکر کے کمانڈر تھے۔ لہذا اس مغفرت میں
وہ بھی شریک ہیں۔

(الف) قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اَوَّلُ جَیْشٍ مِنْ اُمَّتِیْ یَغْزُونَ مَدِیْنَةَ
قِیصرٍ مَغْفُورٌ لَہُمْ۔ (بخاری شریف جلد ۱ ص ۴۱۰)

(ب) قال محمود بن الربیع فحدثتھا قومًا فیہم ابواب الایوب الا نصاری
صاحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة التی توفی فیہا وید بن
معاویہ علیہم بأرض الروم (بخاری شریف ج ۱ ص ۱۵۸)

دوم :- بہت سے صحابہ کرام نے امیرینہ ید مرحوم سے بیعت خلافت کی۔ اور اس پر قائم رہے
منجملہ اُن کے (۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۲) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۳) حضرت عبداللہ
بن جعفرؓ (۴) حضرت نعمان بن بشیرؓ (۵) حضرت جابر بن عبداللہؓ (۶) وغیرہم۔ اگر امیرینہ ید
کافر یا فاسق و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتے تو یہ حضرات صحابہ کرامؓ اُن کے
ہاتھ پر ہرگز بیعت فرماتے۔ اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور فحوز
و بددینی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئیگا۔ اور یہ سراسر قرآن کریم کے بیان کردہ
اس وصف کے خلاف ہے جو جماعت صحابہ سے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَّہٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ وَكَوَّنَ الْاِيْمَانَ الْكَفَرَ

وَالْفُسُوقَ وَالْإِعْصِيَانَ أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاكِبُونَ (سورہ حجرات، پارہ ۲۶)

(ج) سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے امیرِ یزید کے ہاتھ پر اللہ کے رسول کی بیعت کی ہے۔ إنا قد بايعناهذا الرجل على بيع الله ورسوله۔ (بخاری شریف، جلد ۲، صفحہ ۵۳، ۱۱۰)

سوم: حضرت محمد بن حنفیہ یعنی محمد بن علی نے نہ صرف امیر موصوف کی بیعت کی بلکہ ان پر عائد کردہ الزامات شراب نوشی، ترک نماز، حدود الہی سے تجاوز کرنا وغیرہ الزامات پر زور دید فرمائی۔ کہ میں خود امیرِ یزید کے پاس رہا ہوں۔ لیکن میں نے ہمیشہ انہیں نماز اور سنت رسول پر مضبوطی سے کار بند بھلائی اور مسائل فقہ کا جو یاں پایا۔

(د) وَقَدْ حَذَرْتُهُ وَأَقَمْتُ عِنْدَهُ قِرَائَتَهُ مَوَاطِنًا عَلَى الصَّلَاةِ مَتَحَذَرًا لِلْخِيَرِيسَاءِ عَنِ الْفَقَةِ مِلَازِمًا لِلشَّيْءِ الْبِدَائِيَّةِ وَالنَّهَائِيَّةِ صفحہ ۳۲۳ بحوالہ الفتاویٰ صفحہ ۲۸۱) بلکہ آپ نے الزام لگانے والوں سے بحث و مناظرہ کیا۔

۱۔ قد مر... بن الحنفیہ فی ذالک فامتنع من ذلک اشد الامتناع وناظرهم فی یزید ورد علیہم ما اتهموه من شرب الخمر وترک...

بعض الصلوات (البدایہ والنہایہ ج ۸، ص ۲۱۸)

چہارم: سیدنا عبد اللہ بن عباسؓ کو جب سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے انتقال کی خبر ملی۔ اول توان کے لئے دعا کی۔ اور پھر امیرِ یزید کو آپ کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا۔ اور اس کے ساتھ ہی امیرِ یزید کی بیعت و اطاعت کا حکم فرمایا۔ اور خود بھی بیعت میں داخل ہو گئے۔ و ان ابنہ یزید لمن صالحی اهلہ فالزموا مجالسکوا و اعطوا...

اطاعتکم و بیعتکم فمضی فیما یصح (بلاذری الامامۃ والسیاسہ، جلد ۱ صفحہ ۳۰۳)

پنجم: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد قاضی ابوبکر بن عربیؒ فرماتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ...

کتاب الزُّہد، میں امیر یزید مرحوم و مغفور کا ذکر زُہاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرے میں بیان فرمایا ہے۔ جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔ امیر یزید کے خطبے کے چند جملے بھی نقل کئے ہیں۔ اور ساتھ ہی اُن لوگوں کو شرم دلائی ہے کہ آپ پر شراب نوشی اور فسق و فجور وغیرہ کا اترہام لگاتے ہیں۔

وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى عَظِيمِ مَنَزَلَتِهِ عِنْدَهُ حَتَّى يَدْخُلُهُ فِي جُمْلَةِ الزُّهَادِ مِنْ بَعْدِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ يَقْتَدِي بِقَوْلِهِمْ وَيَسْرِعُونَ مِنْ وَعْظِهِمْ نَعَمْ مَا أَدْخَلَهُ إِلَّا فِي جُمْلَةِ الصَّحَابَةِ قَبْلَ أَنْ يَخْرُجَ إِلَى ذِكْرِ التَّابِعِينَ فَإِنَّ هَذَا مِنْ ذِكْرِ الْمُتَدَخِّلِينَ لَهُ فِي الْخَمْرِ وَالنَّوَاعِ الْفُجُورِ لَا يَسْتَحْيُونَ الْعَوَامَ مِنَ الْعَوَامِ (فر ۲۳۳)

ششم: حجتہ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امیر یزید نے نہ تو سید حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا حکم دیا۔ اور نہ ہی اس پر رضا مند تھے۔ جو شخص اُن پر الزام لگائے۔ وہ حد درجہ اہل اور احمق ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ امیر یزید پر رحمۃ اللہ علیہ کہنا صرف بہانہ نہیں۔ بلکہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مؤمن تھے۔ اس لئے ہر ناز میں مومنین کی مغفرت الی دعائیں شامل ہیں۔
وَأَمَّا التَّرْحَمُ عَلَيْهِ فَجَانِزٌ بَلْ هُوَ مُسْتَحَبٌّ بَلْ هُوَ دَلْخُلٌ فِي قَوْلِنَا
لِكُلِّ صَلَوةٍ اللَّهُمَّ اَعْفِرْ لِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ فَإِنَّهُ كَانَ مُؤْمِنًا وَاللَّهُ
أَعْلَمُ كَتَبَهُ الْغَزَالِيُّ ۱ تاریخ ابن خلقان جلد ۱ صفحہ ۳۶۵۔

ہفتم: امیر یزید سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے داماد ہیں۔ کیونکہ سیدہ ام محمد بنت عبداللہ بن جعفر اُن کے نکاح میں تھیں۔ اس رشتے سے آپ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے بھتیجہ داماد ہوتے ہیں۔ ثمرۃ الانساب ابن خزم۔
اٹھم: سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی پوتی سیدہ ام مسکین بنت عامر بھی امیر موصی

کے جبالہ عقد میں تھیں۔ اس رشتہ سے آپ خلیفہ دوم کے پوتہ داماد ہوتے ہیں۔
 الاشراف، کتاب المعارف۔

نہم | سیدنا علی بن حسین المعروف بہ زین العابدین کربلا کے واقعہ میں موجود تھے۔ وہاں
 دمشق گئے۔ اور امیر یزید کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ بلکہ واقعات
 سے تین برس بعد واقعہ سرہ کے موقع پر امیر یزید کا حسن سلوک دیکھ کر ان کے حق میں ان
 میں دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ امیر المؤمنین یزید کو اپنی رحمت سے ڈھانکے۔ بلا ذری، ہیفاء
 ابن سعد |

دہم | واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں اموی سادات میں ہوتی رہیں
 انکی ان میں جس کے ثبوت سے کتب تواریخ و انساب پر ہیں۔

یازدہم | سیدنا حضرت امیر معاویہ رضی کی وفات کے بعد کوفہ کے ان شریر النفس لوگوں نے
 سیدنا حسین رضی کو امیر یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا۔ جن کے نام مبارک عزائم و مقامات
 کبھی سیدنا فاروق اعظم رضی اور سیدنا عثمان غنی رضی کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوئے۔ اور کبھی
 جنگ جمل اور صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوئے۔ حتیٰ کہ حضرت علی رضی
 کی شہادت اور حضرت حسن کی توبہ و تحقیر سے بھی انہیں کئے نامہ اعمال سیاہ اور دامن

و اغدار ہیں۔ اور جب سیدنا حسین رضی کو تقریباً چار ماہ کی مسلسل کوشش بصورت خط و راہ
 وفود کی بھرمار سے یہ باور کرا دیا کہ امیر یزید اُمت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں۔ بلکہ اُمت کی مست
 جماعت ان کی مخالفت سے مطمئن نہیں۔ تو اب سیدنا حسین رضی نے کوفہ کا ارادہ فرمایا۔

۱) سیدنا عبد اللہ بن عباس (۲۱) عبد اللہ بن عمر (۳۱) عبد اللہ بن جعفر (۴۰) جابر بن عبد
 ۱۵) ابو واقد اللیثی، (۶۱) محمد بن الحنفیہ وغیرہم حضرات نے حضرت حسین رضی کو اس ارادہ سے منع
 فرمایا۔ کہ وہ ایسا ہرگز نہ کریں۔ اور اپنے والد اور بھائی کے ساتھ دھوکہ بازی کر نیوالے کوفیوں

کی بات مان کر امت میں افراق و انتشار کی راہ نہ نکھولیں۔ اور اپنے آپ کو اس ہلاکت انگیز
الہام سے باز رکھیں۔ لیکن افسوس کہ آپ نے کسی کی نہ مانی۔ اور کوفیوں کے خطوط اور وفود
اور انکی طلب پر کوفہ روانہ ہو گئے۔ جب آپ کوفہ کے قریب پہنچے۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ابن مدعیان
و قادری نے وہی کچھ کیا۔ جو مذکورہ حضرات نے ماضی کی تاریخ کے پیش نظر آپ کو روکتے ہوئے
کہا تھا۔ جب آپ نے جان لیا۔ کہ امیر المؤمنین یزید کی بیعت پر تمام امت و ملت متفق ہے جس
کے فیصلے و عمل کا استخفاف ممکن نہیں۔ تو آپ اپنے ارادے سے دست بردار ہو گئے اور
پہلے موقف سے رجوع فرما کر فرج افسر عمر بن سعد کے ذریعہ کوفہ کے سامنے تین شرطیں
پیش فرمائیں۔

اول :- مجھے واپس جانے دیا جائے۔

دوم :- اسلامی سرحد پر جہاد کے لئے بھیج دیا جائے۔

سوم :- یا پھر مجھے دمشق بھیج دیا جائے۔ تاکہ میں اپنے ابن عثم (چچا زاد بھائی امیر شام) کے
اتحاد میں آجوں۔ کہ معاملہ کو اس طرح کر لوں جس طرح میرے بھائی حسنؓ نے حضرت امیر
معاویہ کے ساتھ کیا تھا۔ نامنع یدی فی یدہ (تاریخ طبری، ج ۶، ص ۲۳۵، البلد
والنہایہ، ج ۸، ص ۱۷۵، ابن اثیر، ج ۲، ص ۲۴، الاصابہ لابن حجر، ص ۱۷۱، تاریخ الخلفاء
للنیوطی، ص ۱۴۰، راس الحسین لابن تیمیہ ص ۲۰ وغیرہ)

دوازہم :- سیدنا حسینؓ را کے اس خروج کو بغاوت کا ہونا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک
اجتہاد فی سبیل اللہ ہے جس کا دور ہرگز سے بڑے شخص سے ہو سکتا ہے۔ اور
اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔
یہی وجہ ہے کہ سولے آپ کے خاندان کے چند نفوس کے کسی صحابی نے اس خروج میں
آپ کا ساتھ نہ دیا۔ حالانکہ اس وقت ہر شہر میں ہماری تعداد اصحاب کرام کی موجود تھی اور

اس لئے سیدنا حضرت حسینؑ نے حقیقت کھلنے پر امیر سیدی کی بیعت خلافت کا اعلان کیا
 وابستگی اختیار فرمائی۔ اب یہ کوئی سبائیوں کی سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل کر کے صلح
 پورا نہ ہونے دیا۔ اور امت کو اس عظیم سانحہ اور مصیبت میں مبتلا کر دیا۔ اب قیامت تک
 شاید ہی اس سے پھسکا رمل سکے۔ الحاصل ان تمام امور کو دیکھتے ہوئے۔ امیر
 مرحوم پر احسن و طعن کرنا۔ یا ان کی تکفیر و تفسیق کرنا کسی طرح مناسب نہیں۔ اور نہ ہی انہی
 واقعہ کے بلا کا ذمہ دار ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ بلکہ اس عظیم سانحہ جانکاہ کی واحد ذمہ دار کوفہ کی وہ
 پارٹی ہے۔ جن پر سیدنا حضرت حسینؑ نے مشفقین اور محبتیں کے خیر خواہانہ مشورے
 چھوڑ کر اعتماد کیا۔ اب

سوال :- یہ ہے کہ یہ باتیں کہاں تک درست یا غیر درست ہیں قطع نظر غیر مستند روایات
 روایات کے کیا یہ مذکورہ امور بالا اپنی جگہ ناقابل انکار حقائق ہیں یا نہ
 سوال :- ایسے نظریات رکھنے والے شخص کی تکفیر یا تفسیق و تضلیل جائز ہے یا نہ
 سوال :- اگر کوئی شخص ان امور کو اسلاف کرام پر زبان دراز کئے بغیر درست ماننا یا
 تو اس کی امامت درست ہے یا نہیں۔

سوال :- معلوم ہوا ہے۔ اسی استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی تائید میں ۱۴ محرم الحرام
 ۱۳۸۵ھ میں دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب (مرحوم) کی ماتحتی
 دیا جا چکا ہے۔ کیا یہ صحیح ہے۔ بقیہ بالادل القطعیہ و توسیر و ابوالاجز العظیم

فقط والسلام

ابوالارشاد محمد اسماعیل جاردی خطیب جامع مسجد مدینہ طیبہ
 سیکرٹی۔ ۱۵ کورنگی نمبر ۶، کراچی۔

۱۴ صفر المظفر ۱۴۰۰ھ، ۲۳ دسمبر ۱۹۸۰ء

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد :-

استفتاء کا اجمالی جواب

اہل عدل سے محبت اور اہل جور سے بغض اہلسنت کا طریقہ ہے۔
 امام شافعی نے فقہاء ملت امام ابوحنیفہ رحمہما اور امام محمد کے عقائد کو ایک

رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔ جو "العقائد الطحاویہ" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ بہت سے علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں۔ یہ رسالہ مصر اور ہندوستان میں بار بار طبع ہو چکا ہے۔ اور ہر جگہ دستیاب ہے۔ اور مملکت سعودیہ میں داخل در کس بھی ہے۔ اس میں ان حضرات ائمہ کا یہ عقیدہ لکھا ہے

ونحب أهل العدل والأمانة
 ونبغض أهل الجور والخيانة
 اور ہم اہل عدل و امانت سے محبت کرتے ہیں۔ اور اہل جور و خیانت سے بغض رکھتے ہیں۔

یہ وہی عقیدہ ہے جس کے بارے میں حدیث پاک میں تصریح ہے
 مَنْ أَحَبَّ لِلَّهِ وَأَبْغَضَ لِلَّهِ
 أَعْطَىٰ لِلَّهِ وَمَنْعَ لِلَّهِ فَقَدْ
 اكْتَمَلَ الْإِيمَانُ
 جس نے اللہ کے لئے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھا۔ اور اللہ ہی کے لئے دیا۔ اور اللہ ہی کے لئے نہ دیا۔ اس نے اپنے ایمان کو مکمل کر لیا۔
 (مشکوٰۃ، ج ۱، ص ۱۲)

اسی ہدایت کے مطابق یہ عقیدہ طحاویہ میں یہ بھی مصرح ہے کہ
 دَسْنُ أَحْسَنَ الْقَوْلِ فِي
 اصحاب رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم وازدواجہ
 جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، آپ کی ازواج، اور آپ کی ذریات کے بارے میں اچھی رائے رکھے

وَذُرِّيَاتِهِ فَقَدْ بَرِيءٌ مِنْ
النِّفَاقِ ص ۸

اجمالی جواب | اب سائل نے حضرت حسین اور یزید کے مابین محاکمہ کر کے جو بارہ سوالات قائم کئے ہیں۔ اور پھر ان کو حقائق کا نام دے کر یہ پوچھا ہے کہ امیر یزید پر لعن و طعن کرنا درست ہے یا نہیں۔

اس کے بارے میں اجمالی جواب تو یہ ہے کہ حضرت حسینؑ اور جملہ اہل بیت نبویؑ سے محبت رکھنا۔ اور ان کی تعظیم و تکریم کرنا تقاضائے ایمانی ہے۔ چنانچہ علامہ شیخ اجل عبدالحق محدث دہلویؒ "تکلیل الایمان" میں جو عقائد پر ان کی مشہور تصنیف ہے۔ فرماتے ہیں۔

وفاطمة، سیدۃ نساء اہل
الجنة، والحسن والحسين
سب اشباب اہل
الجنة

اور حضرت فاطمہؑ جنتی عورتوں کی
سرور ہیں۔ اور حضرت حسنؑ اور حضرت
حسینؑ جو انان جنت کے سرور
ہیں

ماہیں مسئلہ را علیحدہ در عقائد
ذکر کردہ ایم از جہت قطعیت وے
بر رعم اس نادانان کہ قطعیت بشارت
را مخصوص بعشرہ بشرہ دارند و
ہمچنان کہ علماء بر رعم رفضہ اہتمام
بشان عشرہ کردہ بہ تخصیص ذکر
کردہ اند۔ اگر بر رعم ناصبیہ اہتمام
بذکر اس سہ تن پاک و ذکر فضائل

ہم نے اس مسئلہ کو اس کے قطعی ہونے کی
بنیاد پر مستقل طور سے عقائد میں ذکر کیا ہے۔
ان نادانوں کے علی الرغم کہ جو صرف عشرہ
بشرہ ہی کے بارے میں جنتی ہونے کی
بشارت کو قطعی سمجھتے ہیں۔ اور جس طرح
کہ علماء نے روافض کے علی الرغم عشرہ
بشرہ کے اہتمام شان کے پیش نظر بالتخصیص
ان کا ذکر کیا ہے۔ اسی طرح اگر نواصب کے

اہل بیت نبوت کنند نیز مناسب علی الرغم ان تینوں حضرات کچھ بھی ذکر کا اہتمام
باشد۔ ہو۔ اور اہل بیت نبوت کے فضائل

(ص ۶۶، ۶۷ طبع مجتہائی دہلی) بھی ذکر کریں تو یہ بھی مناسب ہوگا۔
حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی "التقویٰ
الاہنیہ" میں عقائد اہل سنت والجماعت پر ایک چھوٹا سا رسالہ قلمبند فرمایا ہے
جس میں وہ فرماتے ہیں۔

وفشهد بالجنة والخير اور ہم جنت اور خیر کی شہادت دیتے
للعشرة المبشرة وفاطمة ہیں حضرات عشرہ مبشرہ اور حضرت فاطمہ
وخديجة وعائشة والحسن اور حضرت خدیجہ اور حضرت عائشہ اور
والحسين رضي الله عنهم حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ
ونؤقرهم ونعترف بعظم عنہم کے حق میں۔ اور ان کی توقیر کرتے ہیں
محلهم في الاسلام اور اسلام میں جو ان حضرات کا بلند مرتبہ
ہے۔ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ (ج ۱، ص ۱۴۸)

اور یزید سے محبت نہ رکھنا۔ اور اس کے بُرے اعمال سے نفرت کرنا۔ یہ
بھی ایمان کا مقتضی ہے اور اہل سنت کا اسی پر عمل درآمد ہے۔ چنانچہ شیخ
عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" میں یزید کے بارے
میں فرماتے ہیں۔

وبالجملة وے مبغوض ترین مردم اور مختصر یہ کہ وہ ہمارے نزدیک تمام
است نروما، وکارہا کہ ایں بدبخت انسانوں میں مبغوض ترین ہے۔ جو کام کہ اس
وہے سعادت دین امت کر وہ بدبخت منحوس نے اس امت میں کئے ہیں
بیچ کس نہ کر وہ۔ بعد از قتل امام حسین کسی نے نہیں کئے حضرت امام حسین

و امانت اہل بیت لشکر تخریب مدینہ کو قتل کرنے اور اہل بیت کی امانت کے
 مطہرہ و قتل اہل آنجا فرستادہ بعد اُس نے مدینہ پاک کو تباہ و برباد کرنے
 و بقیۃ از صحابہ و تابعین را امر بقتل اور اہل مدینہ کو قتل کرنے کے لئے لشکر
 کردہ و بعد از تخریب مدینہ امر بہندام بھیجا اور جو صحابہ اور تابعین وہاں باقی
 مکہ معظمہ و قتل عبد اللہ بن زبیر نہ کردہ رہ گئے تھے۔ اُن کو قتل کرنے کا حکم دیا
 وہم در اثنائے اس حالت از اور مدینہ طیبہ کو برباد کرنے کے بعد مکہ معظمہ کو
 دنیا بچہتم شتافتہ۔ دیگر احتمال منہدم کرنے اور حضرت عبد اللہ بن زبیر
 توبہ و رجوع او را خداوند بحق تعالیٰ کے قتل کرنے کا حکم دیا۔ اور پھر اسی اثناء
 دلہائے مارا۔ و تمام مسلمانان را از میں جیکہ مکہ معظمہ محاصرہ کی حالت میں
 محبت و موالات و سے و اعوان تھا۔ دنیا سے جہنم میں چلا گیا۔ باقی رہا یہ احتمال کہ
 انصار و سے و ہر کہ با اہل بیت نبوی شاید اس نے توبہ اور رجوع کر لیا ہو۔ یہ
 بد بودہ و بداندیشیدہ و حق ایشان خدا جانے۔ حق تعالیٰ ہمارے اور سب
 را پائمال کردہ و بالایشان براہ محبت و مسلمانوں کے دلوں کو اس کی اور اس کے
 صدق عقیدت نیست و نبودہ نگاہدار اعدان و انصار کی محبت اور دوستی سے
 و مارا، و محبتان مارا در زمرہ محبتان ایشان بلکہ ہر اس شخص کی محبت اور دوستی سے کہ
 محشور گرداند۔ و در دنیا و آخرت بر جس کا اہل بیت نبوی سے بُرا بُرا ہو۔ یا
 دین و کیش ایشان دارد، بجرمہ النبی جس نے بھی اُن کے حق میں بُرا سوچا۔ اور اُن
 و آلہ الامجاد ہمتہ و کرمہ و ہوقریب کے حق کو پامال کیا۔ نیز جس کو بھی ان کے ساتھ
 محیب آمین محبت اور صدق عقیدت نہیں ہے۔ یا
 اص اے طبع مجتہدانی دہلی، نہیں تھی۔ ان سب کی محبت اور دوستی
 سے محفوظ رکھے۔ اور ہمارا اور ہم سے

محبت رکھنے والوں، ان حضرات کے محبتیں
میں حشر فرمائے۔ اور دنیا اور آخرت میں
ان ہی حضرات کے دین و مذہب پر
رکھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور
آپ کی اولاد امجاد کے طفیل اپنے فضل و
کرم سے ہماری یہ دُعا قبول فرمائے بیشک
اللہ تعالیٰ قریب ہے۔ اور دعاؤں کو قبول
کرنی والا ہے۔ آمین

اور شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ دو حجتہ اللہ البالغہ، کے مسبحث فتن، میں
حدیث ”ثَمَّ يَشْأَدُّ عَاةُ الضَّلَالِ“، کہ پھر گمراہی کی طرف دعوت دینے والے
پیدا ہوں گے کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ودعاة الضلال يزيد بالشام اور ضلالت کے داعی شام میں یزید اور
ومختار بالعراق عراق میں مختار تھے۔

اور بحث مناقب میں فرماتے ہیں۔

ومن اترون الفاضلة اور ”قرون فاضلة“، یعنی اُن صدیوں
اتفاقاً من هو منافق أو فاسق میں بھی کہ جن کی فضیلت حدیث میں وارد
ومنها الحب جلع ويزيد بن ہے۔ بالاتفاق ایسے لوگ موجود تھے۔ کہ جو
معادیه ومختار منافق یا فاسق تھے۔ اور ان ہی میں حجاج
اور یزید بن معاویہ اور مختار کا شمار ہے۔

یہ تو ہوا احب سہالی جواب، اور اب تفصیل سے نمبر وار اپنے شبہات کے جواب

ملاحظہ کیجئے۔

ماصبیوں کے شہادت کے تفصیلی جوابات

پہلا شبہ

جو مستفتی کو پیش آیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جنگ

قسطنطنیہ کے سلسلہ میں بخاری شریف میں حسب ذیل

دو روایتیں مذکور ہیں۔

(الف) اقل جیش من اُمتی

یخزون مدینة قیصر مغفور

لہم

ب قال محمد بن الربیع

فحدثنا قومنا فیہم ابویوب

النصاری صاحب رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم فی غزوة

التي توفي فیہ یزید بن معاویہ

علیہم بارض الروم

میری امت کا یہ لشکر جو قیصر کے
شہر پر حملہ آور ہوگا۔ اس کی مغفرت کر دی
گئی ہے۔

محمود بن ربیع کا بیان ہے کہ پھر میں

نے اس کا ذکر کچھ لوگوں کے سامنے کیا جن

میں اس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی

حضرت ابویوب النصاریؓ بھی تھے۔

یہ اس غزوہ کا واقعہ ہے کہ جس میں حضرت

ابویوب النصاریؓ کی وفات ہوئی اور

یزید بن معاویہ، روم میں اس وقت فوج

کا امیر تھا۔

غرض یزیدؓ جس لشکر کا کمانڈر تھا اس لشکر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اگر مستفتی دوسری حدیث پر غور کرتے۔

تو سرے سے یہ اشکال ہی پیش نہ آتا کیونکہ

اسی حدیث میں یہ بھی وارد ہے کہ

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فان اللہ قد سخر علی کتب

من قال لا الہ الا اللہ یتغی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا

کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ

کو حرام کر دیا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی

بِذَلِكَ وَجَّهَ اللَّهُ

رہنا جوئی کے لئے لا الہ الا اللہ، کہا۔

اب ظاہر ہے کہ یہ حدیث اسی صورت پر محمول ہے کہ سداق دل سے
لا الہ الا اللہ، کہنے کے بعد اس کے تقاضے بھی پورے کرے۔ یہ نہیں کہ بس ایک
مرتبہ اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ تو سوخون معاف ہو جائیں۔ اب جو چاہے
کرنا پھرے۔ تعجب ہے کہ مستفتی نے یزید کی منقبت میں اس حدیث کو کیوں
نہیں پیش کیا۔ حالانکہ عزوہ قسطنطنیہ کی حدیث میں تو صرف دو معذور ہم کے الفاظ
میں۔ اور اس حدیث میں صراحتاً دوزخ کے حرام ہونے کی تصریح ہے۔ پس جو
تاویل یا تشریح حدیث مذکور اب کی ہوگی۔ وہی تشریح حدیث مذکور الف
کی ہوئی چاہئے۔

احادیث کے مجموعے سے پتہ چلتا ہے کہ بہت سے اعمال خیر پر مغفرت کی
بشارت ہے۔ اور اس کا مطلب آج تک کسی عالم کے ذہن میں یہ نہیں آیا کہ بس
اس عمل خیر کے بعد جنتی ہونا لازمی ہے۔ اور اب ظلم کی کھلی چٹائی سے جو چاہے کرے
جنت اس کے لئے واجب ہے۔

خوب سمجھ لیجئے کسی شخص کا نام لیکر اسے جنتی کہنا اور بات ہے۔ اور کسی عمل خیر پر جنت
یا مغفرت کی بشارت دینا الگ چیز ہے۔ حضرات عشرہ مبشرہ اور سیدنا حسن رضا اور سیدنا
حسین رضی اللہ عنہم کا نام لے کر آنحضرتؐ نے ان کو جنتی فرمایا ہے۔ لیکن یزید کا
نام لیکر اس کو جنتی ہونے کی بشارت کہیں نہیں دی گئی۔ کسی روایت کے عموم میں
داخل ہونا اور چیز ہے۔ اور کسی بشارت میں مخصوص طور پر نامزد ہونا اور بات ہے
بیشک اس حدیث میں غازیان مدینہ قیصر کے لئے مغفرت کی بشارت ہے جیسا
کہ غازیان ہند کے لئے۔ لیکن اس سے ہر غازی کا اس وقت تک جنتی ہونا لازم نہیں
آتا۔ جب تک کہ اس کی زندگی اعمال خیر پر ختم نہ ہو۔ ٹھیک ہے یزید عزوہ قسطنطنیہ

میں شریک ہوا۔ لیکن اس غزوہ میں شرکت کے بعد جب اس کو اقتدار نصیب ہوا تو اس کے بیشتر اعمال ایسے تھے جو لعنت ہی کے موجب تھے۔

ابن خلدون نے اپنی خوش فہمی سے حدیث کا یہی مطلب سمجھا تھا کہ جب کلمہ طیبہ پڑھ لیا گیا۔ تو پھر گناہوں کی کھلی چھٹی ہے۔ اور جس طرح کفر کے بعد کوئی طاعت مقبول نہیں۔ اسی طرح ایمان کے بعد پھر کوئی معصیت مضر نہیں ہوتی یہی ”مرجسہ“ کا مذہب ہے۔ جو ایک گمراہ فرقہ ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیر نے ”البدایہ والنہایہ“ میں جہاں مسند احمد کی یہ دو روایتیں نقل کی ہیں۔

۱۱) یزید بن معاویہ اس لشکر کا امیر تھا۔ جس کے غازیوں میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ شامل تھے۔ اور جب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی وفات کا وقت قریب ہوا۔ تو یزید اپنی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے یزید سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: ”جب میں مر جاؤں تو لوگوں کو میرا سلام کہنا۔ اور ان کو یہ بتا دینا کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ

من مات لا یشرک باللہ
شیئاً دخل الجنة
جس شخص کی موت اس حال میں واقع ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا تھا تو جنت میں داخل ہوگا۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ممدوح نے وفات کے وقت فرمایا۔

قد كنت كملت عنكم شيئاً سمعته
من رسول الله صلى الله عليه وسلم
سمعته يقول: لو لا انكم
تذنبون لخلق الله قومًا يذنبون
فيغفر لهم
میں نے تم سے ابھی تک ایک حدیث چھپا رکھی تھی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی۔ میں نے آپ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ اگر تم گناہ نہ کرتے ہوتے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم پیدا کرتا کہ جو گناہ کرتی۔ اور پھر

حق تعالیٰ انکی مغفرت فرمائے

وہاں ان دونوں حدیثوں کے نقل کرنے کے بعد حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

ان هذا الحديث والذي قبله هو الذي حمل يزيد بن معاوية على اطراف من الارجاء وركب بسببه افعالا كثيرة انكرت عليه كما سنذكره في ترجمته والله تعالى اعلم۔

یہ حدیث اور اس سے پہلے والی حدیث جو گزری، اسی نے یزید بن معاویہ کو ارجاء کی طرف ڈال دیا، اور اس کے باعث اس نے ایسے بہت سے کام کر ڈالے جن کی بناء پر اس پر نکیر کی گئی۔ جیسا کہ ہم اس کے تذکرہ میں عنقریب ذکر کریں گے۔ آگے اللہ تعالیٰ

خوب جانتا ہے۔

(ج ۸، ص ۵۹)

اب اگر سائل بھی یزید کی طرح اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور مرتبہ کے مذہب میں داخل ہے، تو اس کو دوسری حدیث، ہی یزید کی فضیلت کے لئے کافی ہے۔ کہ چونکہ وہ کلمہ گو تھا، اس لئے ایمان لانے کے بعد اب کسی گناہ پر اس کی پکڑ نہیں ہو سکتی۔ سب گناہ معاف ہیں۔ شیعیان بنی امیہ کا بھی یہ مذہب تھا، کہ وہ امام اور خلیفہ کے حسنات مقبول ہیں، اور گناہ سب معاف۔ اس کی اطاعت طاعت و معصیت دونوں میں واجب ہے، اور اگر سائل اہل سنت میں داخل ہے، تو جو تاویل اس حدیث کی ہوگی، وہی حدیث غزوہ فسططینیہ کی ہوگی

پھر حدیث اول میں غور کرنے کی سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جہاد کے لئے تصحیح نیت ضروری ہے۔ یعنی جو جہاد بھی کیا جائے، وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اعلیٰ کلمہ اللہ کے لئے ہو، اور اپنے ذوق و شوق سے ہو۔ یہ نہیں کہ دوسرے کے دباؤ میں آکر ناخوش دلی سے جنگ میں شریک ہو جائے۔ اور صرف امارت کے خیال سے روانہ ہو جائے۔ یزید کے ساتھ یہی صورت ہوئی، کہ وہ اس جہاد میں شریک

ہونے کے لئے بالکل تیار نہ تھا۔ اور جہاں تک بن سکا۔ اس نے ٹال مٹول کی کوشش کی۔ بلکہ جب مجاہدین کرام محاذ پر تھے۔ اور وہاں مختلف قسم کی مشقتیں برداشت کر رہے تھے۔ و باد اور فسط میں مبتلا تھے۔ تو یہ بڑے ٹھانڈے سے اپنے عشر تکدہ میں بیٹھا ہوا اپنی بیوی کے ساتھ داد عیش دے رہا تھا۔ اور مجاہدین کا مذاق اڑا رہا تھا۔ حضرت امیر معاویہؓ کو جب اس کی اس حرکت کی خبر ہوئی۔ تو آپ نے سختی کے ساتھ حکم دے کر بجبر اس کو محاذ پر روانہ کیا۔ اس سارے واقعہ کی تفصیل تاریخ ابن خلدون (ج ۲، ص ۲۰) اور کامل ابن اثیر میں موجود ہے۔ چنانچہ حافظ مورخ ابن الاثیرؒ نے اس کے واقعات کو ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فی هذه السنة وقيل سنة خمسين
میر معاویہؓ جیشاً کثیفاً الی بلاد
الرّوم للغزاة وجعل علیہم سفیان
بن عوف وامر ابنہ یزید بالغزاة
معہم فتاقل واعتل فامسک
عنه ابوہ فاصاب الناس فی
غزائہم جوع ومرض شدید
فانشد یزید یقول:

اور اسی سنہ میں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سنہ
میں حضرت معاویہؓ نے جہاد کے لئے ایک بڑا
بھاری لشکر بلاد روم کی طرف روانہ کیا۔ اور
اس لشکر کا امیر سفیان بن عوفؓ کو مقرر کیا۔ اور
اپنے بیٹے یزیدؓ کو بھی اس غزوہ میں شرکت کا حکم
دیا۔ مگر یزیدؓ نے تعمیل حکم میں ہستی کی اور معذرت
کر دی۔ یہ دیکھ کر اس کے والد نے بھی اس کو
رہنے دیا۔ وہاں جنگ میں لوگ بھوک اور
شدید مرض کا شکار ہوئے۔ تو یزیدؓ نے یہ
شعر کہے۔

ما ان أبالی بما لاقت جموعہم
بالغذ قد وند من حتی ومن موئم

مجھے کچھ پروا نہیں کہ غزوہ روم میں مسلمانوں کا فوجی کمپ (پ) میں مسلم مجاہدین
کے دستہ ہائے فوج کو بخارا اور چیمک کا سامنا ہے۔

۱۔ قسطنطنیہ کے قرب و جوار میں ایک مقام کا نام ہے۔

اِذَا اَتَاكَ عَلَى الْاَتْمَاطِ مَرْتَفَعًا بدیرمزان عندی اتم کلتوم
جیکرین دیرمزان میں اتم دل پر اونچے اونچے تکیوں کے سہارے بیٹھا ہوں۔ اور میرے
سامنے اتم کلتوم ہے۔

اتم کلتوم امراءہ ہی ابنہ عبد
اللہ بن عامر فبلغ معاویۃ شعرہ
فانقسم علیہ لیل حِقْنِ بسفیان
فی ارض الروم لیصیبہ ما اصاب
الناس فصار رومہ جمع کثیر
اضافہم والیہ ابوہ وکان
فی ہذا الجیش ابن عباس
وابن عمرو، وابن الزبیر وابو
ایوب الانصاری وغیرہم۔ و
عبد العزیز بن زرارۃ الکلابی
فاوغلوا فی بلاد الروم حتی
بلغوا القسطنطینیۃ کامل
ابن الاثیر جلد ۳، صفحہ ۱۸۱، ۱۸۲

اتم کلتوم یزید کی بیوی عبد اللہ بن عامر
کی بیٹی تھی۔ حضرت معاویہ کو جب اس کے ان
اشعار کی اطلاع ہوئی۔ تو انہوں نے اُس کو قسم
دیکر بتا لیا کہ اُسے روم میں سفیان کے
پاس پہنچنا ضروری ہے تاکہ وہ لوگ جس
مصیبت میں گرفتار ہیں۔ یہ بھی گرفتار ہو اب
جو یہ روانہ ہوا۔ تو اس کے والد ماجد نے ایک
انبوہ کثیر کا اس کے ساتھ اضافہ کر دیا۔ اسی
لشکر میں حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ
حضرت ابن زبیرؓ اور حضرت ابوالیوبؓ انصاریؓ وغیرہ
بھی تھے۔ اور عبد العزیز بن زرارہ کلابی بھی۔
چنانچہ یہ لوگ بلاد روم میں گھسے ہی چلے گئے
تاکہ تیزی کے ساتھ ملغار کرتے ہوئے
قسطنطینیہ تک جا پہنچے۔

یہ ہے یزید کے غزوہ قسطنطینیہ میں شرکت کی حقیقت، واقعہ یہ ہے کہ یزید سیرد
شکار، شعر و شاعری، غنا اور موسیقی کا متوال تھا۔ وہ جہاد کے جھنڈے میں جانے
والد ماجد کی زندگی میں پڑنا چاہتا تھا۔ اور نہ اپنے ایام خلافت میں چنانچہ عہدہ
خلافت کے سنبھالنے پر سب سے پہلا خطبہ جو اُس نے دیا۔ وہ یہ تھا

ان معاویۃ کان یغزیکم فی
البحر وانی لست حاملاً لحد من
المسلمین فی البحر و ان معاویۃ
کان یشتیکم بارض الروم
ولست مشتباً الحد بارض
الروم و ان معاویۃ کان
یخرج لکم العطاء اثلاثاً و انا
اجمعہ لکم حکمہ۔

(البدایہ والنہایہ، جلد ۸، صفحہ ۱۲۳)

یکبارگی دیا کروں گا

بس پھر کیا تھا۔ یہ خوشخبری سن کر حاضرین، دربار یزید سے اس حال میں لوٹے کہ

وحم لا یفضلون علیہ احداً وہ یزید سے بڑھ کر کسی کو نہیں سمجھتے تھے۔

۱۷۔ اس آخری جملہ پر حیات سیدنا یزید کے مصنف نے جو حاشیہ چڑھایا
بے پڑھنے کے قابل ہے۔ لکھتے ہیں:-

۱۸۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ — سیدنا یزیدؒ اپنے والد ماجد سیدنا
معاویہؒ کی وفات کے بعد، امیر المؤمنین کی حیثیت سے پہلا خطبہ
دیکر فارغ ہوئے۔ تو اجتماع میں موجود صحابہ اور ہم عصر تابعین کی
پسندیدگی کا یہ عالم تھا۔

فافترق الناس عنه وهم لا یفضلون علیہ احداً۔

(البدایہ والنہایہ، ج ۸، ص ۱۲۳)۔

۱۹۔ لوگ تقریرِ حسن کر ان کے پاس سے گئے۔ تو ان کا یہ حال تھا کہ وہ سیدنا

یزیدؒ پر کسی دوسرے آدمی کو فضیلت نہیں دیتے تھے، (باقی آئندہ صفحات پر)

اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ریزید کی شرکت عزوہ قسطنطنیہ میں کس بناء پر تھی۔ تاہم تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ وہ خالصاً مخلصاً اپنے شوق سے بغیر اپنے والد ماجد کے حکم کے اس عزوہ میں شریک ہوا۔ تب بھی یہ بشارتِ مغفرت اس شرط کیساتھ مخصوص ہوگی کہ پھر اس سے زندگی میں ایسے افعال سرزد نہ ہونے ہوں۔ کہ جن سے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۲۰

اسلامی خلافت کے مرکزی شہر - دمشق - میں اس عظیم اجتماع کے موقع پر سیدنا یزید کے ساتھ عوام و خواص کی جانب سے پسندیدگی و عقیدت کا یہ اظہار، صرف اس لئے تھا کہ حلم و عدل کے پیکر سیدنا معاویہؓ کی ابدی جدائی پر الم انگیز تقریر کے الفاظ نے انہیں ایسا کرمے پر مجبور کر دیا تھا۔ بلکہ اعتماد و محبت کا مظاہرہ کرنے والے یہ وہ حضرات صحابہ اور تابعین کرام تھے جنہوں نے بچپن سے لے کر جوانی کی موجودہ منزل تک امیر یزید کے شب و روز کا براہ راست مشاہدہ کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ دینی ماحول میں پوششِ سفید لینے والا یہ باصلاحیت اور صاحبِ کردار نوجوان مسلمانوں کے اجتماعی معاملات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قیادت و امارت کی ذمہ داریوں سے عہدہ براہ منہ کی استعداد رکھتا ہے انہیں سیدنا یزید کی شخصیت میں ایک ایسا قائد اور خطہ کی جھنک و کھانی دست رہی تھی جو فاروقی عزم و ارادہ کے ساتھ متحد و مرتبہ قائدِ صلاحیت کے وہ غیرسانی نقوش ثبت کر چکا تھا جن کی یاد اور جذبہ تشکر نے چھوٹے بڑے تمام مبصر نظرات کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ سیدنا یزید کی خدمت میں عقیدت و محبت اور اعتماد کا یہ بے مثال نذرانہ پیش کریں کہ لایفصلون علیہ اعداء۔

(مس ۴۷، ۴۸ شائع کردہ و مجلس عثمان غنی، کراچی ۱۰)

مغفرت کی بجائے اُلٹا لعنت خداوندی میں گرفتار ہو جائے۔ کیونکہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ: العبرة بالخواتیم، یعنی اعتبار خاتمہ کا ہے۔

اسی لئے شاد ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دو تراجم ابواب بخاریء میں فرمایا ہے کہ:

قوله "مغفور لهم" تمتح حصور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس حدیث میں

ما شاء اللہ ما شاء اللہ چشم بد دورہ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔
اپنے سید ممدوح یزید کو جہاد کی معطلی پر صحابہ اور تابعین کرام کی زبان سے خوب نذرانہ عقیدت پیش کرایا۔ اللہ ہی برا دے۔ "مجلس عثمان غنی" کے محققین کا ایک تحقیقی رنگ یہ بھی ہے۔

غور فرمائیے! یہ ناصبی اپنے سید یزید کی مسخ شدہ شکل و صورت کو اپنی خود ساختہ خرافات کے رنگ و روغن سے آراستہ کر کے کس طرح لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یزید نے اپنے پہلے خطبہ میں ہجری جہاد کو معطل کرنے کا اعلان کیا۔ سرمانی

جہاد کو موقوف کیا۔ سرکاری فوج کو جو وظیفہ سال میں تین قسطوں میں ملا کرتا تھا اب اکٹھا دینے کا وعدہ کیا۔ ظاہر ہے ان انعامات پر یزید کے وفادار فوجی جتنی بھی خوشحال مناتے کم تھیں۔ صحابہ کرام اور تابعین کو تو عبث بدنام کیا۔ وہ کب جہاد کی معطلی پر یزید کی تعریف کر سکتے تھے۔ اُن کے لئے تو یہ اعلان سولہاں رُوح سے کم نہ ہوگا۔ یہ تعریف کرنے والے تو وہی لوگ تھے جن کو نہ قبل حسینؑ میں کوئی باک تھا نہ انصاء مدینہ کا سر قلم کرنے میں کوئی جھجھک اور نہ حریمِ محترمین کی عزت کو خاک میں ملانے میں کوئی عار۔ ہاں، یزید پر تعریف کے یہ ڈونگرے برسانے والے وہی دین فروش سگان دنیا تھے جو سو سو دینار کے عوض بلکہ بعض روایات کے مطابق تو محض چار اشرفیوں کے بدلے مسند ہجری میں یزید کے حکم سے مدینۃ الرسول

بعض الناس بهذا الحديث
في نجات يزيد لأنه كان من جملة
هذا الجيش الثاني بل كان
رأسهم رئيسهم على ما يشهد
به السواربيخ والصحيح أنه
لا يثبت بهذا الحديث إلا
كونه مغفوراً له ما تقدم من
ذنبه على هذه الغزوة

لأن الجهاد من الكفارات
وشأن الكفارات إزالة آثار الذنوب
السابقة عليها لا الواقعة بعدها
نعم لو كان مع هذا الكلام أنه
مغفور له إلى يوم القيمة لدل
على نجاته وأذليس فيس

و مغفور لهم، فرمانے سے بعض لوگوں نے
یزید کی نجات پر استدلال کیا ہے کیونکہ وہ
بھی اس دوسرے لشکر میں نہ صرف شریک
بلکہ اس کا افسر و سربراہ تھا جیسا کہ تاریخ
شہادت دیتی ہے اور صحیح بات یہ ہے
کہ اس حدیث سے صرف اتنا ثابت ہوتا
ہے کہ اس غزوہ سے پہلے جو اس نے
گناہ کئے تھے وہ بخش دیئے گئے۔

کیونکہ جہاد کفارات میں سے ہے اور کفارات
کا کام یہ ہے کہ وہ سابقہ گناہوں کے اثر کو
زائل کر دیئے ہیں۔ بعد میں ہونے والے گناہوں
کے اثر کو نہیں۔ ہاں اگر اسی کے ساتھ یہ بھی فرما دیا
ہوتا کہ قیامت تک کے لئے اس کی
بخشش کر دی گئی ہے تو بیشک یہ حدیث

ایک حاشیہ گزشتہ

چڑھ دوڑے اور تین دن تک اس پاک سرزمین پر قتل و غارت کا وہ بازار گرم کیا
کہ پناہ نہ ملے۔ انصارِ مدینہ صحابہ کرام و تابعین کی ایک خلقت تہ تیغ کر دی گئی۔
سارا شہر لوٹ کھسوٹ کر رکھ دیا۔ اور پھر بھی جی ٹھنڈا نہ ہوا۔ تو کعبے پر چڑھ دوڑے
اس کا محاصرہ کیا۔ اور منجنيق سے اس پر گولہ باری کر کے اس کی بنیادیں ہلا دیں
یہ ہے اس کتاب کی تحقیق کا ایک نمونہ۔ یزید پسند جیسے موذی کو جو لوگ
دستہ نام، کہتے ہیں۔ ان سے سچ بولنے کی توقع ہی فضول ہے۔

بل امره مفوض الى الله تعالى
 فيما ارتكبه من القبائح بعد
 هذه الغزوة من قتل الحسين
 عليه السلام وتخریب المدینة
 والاصرار علی شرب الخمر
 ان شاء عفا عنه وان شاء
 هدبه كما هو مطرد فی حق
 سائر العصاة علی ان الاحادیث
 الواردة فی شان من استغفرت
 بالعترة الطاهرة والملحد
 فی الحرم والمبدل للسنة تبقى
 مختصات لهذا العموم لو
 فرض مشموله لجميع الذنوب
 (شرح تاجم: باب البخاری
 ص ۳۱، ۳۲) شائع کردہ کارخانہ تجارت
 کتب آرام باغ کراچی۔

اس کی نجات پر دلالت کرتی، اور جب یہ صورت
 نہیں تو نجات بھی ثابت نہیں بلکہ اس صورت
 میں اس کا معاملہ حق تعالیٰ کے سپرد ہے، اور
 اس غزوہ کے بعد جن جن برائیوں کا وہ مرتکب
 ہوا ہے، یعنی حضرت حسینؑ کو قتل کرنا، مدینہ
 طیبہ کو تاراج و برباد کرنا، جسے خواری پر اصرار
 کرنا، ان سب گناہوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ
 کی مرضی پر موقوف ہے، وہ چاہے تو معاف
 کر دے، اور چاہے تو عذاب دے، جیسا کہ
 تمام گنہگاروں کے بارے میں یہی طریقہ
 جاری ہے، علاوہ انہیں وہ احادیث جو ان
 لوگوں کے بارے میں آئی ہیں کہ جو حضورؐ
 کی عزت ظاہرہ کی ناقدری کرتے، اور حرم
 کی حرمت کو پامال کرتے اور سنت نبویؐ کو
 بدل ڈالتے ہیں، وہ سب حدیثیں بالقرائن
 اس حدیث میں اگر دو معفرت عام، بھی
 مراولی جائے جب بھی اس کے عموم کی
 تخصیص کے لئے باقی رہیں گی۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے جس حدیث کا ذکر فرمایا ہے، وہ
 درج ذیل ہے۔
 ستة لعنتهم ولعنهم الله
 چھ اشخاص ہیں جن پر میں نے لعنت کی ہے

وَلَمْ يَنْبِیْ مَجَابِلُ الزَّائِدِ فِي
کِتَابِ اللَّهِ، وَالْمَكْذَبِ بِقَدَرِ
اللَّهِ تَعَالَى وَالْمُسْلَطِ بِالْجَبْرِ
فَيُعْزِبُذَ الْكَفِّ مِنْ أَذْلِ اللَّهِ وَ
يَذِلُّ مِنَ اعْزَالِ اللَّهِ وَلِلَّسَّاعِلِ الْحَرَمِ لِلَّهِ
مِنْ عَتَرَتِي مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَالنَّارُكَ
لِسُنَّتِي (۱) ك. عَنْ عَائِشَةَ
كَ عَنْ ابْنِ عَسَرَ (الْمَفْتَحُ
الْبَيْرُ فِي ضَمِّ التَّوْبِيَا، الْحِ
الْجَابِيَةِ الصَّغِيرِ) اَزْ يَوْسُفَ نَهْرَانِي
(ج ۲، ص ۱۵۵، مطبوعه مصر)

اور سنی تعالیٰ نے بھی اُن پر لعنت کی ہے۔ اور
ہر نبی مستحارب ہے۔ ۱۱۔ کِتَابُ اللَّهِ میں زیادتی
کرنی والا (۲) تقدیر الہی کی تکذیب کرنی والا۔ (۳)
جبر و زور سے تسلط حاصل کر کے جس کو اللہ
تعالیٰ نے ذلیل کیا ہے اُسے اعزاز بخشنے
والا اور جسے اللہ تعالیٰ نے عزت دی ہے
اُسے ذلیل کرنی والا۔ ۴۔ حرم الہی کی حرمت کو
پامال کرنی والا۔ (۵) میری عترت کی جو حرمت اللہ
تعالیٰ نے رکھی ہے۔ اسکو حلال کر دینے والا
۶۔ میری سنت کا تارک۔ اس حدیث کو امام
ترمذی نے اور حاکم نے مستدرک میں حضرت
عائشہؓ سے روایت کیا۔ نیز حاکم نے اس کو
حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بھی نقل

کیا ہے۔

اسی حدیث کو مشکوٰۃ شریف میں بھی "باب الایمان بالقدر" کی وہ فصل ثانی
میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کر کے لکھا ہے کہ۔
روا البیہتی فی المدخل و دذین اس حدیث کو بیہقی نے المدخل میں اور
رزین نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے
فی کتابہ
یہ تو نہیں معلوم کہ یہ تقدیر کا بھی منکر تھا۔ یا نہیں مگر باقی چاروں عجیب اس میں
موجود تھے۔

(۱) وہ وھولس و باؤ اور جبر و زور سے امت مسلمہ پر مسلط تھا۔ اہل بیت نبوی

صحابہ کرام جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک معزز ترین خلائق ہیں۔ اُن کی توہین و تذلیل کرنے میں اُس نے کوئی کسر اٹھانہ رکھی مفسدین اور شریر لوگ جنہوں نے حرمین محتریں پر چڑھائی کی۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا۔ جیسے علیہ السلام نے زیاد، عمر بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، حجر بن عقیبہ، حصین بن نمیر وغیرہ ایسے خبیث اور ظالم افراد اس کے نزدیک معزز و محترم تھے۔

(۲) اس نے حرم الہی کی حرمت کا کوئی پاس و لحاظ نہیں رکھا۔

(۳) عسکرت پیغمبر علیہ السلام کی عزت کو خاک میں ملایا۔ اور

(۴) تارک سنت تو تھا ہی۔

بہر حال یہ اگر تسلیم بھی کرایا جائے کہ یہ اس بشارت میں شامل تھا جو غزوہ قسطنطنیہ میں شرکت کرنے والوں کے حق میں وارد ہے۔ تب بھی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق زیادہ سے زیادہ یہ ماننا پڑے گا کہ اس کے اب تک کے گناہ معاف کر دیئے گئے تھے، یہ غزوہ مؤرخین کے بیان کے مطابق ۱۵۹۹ء یا بعض کی تصریح کے مطابق ۱۵۹۸ء یا ۱۵۹۷ء میں ہوا تھا۔ اس غزوہ کے بعد یزید تقریباً ۱۲ - ۱۱ - ۱۰ اب زندہ رہا۔ اور اس مدت میں اس نے جو جو برائیاں کیں۔ اور جس جہنم قباٹ کا ارتکاب کیا۔ ہے۔ اُن میں اس کی مے نوشی، شہدائے کربلا کا بے دروانہ قتل، مدینہ منورہ کی تاراجی، درپردہ اور بارہ صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام اور پھر مدینہ منورہ پر ۲۱ کی فوجوں کی چڑھائی وغیرہ۔ ان سب گناہوں کے کفار کی آخری اسویرت ہونا، غزوہ قسطنطنیہ کے بعد یزید سے جو کراہت ناشائستہ سرزد ہوئی ہیں۔ اُن کا مختصر جائزہ امام ابوہریرہ رحمہ اللہ پر

کے الفاظ میں پیش خدمت ہے، ملاحظہ فرمائیے:-

ويزيد امير المؤمنين وكان
قبيح الاثار في الاسلام قتل
اهل المدينة وفاضل
الناس وبقية الصحابة
رضي الله عنهم يوم الحرة
في آخر دولته - وقاتل الحسين
رضي الله عنه واهل بيته
في اول دولته - وحااصر ابن
الزبير رضي الله عنه في
المسجد الحرام واستخف
بحرمة الكعبة والاسلام
فامات الله في تلك الايام
وقد كان عزاً في ايام أبيه
القسطنطينية وحاصرها
الجمهر انساب العرب ص ۱۱۲، مطبوعه
دار المعارف مصر ۱۳۸۲ھ

اور اپنی دوسری تصنیف ”اسماء الخلفاء والاولاد و ذکر مدہم“
میں ارسام فرمائی ہیں۔

لہٰذا، اس مقام پر غام سب جہاں انہ مار مدینہ اور یزیدی لشکر کے درمیان معرکہ آرائی ہوئی تھی۔

زیويع يزید بن معاوية ؓ اذ
مات ابوه: يکني ابا خالد ^{ممتنع}
من بيعته الحسين بن علي بن
ابي طالب وعبد الله بن الزبير
بن العوام: فاما الحسين عليه
السلام والرحمة.

فنهض إلى الكوفة فقتل قبل
دخولها، وهو الثالثة محاسب
الاسلام بعد امير المؤمنين
عثمان اور اربعها بعد عمر بن
الخطاب رضي الله عنه و
خرومه لان المسلمين

استضمروا في قتله ظلماً علانية
واما عبد الله بن الزبير فامتجأ
بمكة فبقي هناك إلى ان اغذى
يزيد الجيوش إلى المدينة
حرم رسول الله صلى الله
عليه وسلم وإلى مكة
حرم الله تعالى. فقتل بقلبا
المهاجرين والا نصاري
الحرة وهي أيضاً اکبر مصائب

يزید بن معاویہ سے اس کے والد کے انتقال
ہونے پر بیعت کی گئی، اس کی کنیت
ابو خالد تھی۔ حضرت حسین بن علی بن ابی طالبؓ
اور عبد اللہ بن زبیر بن العوامؓ نے اس
سے بیعت کی۔ پھر حضرت حسین علیہ السلام
والرحمہ کو کوفہ کی طرف نہضت فرما ہو گئے
اور کوفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی
آپ کو شہید کر ڈالا گیا۔ آپ کی شہادت
امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
کی شہادت کے بعد اسلام میں تیسری
مصیبت اور حضرت عمر بن الخطابؓ کی شہادت کے بعد چوتھی مصیبت اور
اسلام میں رخنہ اندازی ہے۔ کیونکہ حضرت
حسینؓ کی شہادت سے مسلمانوں پر عظیم
ظلم توڑا گیا اور حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ
رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ جا کر حواری بنی
میں پناہ لی۔ اور وہیں مقیم ہو گئے۔
تھا آنکہ یزید نے مدینہ نبوی حرم رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مکہ معظمہ کی طرف
جو اللہ تعالیٰ کا حرم ہے، اپنی فوجیں لڑنے
کے لئے بھیجیں۔ چنانچہ سحرہ کی جنگ میں

الاسلام ونحرومه لان اقال
 المسلمين وبقية الصحابة
 وخيار المسلمين من جلة
 التابعين قتلوا جواراً
 ظلماً في الحرب وصبراً
 وجالت الخيل في مسجد
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم وراثت وبالت في
 الروضة بين القبر و
 المنبر ولم تصل جماعة
 في مسجد النبي صلى
 الله عليه وسلم ولا كان
 فيه أحد حاشا سعيد بن
 المسيب فانه لم يفارق
 المسجد ولولا شهادة عمر
 بن عثمان بن عفان
 ومروان بن الحكم
 عند مجرم بن عقبة الموي
 بانه مجنون لقتله و
 اكرو الناس على ان يباحوا
 يزيد بن معاوية على

مہاجرین اور انصار جو باقی رہ گئے تھے۔
 ان کا قتل عام کیا۔ یہ حادثہ فاجعہ بھی
 اسلام کے بڑے مصائب اور اس میں
 رخنہ اندازنی میں شمار ہوتا ہے۔ کچھ نہ
 افاضل مسلمین، بقیہ صحابہ اور اکابر تابعین
 میں بہترین مسلمان اس جنگ میں کھلے
 دھڑے ظلماً قتل کر دئے گئے اور گرفتار
 کر کے ان کو شہید کر دیا گیا۔ یزیدی لشکر
 کے گھوڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کی مسجد میں جولانی دکھاتے رہے۔ اور
 "ریاض الجنۃ" میں آنحضرت صلی اللہ
 علیہ وسلم کی قبر اور آپ کے منبر مبارک
 کے درمیان لید کرتے اور پیشاب کرتے
 رہے۔ ان دنوں مسجد نبوی میں کسی ایک
 نماز کی بھی جماعت نہ ہو سکی۔ اور نہ بجز
 حضرت سعید بن المسيب کے وہاں کوئی
 فرد موجود تھا۔ انہوں نے مسجد نبوی کو
 بالکل نہ چھوڑا۔ اگر عمر بن عثمان بن عفان
 اور مروان بن الحکم (یزیدی) الا لشکر
 مجرم مسلم ابن عقبہ کے سامنے یہ شہادت
 نہ دیتے کہ یہ تو دیوانہ ہے۔ تو وہ ان کو بھی

انهم عبيد له ، ان شاء
 باع وان شاء اعتق ، و
 ذكر له بعضهم البيعة
 على حكم القرآن
 وسنة رسول الله صلى
 الله عليه وسلم فامر
 بقتله فضرب عنقه
 صبرا وهتك مسرور
 او مجرم الاسلام هتكا
 وانهب المدينة ثلاثا
 واستخف باصحاب
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم ومدات الادي اليهود انتهبت
 دورهم وانتقل هؤلاء الخ
 مكة شرفها الله تعالى
 فحوصرت وراف
 ابنت بحجارة
 المنجنيق قولى ذالك
 الحصين بن قيس السكوني
 في جيوش اهل الشام ،
 وذالك لان مجرم بن

ضرور مار ڈالتا اور اس نے اس حادثہ میں
 لوگوں کو اس پر مجبور کیا کہ وہ یزید بن معاویہ
 سے اس شرط پر بیعت کریں کہ وہ
 اس کے غلام ہیں چاہے وہ ان
 کو بیچے چاہے ان کو آزاد کرے
 اور جب ان کے سامنے ایک
 صاحب نے یہ بات رکھی کہ ہم
 قرآن اور سنت رسول اللہ صلی اللہ
 علیہ وسلم کے حکم کے مطابق بیعت
 کرتے ہیں تو اس نے ان کے
 قتل کا حکم دیا اور ان کو گرفتار کر کے
 فوراً قتل کر دیا گیا۔ اس مسرور
 یا مجرم مسلم بن عقبہ نے اسلام
 کی بڑی بے عزتی کی۔ مدینہ منورہ میں
 تین دن برابر لوٹ مار کا سلسلہ جاری
 رہا، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
 وسلم کے صحابہ کو ذلیل کیا گیا ان پر
 دست درازی کی گئی ان کے گھر
 کو لوٹا گیا (مدینہ طیبہ کو تباہ و تاراج
 کرنے کے بعد) یہ فوج مکہ معظمہ
 شرفی اللہ تعالیٰ کی طرف چل پڑی

عقبۃ المری مات بعد
 وقعة الحرة بثلاث
 لیل وولی محکمانہ
 الحصین بن نمیر، واخذ
 اللہ تعالیٰ یزید اخذ عزیز
 مقتدر فمات بعد الحرة
 باقل من ثلاثة اشهر
 وازید من شهرين
 وانصرف الجيوش
 عن مكة - ومات یزید
 فی نصف ربيع الاول
 سنة اربع وستين
 وله نيف وثلاثون
 سنة امه ميسون
 بنت بحدل الكلبيّة
 وكانت مدته ثلاث
 سنين وثمانين اشهر
 وایا ما فقط - ۱ ص ۳۵۷
 ۳۵۸ طبع مصر

وہاں جا کر کہ معطلہ کا محاصرہ کیا
 گیا اور بیت اللہ پر منجنیق سے
 سنگباری کی گئی۔ یہ کام حصین
 بن نمیر کی سرکردگی میں شام کے
 لشکروں نے انجام دیا جس کی وجہ
 یہ تھی کہ مجرم بن عقبہ مری کو تو جنگ
 حرۃ کے تین دن بعد ہی موت نے
 آدھو چاٹھا اور اب اس کی جگہ سالار
 لشکر حصین بن نمیر ہو گیا تھا اور اللہ
 تعالیٰ نے یزید کو بھی اسی طرح دھڑ
 پکڑا جس طرح وہ غالب قدرت
 والا پکڑا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ بھی
 واقعہ حرۃ کے بعد تین ماہ سے کم اور
 دو ماہ سے زائد کی مدت میں موت
 کے منہ میں چلا گیا اور یزیدی لشکر
 مکہ معظمہ سے واپس چلے گئے۔ یزید
 کی موت ۱۵ ربيع الاول ۶۴۲ھ ہجری
 کو واقع ہوئی، اس وقت اس کی
 عمر کچھ اوپر بیس سال تھی اس کی ماں
 کا نام ميسون بنت بحدل کلبيہ تھا،
 یزید کی مدت حکمرانی کل تین سال

خلاصہ بحث یہ ہے کہ

اول تو یزید غزوہ قسطنطنیہ میں بخوشی خاطر شریک ہی نہیں ہوا، جو وہ اس بشارت کا مستحق ہو اور اگر بالفرض یہ مان لیا جائے کہ وہ بغیر کسی جبر و اکراہ کے خود دل سے اس غزوہ میں شریک ہوا تھا تب بھی اس بشارتِ مغفرت کا تعلق اس کے ان گناہوں سے ہوگا۔ جواب تک اس سے سرزد ہوئے تھے، اور جو معاصی اور جرائم اس "غزوہ قسطنطنیہ" میں شریک ہونے کے بعد اس سے سرزد ہوئے ہیں ان کی مغفرت کا اس بشارت سے کوئی تعلق نہیں وہ اس کے ذمہ باقی ہیں اور اگر کسی کج فہم کو اب بھی اس پر اصرار ہو کہ حدیث میں مذکورہ مغفرت کا تعلق اس کے تمام گناہوں سے ہے، اور اس غزوہ میں شرکت کرنے والے ہر فرد کے تمام گناہ پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے ہیں اور مذکورہ مغفرت سے بر فرد کی مغفرت عام مراد ہے تو یہ محض غلط ہے اور اس مغفرت کے عام معنی کے لیے وہ حدیث کافی ہے جو ابھی آپ کی نظر سے گذری ہے۔ اور اس کی روشنی میں یزید کے سیاہ کار ناموں کی تفصیل بھی آپ پڑھ چکے۔ اب ایسے نابکار کے جنتی ہونے پر اصرار کرنا کس قدر شدید غلطی ہے۔ ناصبیوں کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ہمدوح یزید کو خلیفہ راشد مانیں، اس کے جنتی ہونے کا اعتقاد رکھیں بلکہ جیسا کہ بعض جاہل ناصبیوں کا عقیدہ تھا اس کو صحابی سمجھیں یا اس کی نبوت کا اقرار کریں مگر لیکن

اہل حق میں سے کوئی شخص بحالتِ صحت ہوش و حواس یزید کے ان سیاہ کارناموں کے باوجود اس کے جنتی ہونے کی کیسے شہادت دے سکتا ہے۔

یزید جیسے فاسق کی سرکردگی میں بھی جہاد ہو سکتا ہے

ماں علماء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ ضرور نکالا ہے کہ ہر فاسق کی سرکردگی میں جہاد ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

اس سے یہ ثابت ہوا کہ جہاد ہر حکمران کی معیت میں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ حدیث غازیہ یا ان شہرِ قیصر کی تعریف پر مشتمل ہے حالانکہ اس غزوہ کا امیر یزید بن معاویہ تھا۔ اور یزید تو یزید ہی تھا۔ کہ اس کی نابکاری و فلالہ لُقی

وفیه مشروعية الجهاد مع کل امام لتضمنه الشاء علی من خزا مدینة قیصر و کان امیر تلك الغزوة یزید بن معاویہ و یزید یزید۔

(فتح الباری - جلد ۱۱ ص ۶۵)

(بقیہ ماثیہ گذشتہ صفحہ)

ناصبی جاہلوں کی ایک جماعت اس یزید کو صحابی خیال کرتی ہے اور بعض غالی ناصبی اس کو نبی بھی مانتے ہیں۔

فطائفة من الجہال یظنون یزید هذا من الصحابة وبعض ضلالتهم یجعلہ من الانبیاء۔

ارج - ۴ ص ۱۷۹ مطبع امیرہ بولاق مصر

سنہ ۱۲۲ ہجری

غیبت ہے ہمارے دور کے ناصبی ابھی اس مقام تک نہیں پہنچے بلکہ وہ یزید کو صرف عبید راۓ سمجھتے ہیں اور سیدنا کہہ کر اس کی خدمت میں آدابِ بیجا لاتے ہیں۔

معلوم خاص و عام ہے

اور امام ابو بکر احمد بن علی ابی حنبلہ "احکام القرآن" میں فرماتے ہیں :-

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب
خلفاء اربعہ کے بعد فاسق امراء
کے ساتھ بھی جہاد میں شریک
ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت
ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ
نے یزید لعین کی معیت میں بھی
جہاد فرمایا ہے۔

وقد كان اصحاب النبي
صلى الله عليه وسلم يغزون
بعد الخلفاء الاربعة
مع الامراء الفساق وغدا
أبو أيوب الأنصاري مع
يزيد اللعين -

(رج - ۳ ص ۲۷)

"مدینہ قیصر" سے مراد قسطنطینیہ
نہیں، بلکہ حمص ہے۔

اور یاد رہے کہ ساری بحث اس
صورت میں ہے جب کہ ہم اس

حدیث میں جو "مدینہ قیصر" کے الفاظ آتے ہیں اس سے "قسطنطینیہ" ہی
مراد لیں ورنہ اگر "مدینہ قیصر" شہر مراد لیا جائے کہ جو اس وقت قیصر کا
دار السلطنت تھا کہ جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک
پر بشارت کے یہ الفاظ تھے تو ساری بحث ہی ختم ہو جاتی ہے کیونکہ اس
صورت میں "مدینہ قیصر" سے مراد "قسطنطینیہ" نہیں بلکہ حمص ہے چنانچہ
شیخ الاسلام محمد صدر الصدور دہلی شرح بخاری میں فرماتے ہیں

اور بعض علماء کی تجویز یہ ہے کہ
شہر قیصر سے مراد وہی شہر ہے کہ حال
قیصر اس روز تھا کہ جس روز آنحضرت

و بعضے تجویز کنند کہ مراد مدینہ
قیصر "مدینہ" باشد کہ قیصر و آنجا بود
روزے کہ فرمود ایل حدیث را

نحضرت، وآن حص است کہ در
آن وقت دارمملکت او بود۔

واللہ اعلم

اشرح فارسی صحیح بخاری از شیخ الاسلام

مطبوعہ برنامشیہ تبیر القاری ج ۲۰ ص ۶۹

طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ ہجری

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم نے یہ
حدیث فرمائی تھی اور یہ شہر حص تھا
جو اس وقت قیصر کا دارالسلطنت
تھا۔ واللہ اعلم۔

اب پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ اس وقت قیصر کا دارالملک "حص" نہیں
بلکہ قسطنطنیہ ہی تھا اور اس عہد میں جب بھی "مدینہ قیصر" کے الفاظ استعمال
ہوتے تھے اس سے مراد شہر قسطنطنیہ ہی جاتا تھا پھر اس دعویٰ کو ثابت کرنے
کے لیے لغت عرف، اشعار عرب اور آثار و احادیث سے سند لانا ضروری
ہے محض دعویٰ سے کام نہیں چلتا۔

صحیح بخاری میں نیز یہ
کی مذمت میں حدیثیں

یہ بھی واضح ہے کہ صحیح بخاری میں یزید کے بارے
میں بس یہی ایک حدیث نہیں ہے کہ جس کو مستفتی
نے استفہام میں درج کر دیا ہے بلکہ اور بھی متعدد روایات
موجود ہیں جن میں یزید کی بدکرداری اور بداطواری کی پوری طرح نشاندہی کر دی
گئی ہے، یزید کے بارے میں فیصلہ کرتے وقت ان روایات کو بھی نظر میں رکھنا
چاہیے۔ یہ روایات حسب ذیل ہیں:-

پہلی حدیث

(۱) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:-

حفظت عن رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم وعائین

میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے دو طرفہ علم یاد کیا ہے،

لم يثبت على الاحاديث التي
 فيها تبين أسامي امراء
 السوء واحوالهم وزمنهم
 وقد كان ابو هريرة يكتفي
 عن بعضه ولا يصرح به
 خوفاً على نفسه منهم
 كقوله: "اعوذ بالله من رأس
 الستين وإمارة الصبيان"
 يشير الى خلافة يزيد بن
 معاوية لأنها كانت سنة
 ستين من الهجرة و
 استجاب الله دعاء أبي
 هريرة فمات قبلها
 بسنة.

فتح الباری ج ۱۰ ص ۱۹۳ طبع میرٹھ

مصر ۱۳۰۰ھ

جس کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ نے اشاعت نہ کی ان احادیث
 پر محمول کیا ہے جن میں امراء
 (بدکردار و نابکار حاکموں) کے ناموں
 کی تفصیل، ان کے حالات اور زمانے
 کا بیان تھا حضرت ابو ہریرہ رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ ان نالائق صمرانوں میں
 سے بعض کا ذکر اشارہ کنایہ میں کر دیا
 کرتے تھے مگر صراحتاً ان کا نام نہیں
 لیتے تھے کہ کیسے وہ ان کو جان سے
 نہ مار ڈالیں، چنانچہ فرمایا کرتے تھے
 کہ "میں اللہ تعالیٰ سے شہادت کے
 شروع ہونے اور لونڈوں کی حکومت
 سے پناہ مانگتا ہوں" یہ یزید بن معاویہ
 کی بادشاہی کی طرف اشارہ تھا کہ وہ
 سنہ ہجری میں قائم ہوئی اور حق
 تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ کی دعا قبول بھی فرمائی چنانچہ
 وہ یزید کے بادشاہ ہونے سے ایک
 سال پہلے ہی دنیا سے رحلت فرما
 گئے۔

دوسری حدیث | امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الصحیح "میں ایک باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ ہیں -

باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہلاک امتی علی

یدی اُمّیلة من قریش

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان کہ "میری امت کی ہلاکت قریش کے

چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی"

اور پھر اس باب میں یہ حدیث نقل کی ہے :

حدثنا موسى بن اسمعيل

حدثنا عمرو بن يحيى بن سعيه

بن عمرو بن سعيد قال اخبرني

جدي قال كنت جالساً مع

ابي هريرة في مسجد النبي

صلى الله عليه وسلم بالمدينة

ومعنا مروان قال ابو هريرة

سمعت الصادق المصدق

يقول "هلكة امتي على يدي

علمة من قریش" فقال

مروان لعنة الله عليهم

علمة فقال ابو هريرة لو شئت

ان اقول بني فلان

بني فلان فعلت، فقلت

عمرو بن يحيى بن سعيد بن عمرو بن سعيد

کہتے ہیں کہ مجھے میرے دادا جان

نے بتلایا کہ مدینہ شریف میں حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ

مسجد نبوی میں بیٹھا ہوا تھا، اس وقت

مروان بھی ہمارے ساتھ تھا کہ حضرت

ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا

میں نے صادق و مصدق صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے

سنا ہے کہ "میری امت کی ہلاکت

قریش کے چند لونڈوں کے ہاتھوں ہو

گی" اس پر مروان کی زبان سے

نکلا "خدا کی ان پر لعنت ہو، لونڈے

ہوں گے" حضرت ابو ہریرہ رضی

اخرج مع جدی الی بنی مران
 حین ملکوا بالشام فاذا
 رآهم غلمانا اُحدائاً
 قال لنا عسی هؤلاء
 یکونوا منهم قلنا انت
 اُعلم -

اللہ تعالیٰ عنہ کہنے لگے کہ اگر میں بتانا
 چاہوں کہ فلاں فلاں کے لڑکے ہوں
 گے تو بتا بھی سکتا ہوں۔ (عمر و کا
 بیان ہے کہ) پھر میں اپنے دادا جان
 کے ساتھ جب بنی مروان کی حکومت
 شام پر قائم ہوئی تو ان کے یہاں جایا
 کرتا تھا اور دادا جان جب ان کو
 لونڈوں کو دیکھتے تو فرمایا کرتے کہ
 غالباً یہ وہی لوگ ہیں (جن کے متعلق
 حضرت ابوہریرہؓ نے بتایا تھا) ہم یہ
 سن کر کہتے آپ کو خوب معلوم ہے

میری امت کی تباہی قریش کے
 چند لونڈوں کے ہاتھوں ہوگی

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے
 فتح الباری میں تصریح کی ہے کہ امام

بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمۃ الباب میں جس حدیث کا حوالہ دیا ہے وہ مسند احمد
 اور ابن نسائی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یاسی الفاظ مروی ہے
 ان فساد اُمتی علی یدی
 غلمۃ سفہار من قریش -
 میری امت کی تباہی قریش کے
 چند بے وقوف لونڈوں کے ہاتھوں
 ہوگی۔۔

(ج ۱۳ - ص ۸)

اس ہلاکت اور فساد کی تشریح جس کا
 ذکر صحیح بخاری کی ان حدیثوں میں

لونڈوں کی حکومت کی کیفیت

آپ کی نظر سے گذرا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی ایک دوسری روایت میں جس کو علی بن ابیحد اور ابن ابی شیبہ نے مرفوعاً روایت کیا ہے، ان الفاظ میں مذکور ہے۔

اعوذ باللہ من امارۃ
الصبيان۔ قالوا وما امارۃ
الصبيان؟ قال ان اطعتموهم
هلكتم، وان عصيتموهم
اهلكوكم۔

فتح الباری (ج ۱۲ - ص ۸)

”میں اللہ کو نڈوں کی امارت سے پناہ مانگتا
ہوں“ حاضرین نے عرض کیا: لوندوں
کی امارت کیا معنی؟ فرمایا یہ کہ اگر تم نے
ان کی اطاعت کی تو ہلاک ہوئے کہ
دین برباد ہوا، اور اگر تم نے ان کی
نافرمانی کی تو وہ تمہیں ہلاک کر کے
چھوڑیں گے (یعنی تمہیں جان سے
مار ڈالیں گے یا تمہارا مال لوٹ لیں
گے یا تمہاری جان و مال دونوں تباہ
کر کے رکھ دیں گے)۔

۱۔ آپ اس حدیث کو سامنے رکھتے ہوئے، حافظ شمس الدین ذہبی نے
میزان الاعتدال میں شمر بن ذی الجوشن کا جو تذکرہ لکھا ہے وہ پڑھیے، فرماتے
ہیں۔

شمر بن ذی الجوشن ابو السابقہ ضبابی،
اپنے باپ سے روایت کرتا ہے، اور
اس سے ابو اسحاق سبیعی۔ یہ اس کا اہل
نہیں کہ اس سے روایت لی جائے۔ کیونکہ
(بقیہ صفحہ پر)

شمر بن ذی الجوشن أبو
السابقہ الضبابی عن أبيه
وعنه أبو اسحاق السبيعي ليس
بأهل للرواية فإنه أحد قتلة

نیز ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ

(بقیہ سابقہ گذشتہ صفحہ)

الحسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، وقد
تسلطت أوثان الصخر ، وروى
ابو بكر بن عياش عن أبي اسحق
ثان كان شمر يصلي معنا ثم
يقول : اللهم انك تعلم اني
مشریت فاغفر لي قلت :
كيف يغفر الله لك وقد اعنت
على قتل ابن رسول الله صلى الله
عليه وسلم قال : يحك فكيف
نصنع ؟ ان امرأنا هؤلاء
أمرونا بأمر فلم نخالفهم
ولو خالفناهم كنا مشركين
هذه الحصر الشقاء -
قلت ان هذا العذر
قبیح فانما الطاعة في
المعروف -

(ج - ۱ ص ۲۴۹ - طبع

مصر ۱۳۲۵ھ)

❖ ❖ ❖

یہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
تألیفین کا ایک فرد تھا ، شمر کو فحشاء کے ذریعہ
نے قتل کیا ، ابو بکر بن عیاش ، ابو اسحاق
سے راوی ہیں کہ شمر ہمارے ساتھ نماز
پڑھتا اور پھر یوں دعا کرتا کہ "اے اللہ
تو جانتا ہے کہ میں ایک شریف آدمی ہوں
اس لیے مجھے بخش دے اس پر میں نے
اس سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تجھے کیوں بخشتے
لگا تو نے تو ابن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے قتل میں اعانت کی ہے
کنے لگا ، تجھ پر فسوس ! پھر ہم کیا کریں
رہا راکھا بس تھا ، ہمارے ان حاکموں نے
ہمیں ایک حکم دیا تھا ہم نے اس کی نفی
نہ کی ، اور اگر ہم ان کی مخالفت کرتے
تو ان بد نصیب گدھوں سے بھی بدترین
بن جاتے -

حافظ ذہبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے

ہیں کہ یہ عسکرِ مطہر ، اطاعتِ نور

نیک کام ہی ہوا کرتی ہے ۔

ان اباھریۃ کان یمشی فی
السموت ویقول اللھم لاتدرکنی
سنتہ ستین ولا یمارۃ
الصیبان -

فتح الباری ج ۱۳ - ص ۸

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
بازار میں جاتے جاتے یوں دعا کرتے
لگتے "اے اللہ مجھے سنتہ کا زمانہ
نہ آنے پائے اور نہ لونڈوں کی ہمارت
کا"

امت کو تباہ کرنے والے لونڈوں
میں یزید کس فرست ہے

لکھتے ہیں :-

وفی ہذا اشارۃ الی ان اول
الغیلۃ کان فی سنتہ
ستین و شوکذا ان
فان یزید بن معاویۃ یتخلف
فیہا وبقی الی سنتہ اربع
وسنین فمات -

فتح الباری ج ۱۳ - ص ۸

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی اس حدیث میں اس طرف اشارہ
ہے کہ ان لونڈوں میں سب سے
پہلا لونڈا اسلمہ میں برسر اقتدار آیا
جو بالکل واقع کے مطابق ہے۔ کیونکہ
یزید بن معاویہ اسی سلمہ میں بادشاہ
بنا اور پھر سلمہ موت تک زندہ رہ کر مر گیا

اور پھر مزید افادہ یہ فرماتے ہیں کہ :

"اس روایت سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
اس روایت کے عموم کی بھی تخصیص ہو جاتی ہے جس کو ابو زر عری
ان سے نقل کیا ہے اور جو باب علامات النبوة میں بایں الفاظ گزر چکی

مروان کا ان مفسد لونڈوں پر لعنت کرنا | نیز اس باب کے ختم پر حافظ ابن حجر عسقلانی

علیہ الرحمہ نے جو تنبیہ فرمائی ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ فرماتے ہیں۔

(تنبیہ) یتعجب من

لعن مروان الغلمة

المذكورین مع ان الظاهر

انهم من ولده فكانت

الله تعالیٰ أجرى ذالك

على لسانه ليكون اشد

في الحجة عليهم لعلمهم

بمفظون ،

وقد وردت احادیث

في لعن الحكم والد مروان

وما ولد اخرجوها

الطبرانی وغيره غالبها

فيه مقال و بعضها

جيد و لعل المراد

تخصیص الطیلة المذكورین

بذالك۔

(ج - ۱۳ ص ۹)

(تنبیہ) تعجب ہوتا ہے کہ مروان

نے ان مذکورہ لونڈوں پر لعنت

کی حالانکہ ظاہر یہ ہے کہ وہ اس کی

اولاد ہی میں ہوئے ہیں۔ پس گویا

حق تعالیٰ شانہ نے یہ بات اس کی

زبان سے کسوا دی تاکہ ان لونڈوں

پر سخت حجت قائم ہو جائے اور یہ

اس بات سے وہ کچھ نصیحت کریں

اور ہاں مروان کے باپ حکم

اور اس کی اولاد پر حدیثوں میں لعنت

وارد ہوئی ہے ان حدیثوں کو طبرانی

وغیرہ نے روایت کیا ہے جن میں

سے اکثر روایات ہیں گفتگو کی

گنجائش ہے مگر ان میں سے بعض

روایات جید بھی ہیں اور غالباً لعنت

ان ہی لونڈوں کے ساتھ مخصوص ہے

جن کا ذکر حدیث بخاری میں آتا ہے

یزید کے دور میں صحابہ و تابعین پر مظالم | غرض قریش کے چند نوخیز
لوندے جن کے ہاتھوں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی ہے
ان سب میں اول نمبر یزید پلید کا ہے، چنانچہ اس کی ولی عہدی کی سلسلہ
جنبانی کے آغاز سے لے کر اس کے مرتے دم تک اس عہد کے اخبارات
صحابہ و تابعین پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹے اور ان کی جس طرح توہین و تہلیل
کی گئی اور ان کے ساتھ قتل و غارت کا جو معاملہ ہوا۔ اس سے تاریخ اسلام
کے اوراق پر ہیں اور صحیح بخاری میں اس سلسلہ کے جو واقعات غمنا آگئے
ہیں وہ یہ ہیں :-

(۳۴) حدثنا موسى بن اسماعيل

قال حدثنا ابو عوانة عن

أبي بشر عن يوسف بن مازك

قال كان مروان على الحجاز

استعمله معاوية فخطب

فجعل يذكّر يزيد بن

معاوية لکی یبایع له بعد

ایہ ، فقال له عبد الرحمن

بن أبي بكر شيئاً فقال خذوه

فدخل بيت عائشة

فلم يقدرُوا ، فقال

مروان ان هذا الذي

یوسف بن مازک کا بیان ہے کہ
مروان، حجاز کا گورنر تھا، جس کو امیر
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہاں
کا عامل مقرر کیا تھا اس نے خطبہ
دیا جس میں یزید بن معاویہ کے متعلق
ذکر کرنے لگا تاکہ اس کے باپ کے
بعد اس کے لیے بیعت لے لی جائے
اس پر حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے مروان سے
کچھ کہا تو اس نے ابراہیم و خنہ جو کمر
اپنے کارندوں کو حکم دیا کہ اس شخص
کو گرفتار کر لو یہ سن کر حضرت عبد الرحمن

انزل فیہ " وَالَّذِي قَالَ
لِوَالِدَيْهِ أَفِئَتٍ لَّكُمَا
أَتَقِدَا رِبِّي ۚ فَقَالَتِ
عَائِشَةُ مِنْ حِوَارِ الْجَبَابِ
مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِينَا شَيْئًا
مِنَ الْقُرْآنِ إِلَّا أَنْ اللَّهُ
أَنْزَلَ عَذْرَى

(صحیح بخاری ج ۲۰ ص ۵۷)
کتاب التفسیر، سورہ اہقان

بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بہن
ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ فخریہ
اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ میں گھس گئے
اور مروان کی پولیس کا ان پر قابو نہ
چل سکا۔ اب مروان (جھلڑ کر) بولا
یہ وہی شخص تو ہے جس کے بارے
میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی
تھی " اور جس شخص نے اپنے ماں
باپ کو کہا میں بیزار ہوں تم سے کیا تم مجھ
کو وعدہ دیتے ہو؟ الخ حضرت
ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا
نے (جب مروان کی یہ غلط بیانی
سنی تو) پردے کے پیچھے ہی سے
جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری ہمت
میں تو قرآن پاک میں کچھ نازل نہیں
کیا ہے ماں اللہ تعالیٰ نے میری برکت
اور پاکدامنی کی آیتیں ضرور نازل
فرمائی ہیں۔

امام بخاری کی اس روایت میں جو اجمال ہے اس کی تفصیل مستخرج
اسماعیلی میں اسی سند کے ساتھ بایں الفاظ مذکور ہے :-
فأراد معاوية أن يستخلف معاوية رضي الله تعالى عنه في إرادته

یزید یعنی ابنہ فکتب
 اِلٰی مروان بذالک فجمع
 مروان الناس فخطبهم
 و ذکر یزید و دعا اِلٰی
 بیعتہ ، و قال اِنَّ اللہ
 اَرٰی امیر المؤمنین فی
 یزید ما اَیّا حسنا وان
 یتخلفہ فقد استخلف
 ابو بکر و ع مر۔

کیا کہ اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ بنائیں
 تو مروان کو اس کے بارے میں لکھا
 اب مروان نے لوگوں کو جمع کر کے
 خطبہ دیا اس میں یزید کا ذکر کر کے
 اس کی بیعت کی دعوت دی، اور کہنے
 لگا اللہ تعالیٰ نے امیر المؤمنین کو یزید
 کے بارے میں اچھی رائے سمجھائی
 ہے۔ اب اگر وہ اس کو خلیفہ بناتے
 ہیں تو ابو بکر و عمر بھی خلیفہ بنا چکے ہیں

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر کا
 مروان کو برسر منبر ٹوکنا
 سب سے پہلے حضرت صدیق اکبر رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے ہی کو دنیا چاہیئے تھا، چنانچہ حسب توقع انہوں
 نے نہایت جرأت سے کام لے کر بڑی بے باکی سے سلطان حابر کے سامنے
 کلمہ حق کی ادائیگی کے فریضے کو انجام دیتے ہوئے فرمایا :-
 ماہی الا ہرقلیۃ ۔
 یہ تو ہرقلؑ کی اتباع کے سوا کچھ
 نہیں ۔

اور حافظ اسماعیلی کی دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں :-

فقال مروان سنة ابی
بکرو وعمر فقال عبد الرحمن
سنة هرقل وقيصر

مروان کہنے لگا یہ ابو بکر اور عمر کی سنت
ہے ۔ اس پر حضرت عبد الرحمن رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا (نہیں بلکہ)
ہرقل و قیصر کی رسم ہے ۔

اور مسند ابی یعلیٰ اور تفسیر ابن ابی حاتم میں عبد اللہ مدنی کی زبانی اس واقعہ
کی یہ تفصیل مروی ہے :-

كنت في المسجد حين
خطب مروان فقال ان
الله قد ادى أمير المؤمنين
رأيا حسنا في يزيد ، وان
يستخلفه فقد استخلف
ابو بكر وعمر ، فقال
عبد الرحمن هرقلية
ان ابا بكر والله ما جعلها
في احد من ولده ، ولا
في اهل بيته ، وما
جعلها معاوية الاكرامة
لولده ۔

جس وقت مروان نے خطبہ دیا میں
مسجد نبوی میں موجود تھا کہنے لگا اللہ
تعالیٰ نے امیر المؤمنین (معاویہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہ) کو یزید کے بارے میں عہدہ
رائے بھائی ہے ۔ اگر اس کو خلیفہ بناتے
ہیں تو ابو بکر و عمر بھی بنا چکے ہیں ۔
اس پر حضرت عبد الرحمن رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا یہ تو ہرقل کا طریقہ
ہے واللہ ابو بکر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)
نے اپنی اولاد میں کسی کو خلافت
منہیں سوچی اور نہ اپنے خاندان میں
سے کسی کو خلیفہ بنایا ، مگر معاویہ تو
بس اپنے بیٹے کو اعزاز بخشا چاہتے
ہیں ۔

حضرت عائشہ کا مروان کو جھوٹا کہنا | ظاہر ہے اس حق بات کو سننے کی تاب مروان میں کہاں تھی،

فؤا الزام تراشی پر اتر آیا اور ان کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا آخر جیسا کہ محدث اسماعیلی کی روایت میں آتا ہے حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کہنا پڑا۔

كذب والله ما ازلت فيه۔
واللہ مروان جھوٹ بکتا ہے یہ آیت
عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے
میں نازل ہی نہیں ہوئی۔

مروان کی حضرت عائشہ سے سخت کلامی | مسند ابویعلیٰ میں یہ بھی آتا ہے کہ پھر مروان منبر سے

اُتر کر حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سخت کلامی کرنے لگا اور اپنے بھی اس کو ویسے ہی جواب دیئے آخر واپس چلا گیا۔

حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر صدیق | اب ذرا غور کیجئے، مروان کی یہ تقریر کہاں ہو رہی ہے، منبر نبوی سے، مسجد نبوی میں، روضہ رسول

معاویہ اور ابوسفیان سے افضل ہیں
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے، یزید کی ولی عہدی کی بیعت لینے کے لیے اس پر افتراء پردازی کا یہ عالم ہے کہ اس ولی عہدی کی رسم کو حضرات شخیص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی سنت بتلا رہا ہے۔ اور حضرت عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب اس کو ٹوکتے ہیں کہ یہ ابو بکر و عمر کی سنت نہیں ہے بلکہ ہرقل اور قیصر کی رسم ولی

عہدی ہے تو گزرتا ہے الزام تراشی کرتا ہے، کتاب اللہ کے بارے میں جھوٹ بولتا ہے، ذرا نہیں سوچتا کہ کہاں ہوں، کس مقام سے بول رہا ہوں، کس سے مخاطب ہوں یہ کس باپ کے بیٹے ہیں، حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سگے بھائی تھے۔ یہ یزید تو کیا چیز ہے اس کے والد ماجد معاویہ اور جد امجد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی نہیں قرآن افضل ہیں مکیونکہ جناب معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے والد ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو مولفۃ القلوب تھے فتح مکہ کے موقع پر اسلام لائے "طلاق" میں ان کا شمار ہے۔ اور عبدالرحمن رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلح حدیبیہ کے زمانے میں فتح مکہ سے بہت پہلے مشرف بہ اسلام ہو کر ہجرت فرمائے مدینہ ہو چکے تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خیبر کی آمدنی میں سے ان کے لیے چالیس وسق سالہ خیرا کا وظیفہ مقرر کر دیا تھا۔ ابن کثیر نے ان کے بارے میں لکھا ہے "کان من سادات المسلمین" (یہ مسلمانوں کے اکابر ہیں سے تھے) اور "کان معظما بین اہل الاسلام" (اہل اسلام میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے) اب جس کی ولی عہدی کے سلسلے میں اکابر صحابہ کی اس طرح توہین کی جائے اس کی بادشاہی کے دور میں کیا کچھ نہ ہوگا؟

عبدالرحمن بن ابی بکر کا معاویہ کی رقم کو واپس کر دینا | عاقلانہ کثیر
اس نے زبیر بن بکاء

سے بسند نقل کیا ہے کہ اس واقعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک لاکھ درہم حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خدمت میں بھیجے مگر

حضرت ممدوح نے یہ کہہ کر ان کے مہینے سے انکار کر دیا کہ اب بیع دینی
بدنیا ہی؟ کیا میں اپنی دنیا کے عوض اپنے دین کو بیچ ڈالوں؟
آخر کار اکابر صحابہ کے پر زور احتجاج کے باوجود ان کی مرضی کے برخلاف
یزید راج سنگھاسن برہمان ہو جاتا ہے، اور امت محمدیہ پر ہلاکت کا طوفان
امٹا آتا ہے، رجب ستہ ہجری میں یزید بادشاہ بنا، اور اسی سال ماہ رمضان
میں یزید اپنے چچا زاد بھائی ولید بن عقبہ بن ابی سفیان کو مدینہ منورہ کی گورنری سے معزول
کر کے اس کی جگہ عمرو بن سعید اشقی کا تقرر کرتا ہے۔

یزید کا گورنر مدینہ کو اس لیے معزول کرنا کہ
اس نے حضرت حسین و ابن زبیر پر سختی نہ کی تھی

ولید کا قصور یہ تھا کہ اس
نے بیعت کے معاملہ میں
حضرت حسین و حضرت
عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر وہ سختی نہ کی تھی جو یزید کو مطلوب تھی اس
لیے یہ دونوں حضرات یزید کی بیعت کیے بغیر مدینہ منورہ سے بچر و عافیت مکہ
مغفلہ پہنچ گئے تھے۔ حالانکہ یزید کا ان کے بارے میں ولید کو یہ فرمان آچکا تھا کہ

اما بعد فخذ حسینا
وعبد اللہ بن عمر و
عبد اللہ بن الزبیر بالبیعة
اخذاً شدیداً لیست فیہ خصة
حتی یمایعوا والسلام

اما بعد حسین و عبداللہ بن عمر اور
عبداللہ بن زبیر کو بیعت کے لیے
سختی کے ساتھ پکڑو، اور جب
تک یہ لوگ بیعت نہ کر لیں ذرا
ڈھیل نہ ہونے پائے۔ والسلام

مروان کا مشوہ کہ ان حضرات کا
سہ قلم کرو یا جائے

مروان کا مشورہ ان حضرات کے بارے
میں ولید کو یہ تھا کہ اگر یہ حضرات بیعت
نہ کریں تو فوراً ان کا سر قلم کر دو مگر ولید نے مروان کی بات نہ مانی اس لئے اس
شاہی فرمان کی تعمیل میں کوتاہی کا لازمی نتیجہ معزولی تھا۔ حافظ ابن کثیر نے
جو اس کی معزولی کی وجہ میں "لتفريطہ" کا لفظ لکھا ہے وہ اسی حقیقت کا ترجمان ہے
حضرت ابو شریح کا گورنر مدینہ کو | چنانچہ اس کی جگہ گورنر ہو کر عمرو بن سعید اسی ماہ
حرم پر فوج کشی سے منع کرتا | میں مدینہ آگیا یہ مزاج کا بڑا فرعون اور بڑا متکبر

تھا، حافظ ابن کثیر کے اس کے بارے میں یہ الفاظ ہیں وکان متالها متکبرا
یہ اپنے آپ کو خدا کی جگہ پر سمجھنے والا بڑا ہی مغرور تھا، حضرت عبداللہ بن زبیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے چونکہ ابھی تک یزید کی بیعت نہ کی تھی اور وہ حرم الہی
میں پناہ گزین تھے اس لئے اس نابکار نے ان کو گرفتار کرنے کے لئے مدینہ میں
آتے ہی حرم مکہ پر لشکر کشی شروع کر دی۔ اس کی اس ناشائستہ حرکت پر حضور
علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشہور و محترم صحابی حضرت ابو شریح خزاعی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے جس بہترین انداز میں اسے فہمائش کی وہ صحیح بخاری
میں اس طرح منقول ہے۔

یو تھی حدیث | (۴) حدیثنا عبد اللہ بن
حضرت ابو شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ

لہ البدرایہ والنہایہ از حافظ ابن کثیر ج ۸ ص ۱۴۸ ایضاً ۱۵۵ مولانا مناظر احسن گیلانی
مرحوم نے "امام ابو حنیفہ کی سیاسی زندگی" میں اس واقعہ کو عبد الملک بن مروان کے عہد خلافت
کا گمان کیا ہے جو صحیح نہیں یہ واقعہ یزید بن معاویہ کے زمانہ حکمرانی میں ہوا ہے (ملاحظہ ہو
"البدرایہ والنہایہ" ترجمہ یزید بن معاویہ اور "الاصابہ فی تمییز الصحابہ" ترجمہ حضرت ابو شریح
رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یوسف قال حدثنا الليث
 قال حدثني سعيد هو
 ابن ابی سعید عن ابی
 شریح انه قال لعمر و
 بن سعید - وهو یبعث
 البعوث إلى مكة اذن
 لی ایها الامیر احدثك
 قولاً قام به رسول الله
 صلی الله علیه وسلم الغد
 من یوم الفتح سمعته
 اذ نای ووعاه قلبی وابصرته
 عینای حین تكلم به احمد
 الله وانشی عیده ثم قال
 ان مكة حرمها الله ولم
 یحرمها الناس فلا یحل
 لامریئ یومن بالله والیوم
 الآخر ان یفسد بها دماً
 ولا یعضد بها شجرة فان
 أحد ترخص لقتال رسول
 الله فیها فقولوا ان الله
 قد اذن لرسوله ولم یذن

نے عمر و بن سعید کو جب کہ وہ مکہ
 معظمہ پر چڑھائی کے لیے فوج کے
 دستے بھیج رہا تھا فرمایا: اے امیر
 اجازت دیجئے تاکہ میں آپ کے
 سامنے وہ حدیث بیان کروں جس
 کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 نے فتح مکہ کے دوسرے دن کھڑے
 ہو کر بیان فرمایا تھا اور جس کو میرے
 دونوں کانوں نے سنا اور دل نے
 یاد رکھا اور جس وقت آپ اس کو
 بیان فرما رہے تھے تو میری دونوں
 آنکھیں آپ کو دیکھ رہی تھیں
 آپ نے حق تعالیٰ کی حمد و ثناء کے بعد
 فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کو حرم
 بنایا ہے، لوگوں نے اس کو حرم
 نہیں بنایا لہذا جو شخص بھی اللہ تعالیٰ
 اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس
 کے لیے یہ حلال نہیں کہ مکہ معظمہ میں
 کسی کا خون بہائے اور نہ وہاں کا
 کوئی درخت کاٹے، پھر اگر کوئی
 شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

لکم وانما اذن لی فیہا
ساعة من فہار شہ
عادت حرمتہا الیوم
کحرمتہا بالامس ویبلغ
الشاہد الغائب، فقید
لابی شریع ما قال عمرو
قال إنما أنا علم منک
یا ابا شریع لا تعید عاصیا
ولا فاراً بدم ولا فاراً بخربة

(صحیح بخاری کتاب العلم
باب لیبلغ الشاہد الغائب)

کے وہاں قتال کرنے کی وجہ سے اس
امر کی رخصت چاہیے تو اس کو بتا دو
کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو تو
اس کی اجازت دی تھی مگر تم کو اس
کی اجازت نہیں دی، اور مجھے بھی
گھڑی بھر دن کی اجازت تھی پھر آج
اس کی حرمت اسی طرح عود کر آئی
جس طرح کہ کل اس کی حرمت تھی
اور جو شخص یہاں حاضر ہے اس کو
چاہیئے کہ جو شخص غائب ہے اس
تک یہ بات پہنچا دے۔ اس پر
ابو شریع سے دریافت کیا گیا کہ عمرو
نے پھر کیا جواب دیا۔ فرمایا، اس
نے کہا اے ابو شریع میں تجھ سے
زیادہ جانتا ہوں مگر نہ کسی عاصی کو
پناہ دیتا ہے اور نہ کسی ایسے شخص کو
جو خون کر کے وہاں بھاگ جائے
اور نہ اس شخص کو جو چوری کر کے وہاں
فرار ہو جائے۔

گورنر مذنبہ کا صحابی رسول کے
سامنے اپنی علمیت بگھارنا

غور کیجئے: صحابی رسول حضرت ابو شریک
رضی اللہ تعالیٰ عنہ حرم الہی پر فوج کشی
سے روکنے کے لیے یزید کے گورنر کو

حدیث رسول بیان کرتے ہیں اور یہ بذخمت ان کے سامنے اپنی علمیت بگھارنا
ہے، اکتا ہے "میں تم سے زیادہ علم رکھتا ہوں" امام ابن حزم اپنی مشہور تصنیف
المحلی کی کتاب الجنايات میں بالکل صحیح لکھتے ہیں:-

لا کرامة للطیمة الشیطان
الشرطی الفاسق یرید ان
یکون اعلم من صاحب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وهذا الفاسق هو العاصی
لہ ولرسولہ، ومن
والہ اوقلہ - وما حامل
المغزی فی الدنیا والاخرۃ
الا هو ومن امرہ -

اس لعیم الشیطان، پولیس میں فاسق
کی بھی یہ وقعت ہے کہ وہ رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی
بھی زیادہ عالم بننے کا دعویٰ کرے۔
اعاصی ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
نہیں بلکہ یہی فاسق اللہ اور اس کے
رسول کا عاصی تھا اور وہ شخص جس نے
اس سے دوستی کی یا اس کے کہے پر
چلا اور دنیا اور آخرت میں ذلت
اٹھانے والا یہی تھا اور وہ (یزید)
جس نے اس کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا۔

حضرت ابن زبیر کے خلاف گورنر کی
ہرزہ سرائی قابل قبول نہیں۔
اور شیخ الاسلام محمد صدر الحمود
دہلی شرح بخاری میں رقمطراز
ہیں۔

عہد لعیم الشیطان کے معنی ہیں جس کو شیطان نے چیت لگایا ہو، یہ عمرو بن سعید شقی کا لقب ہے۔

و این دعوی بجز است و مردود
بروے ، زیرا چہ عبداللہ بن زبیر
صحابی است متعبد ، جامع صفات
جمیدہ ، و کارے نکرده کہ بدان
مستحق قتل باشد بیرون حرم
و نہ خروج کرده بر احدی ،
و نہ خواند مردم را بہ بیعت خود
با آنکہ ناخوش بودند از یزید
اہل حرہین و مبادرت نکردند
بہ بیعت و سے جز اہل شام نہا بر
تولید پدرش معاویہ ، و اقلناغ
آورد عبداللہ و غیر و سے از بیت
آں نا اہل کہ مسرت در معاصی
و مرتکب کبائر بود و پناہ گرفت
از شروے در گوشہ حرم ، پس
تغین کرد لشکر با قتال ابن زبیر
بمکہ ۔

(ج - ۳ ص ۳۲۲ طبع مطبع

علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

اور یہ دگور نر مدینہ ، عمرو بن سعید کا
خالی خولی دعوی ہے جو مردود ہے
کیونکہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ
عنہما ایک عابد صحابی تھے ، صفات
جمیدہ کے جامع ، انہوں نے کوئی
کام ایسا نہ کیا تھا جس کی بنا پر بیرون
حرم وہ قتل کے مستحق ٹھہرتے ، اور
نہ کسی کے خلاف انہوں نے خروج
کیا تھا ، نہ لوگوں کو (ابھی تک) ایسی
بیعت کی دعوت دی تھی ، حالانکہ
اہل حرہین یزید سے خوش نہ تھے
اور یزید کی بیعت پر بجز اہل شام
کے کسی نے جلد بازی سے کام نہ
لیا ، اور اہل شام نے اس لئے بھٹ
پٹ بیعت کر لی کہ اس کے باپ
معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس
کو اپنا ولی عہد بنادیا تھا اور حضرت
عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر
حضرات نے اس نا اہل کی بیعت کمنے
سے اس لیے سختی سے انکار کر دیا کہ یہ
معاصی میں حد سے بڑھ گیا تھا اور

کہا اگر کامر تکب تھا۔ حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی
شر سے بچنے کے لیے حرم محترم کے گوشہ
میں پناہ لے رکھی تھی لہذا اس نے مکہ
مظفرہ میں ان سے جنگ کرنے کے لئے
فوجوں کو روانہ کیا۔

اور شیخ نور الحق محدث دہلوی تیسیر القاری شرح صحیح بخاری میں انعام

فرمایا ہیں :-

کلام میں مفسد حجت را نمی شاید
از آنکہ خلاف مستررہ
اہل دین است ، در روایت
امام احمد آمدہ کہ گفت ابوشریح
گفتم عمرو را من حاضر و تو
غائب بودی ، وہ موجب امر
آنحضرت رساندم ترا ، و این
مشعر است تا کہ ابوشریح
قبول گفتہ عمرو نکردہ و او
را بوسے گزاشتہ از بہت
عجز و عدم قدرت بہمت شریعت
و غلبہ او۔

اس مفسد احمد کی بات حجت کے
لائق نہیں کیونکہ یہ اہل دین کے دستور
کے خلاف ہے ، مسند احمد کی ایک
روایت میں آتا ہے کہ حضرت ابو
شریح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا
میں نے عمرو کو جواب دیا تھا کہ جب
محضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ ارشاد
فرمایا تھا میں اس وقت حاضر تھا و
تو عنائب راس لئے تو حدیث
کا مطلب کیا جاسے ، میں نے آنحضرت
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد
کے مطابق نیچے تبلیغ کر دی۔ اس سے
معلوم ہوا کہ حضرت ابوشریح رضی آ

تعالیٰ عنہ نے عمرو کی اس بات کو نہیں
 مانا، مگر چونکہ عمرو کو شوکت اور غلبہ
 حاصل تھا اور آپ اس کے مقابلہ سے
 عاجز تھے اور اس کی طاقت نہیں
 رکھتے تھے اس لیے زبانی
 فمائش کے بعد آپ نے اس کو اسی
 کے حال پر چھوڑ دیا۔

مروان نے جو معاملہ حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ
 کیا وہ آپ پر ہمد چکے ہیں۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرزند
 اکبر تھے اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے نواسے ہیں ان کے
 خلاف حرم محترم پر صرف اس لیے فوج کشی کی گئی کہ انہوں نے یزید علیہ السلام سے بیعت
 نہیں کی تھی۔

حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی
 جلالت شان کا اندازہ لگانا ہو تو حضرت
 ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے الفاظ

حضرت ابن زبیر کے فضائل
 حضرت ابن عباس کی زبانی

پڑھئے:

ان کے والد ماجد یعنی حضرت زبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نبی کریم صلی اللہ
 تعالیٰ علیہ وسلم کے حواری تھے اور
 ان کے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے رفیق غایب تھے

أما أبوه فحواری
 النبي صلى الله عليه وسلم
 يزيد الزبير - وأما
 جده فصاحب الغار -
 يزيد أبابكر - وأما

أُمّه فذات النطاق
یرید اُسَماء - وأما
خالتہ فأمّ المؤمنین
یرید عائشہ - وأما
عمتہ فزوج النبی صلی
اللہ علیہ وسلم - یرید
خدیجہ - وأما
عمّۃ النبی صلی اللہ
علیہ وسلم فجدتہ
یرید صفیہ - ثم
عقیف فی الإسلام
قاری القرآن -

صحیح بخاری باب تولد

ثماني اثنين اذ بهما في الغدير

اور ان کی والدہ و بہنہ حضرت ابراہیم
رضی اللہ تعالیٰ عنہا ذات النطاق
اکہ جنہوں نے ہجرت کے وقت
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا زاد
سفر اپنے چٹکے سے باندھا تھا اور ان
کی خالہ ام المؤمنین حضرت عائشہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان کی پھوپھی
ان کے ابا کی پھوپھی سراح ہیں آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ حضرت
خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہیں اور ان
کی دادی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مکہ
محترمہ ہیں اور پھر وہ خود اسلام میں
پاکباز اور قرآن پاک کے بکثرت پڑھنے
والے ہیں ۔

یہ بھی پیش نظر رہے کہ یہ قرآن کریم
جو اس وقت امت کے ہاتھوں
میں ہے اور جس کو شب و روز ہم

مصاحف عثمانی کی کتابت
میں حضرت ابن زبیر کی شرکت

پڑھتے ہیں اس کی نقیص حضرت امیر المؤمنین عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے اپنی نگرانی میں کراکر ممالک محروسہ میں روانہ کی تھیں ۔ ان مصاحف
کی کتابت کے لیے حضرت امیر المؤمنین نے جن چار حضرات کو نامزد فرمایا

ان میں سے ایک یہ بھی تھے کہ

حضرت ابن زبیر کے فضائل
احادیث کی روشنی میں

صحیح بخاری میں ان کی والدہ ماجدہ
حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی
اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ حبیب وہ

ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئیں تو ان دلوں یہ شکم مادر میں تھے، اور وضع حمل کی
مدت قریب تھی چنانچہ قبا کے زمانہ قیام ہی میں ان کی ولادت ہوئی فرماتی ہیں

پھر میں بچہ کو لے آنحضرت صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر

ہوئی تو آپ نے ان کو اپنی گود میں

لے لیا اور آپ نے ایک کچور منگوائی اور

اس کو چبا کر پھر ان کے منہ میں ڈال دی

چنانچہ ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو داخل

ہوئی وہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم کا لعاب دہن تھا، پھر

آپ نے کچور کو ان کے نالو پر مل دیا

اور ان کے لیے برکت کی دعا کی،

از یہ پہلے بچے تھے جو اسلام میں

رہ ہجرت کے بعد مہاجرین میں پیدا

ثم انیت به النبی

صلی اللہ علیہ وسلم فوضعه

فی حجرۃ ثم دعا بتمرۃ

فمضغھا ثم قفل فی

فیہ فکان اول شئیء

دخل جوفه رقیق

رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ثم حنکھ بتمرۃ ثم

دعاه و برك علیہ رکان

اول مولود ولد فی الاسلام

(باب ہجرت النبی صلی

اللہ علیہ وسلم واصحابہ الی

ملاحظہ فرمائیے صحیح بخاری کی باب جمع القرآن لبقیہ حضرات کے اسناد گرامی یہ ہیں (۱) حضرت زید

بن ثابت (۲) حضرت سعید بن انصاف (۳) حضرت عبدالرحمن بن الحارث بن ہشام رضی اللہ عنہم

المدینہ

ہوئے

اور حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے الفاظ ہیں

پہلا بچہ جو اسلام میں (ہجرت مدینہ

کے بعد مسلمانوں میں پیدا ہوا وہ

عبد اللہ بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ

عنہا تھے ان کو زان کے گھر والے

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی خدمت میں بکھڑے ہوئے تو آپ

نے ایک کھجور مسکوا کر پہلے اس کو

اپنے دہن مبارک میں چھایا اور ان

کے منہ میں اس کو اٹھیل دیا چنانچہ

ان کے پیٹ میں پہلی چیز جو پہنچی وہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لعاب

دہن تھا۔

اور صحیح مسلم میں حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں آتا

اضافہ اور آتا ہے :

پھر حضور علیہ السلام نے ان کے سر

پر ہاتھ پھیرا، ان کے لیے دعا خیر

کی اور ان کا نام عبد اللہ رکھا،

پھر جب وہ سات یا آٹھ برس کے

ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

اول مولود ولد فی الاسلام

عبد اللہ بن الربیع اقربہ

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فأخذ النبی صلی اللہ علیہ

وسلم تمرة فدخل کھاثم

ادخلها فی فیہ فأول ما

دخل فی بطنہ ربیع

النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اصحیح بخاری

باب مذکور

ثم مسحہ وصلی علیہ

وسماه عبد اللہ ثم جاء

وهو ابن سبع سنین او

ثمان یبایع رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وامره

بِذَلِكَ الزَّبِيرِ فَتَبَسَّمُ رَسُولُ
اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ
رَأَاهُ مُقْبِلًا إِلَيْهِ ثُمَّ
يَاْبَعُهُ ..

(باب استجواب تنحیک)

المولود عند ولادته

سے بیعت کرنے کے لیے حاضر خدمت
ہوئے حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ
عنه نے ان کو ایسا کرنے کا حکم دیا تھا
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
کو اپنی طرف آتے دیکھ کر تبسم فرمایا
اور پھر ان سے بیعت لے لی۔

امام نووی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں

وفي هذا الحديث

مناقب كثيرة لعبد الله
بن الزبير رضى الله عنه
منها أن النبي صلى الله
تعالى عليه وسلم مسح عليه
وبارك عليه ودعاه و
أذل شئاً ودخل جوفه
ريقه صلى الله عليه وسلم
وانه أكل من ولده
السلام بالمدينة والله
اعلم -

(شرح صحیح مسلم اذا امام فری باب مذکور)

اور متخرج اسماعیلی میں "صحیح بخاری" کی اس روایت میں "فی الاسلام"
کے بعد یہ اضافہ بھی ہے۔

اس حدیث میں حضرت عبد اللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بہت
سے مناقب ہیں، منجملہ ان کے ایک
یہ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے
ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، (۲) ان کے
لیے برکت طلب کی (۳) ان کے
حق میں دعائے خیر فرمائی (۴) اپنی
چیز جو ان کے پیٹ میں پیچی وہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کا لعاب دہن تھا (۵) یہ اسلام
میں پہلے بچے ہیں جو مدینہ طیبہ میں
(ہجرت کے بعد) پیدا ہوئے۔

ففرح المسلمون فرحًا
شديدًا الآن اليه ود
كانوا يقولون سحرناهم
حتى لا يولد لهم

(فتح الباری ج ۷ - ص ۱۹۲)

یہ پیدا ہوئے تو مسلمانوں کو بڑی ہی
خوشی ہوئی کیونکہ یہودی کہا کرتے
تھے کہ ہم نے مسلمانوں پر جادو
کر دیا ہے اب ان کے یہاں ملا
نہیں ہوگی۔

عبرت کا مقام ہے مسلمانوں کو جس مبارک بچے کی ولادت پر بڑی خوشی
ہوتی یزید اور اس کا گورنر عمرو اشدق اسی کے قتل کرنے کے درپے ہوں،
اور اسی کی موت میں اپنی خوشی سمجھیں۔

تغویر تو اس پر چرخ گردن تھو

یزیدی گورنر کی مذمت حدیث میں | واضح رہے کہ یہ یزیدی گورنر
عمرو بن سعید اشدق وہی نابکار
ہے جس کے بارے میں مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ
روایت آتی ہے:

سمعت رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم يقول
لیرعفن علی منبری
جبار من جبارۃ بنی
أمیة حتی یسید رعانہ
قال فاخبرنی من رأى عمرو
بن سعید بن العاص وعفن
علی منبر رسول اللہ صلی اللہ

میں نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرمایا
سنا کہ "یقیناً بنی امیہ کے ستمگاردوں میں
ایک ستمگارد کی میرے منبر پر اس طرح نکیر
پھوٹ کر رہے گی کہ بسنے لگ جائے
گی" حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ بھر مجھ سے
اس شخص نے بیان کیا جس نے عمرو
بن سعید بن العاص کو اس حال میں

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
حتی سأل ما عافم -

(ابداً والنبایہ - از حافظ

ابن کثیر ج - ۸ ص ۲۱۱)

دیکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے منبر پر اس کی نکیر اتنی
پھوٹی کہ وہ منبر پر بہنے لگی۔

کربلا کے دن بنی امیہ نے
اپنے دین کو ذبح کر کے رکھ دیا

غرض یزید کی ولی عہدی کی ابتدا
حضرت صہبئ اکبر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی اولاد کی امانت سے

ہوئی اور اس کی بادشاہی کا آغاز ان کے نواسے پر حرم الہی میں فوج کشی سے
اور ابھی سال جلوس ختم نہیں ہونے پایا تھا کہ دو دمان نبوی کے گل ہر سبد
کو مسل کر خاک میں ملا دیا اور اپنی دانست میں خاندان نبوت کا چراغ گل کر کے
رکھ دیا، محرم السنہ ہجری کے یوم عاشوراء میں اہل بیت رسالت
پر یزیدی لشکر کے اٹھوں جو قیامت ٹوٹی اس کے بارے میں جس نے
بھی یہ کہا سچ کہا کہ:

ضحی بنو امیہ یوم کربلا
بالدین

کربلا کے دن بنو امیہ نے اپنے
دین کو ذبح کر کے رکھ دیا۔

قرابت رسول اللہ کا پاس لحاظ
باب قائم کیا ہے جس کے الفاظ

ہیں "باب مناقب قرابة رسول الله صلى الله عليه وسلم"
یعنی "رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے رشتہ داروں کے فضائل کا بیان"

اور پھر اس باب کے تحت حضرت امیر المؤمنین ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا یہ ارشاد نقل کیا

اسمقبوا محمداً صلی اللہ
علیہ وسلم فی اہل
بیتہ -

حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
اہل بیت کے ساتھ معاملہ کرنے
میں آپ کا پاس و لحاظ رکھو۔

یعنی "نہ تو کسی معاملہ میں ان کو اذیت پہنچے اور نہ ان حضرات کے ساتھ
کسی قسم کا بُرا برتاؤ ہونے پائے" اور اسی باب میں حضرت محمد وح رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔

قسم اس ذات عالی کی جس کے
قبضہ قدرت میں میری جان ہے
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کے اہل قرابت سے صلہ رحمی کرنا
مجھے اپنے اہل قرابت کی
صلہ رحمی کرنے سے زیادہ محبوب
ہے۔

والذی نفسی بید
لرأبہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم أحب
إلیّ أن أصل من قرابتی

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
قرابت کا اس قدر پاس و لحاظ تھا کہ جب کبھی ان کے عہد میں قحط سالی ہوتی
اور دعا استسقاء کی ضرورت پڑتی، تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عم محترم
حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے دعا کرتے،
اور خود ان سے دعا کراتے، چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔

ان عمر بن الخطاب رضی
جب لوگ قحط میں مبتلا ہوتے تو حضرت

اللہ عنہ کان اذا قحطوا
استسقی بالعباس ابن
عبد المطلب فقال اللهم
انا کنا فتوسل الیک نبینا
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
فتسقینا وانا نتوسل الیک
بعم نبینا فاسقنا قال
فیسقون ،

باب سوال الناس الامام

الاستسقاء اذا قحطوا

عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس
بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے توسل سے بارش کی دعا کرتے
اور یوں عرض کرتے کہ اے ہم اپنے
نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے توسل
سے تجھ سے دعا مانگا کرتے تھے۔

پھر تو ہم پر بارش برساتا تھا اور اب
اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے
توسل سے تجھ سے مانگتے ہیں تو ہم
پر مینہ برسا دے ، راوی کا بیان ہے
کہ پھر لوگوں پر مینہ برسنے لگتا تھا

حدیث میں قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مراد ہے اس
کے بارے میں شارحین صحیح بخاری لکھتے ہیں :-

پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
قرابت " سے مراد وہ مومن حضرات
ہیں کہ جن کا سلسلہ نسب خواجہ عبد المطلب
سے ملتا ہے جیسے حضرت علی
مرضی اور ان کے صاحبزادگان رضی
اللہ تعالیٰ عنہم ۔

مراد از قرابت پیغمبر خدا کسی کہ منتسب
است لعبد المطلب و مومن است
چنانکہ علی مرتضیٰ و ابنائے اوصی
اللہ عنہم - زبیر القاری ج ۳ .
ص ۲۵۰ طبع علوی لکھنؤ ۱۳۰۲ھ

شیخ نور الحق محدث دہلوی نے "تفسیر القاری" میں جو کچھ لکھا ہے وہی
علامہ قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں :

”من ينسب لعبد المطلب هو منّا كعلي وبنيه“ اور شارحین نے جو کچھ لکھا ہے وہی مطلب امام بخاری کا ہے۔ اسی لیے امام بخاری نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اثر کو باب مناقب الحسن و حسین میں پھر دوبارہ روایت کیا ہے، مافقط ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں اور علامہ عینی نے عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں باب مناقب قرابتہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے تحت ان تمام حضرات کو نام بہ نام گنوا یا ہے جو اس وقت خواجہ عبد المطلب کی اولاد میں بقید حیات تھے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قرابت کا شرف حاصل تھا، ان میں حضرت مسلم بن عقیل کا نام بھی ہے جو شکل و صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اور حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صاحبزادے عون اور محمد کا بھی۔

پھر یزید نے ”قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جو پاس و لحاظ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔“

عبد اللہ بن زیاد جس کو یزید نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کوٹہ آنے کی خبر سن کر دہاں کا گوزر بنا کر بھیجا تھا اس کی سنگدلی اور قسادت قلبی کا اندازہ کرنے کے لیے اتنا کافی ہے کہ اس شقی کے سامنے جب حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو چھڑی سے آپ کے سر مبارک کو چھیڑنے اور آپ کے من پر طعن کرنے لگا، اس پر حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کو تنبیہ کی کہ کیا کرتا ہے؟

یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی مشابہ تھے۔

کان استبھم برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح بخاری باب مناقب الحسن و حسین)

اور مسند بزار میں ایک دوسری سند سے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ

فقلت له إني رأيت رسول الله صلى الله عليه وسلم يثتم حيث تضع قضيبك قال فانتقبض -

(فتح الباری باب مذکور)

میں نے اس سے کہا جہاں تو اس وقت اپنی چھتری رکھ رہا ہے وہاں میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے دیکھا ہے یہ سن کر وہ شقی گھٹ کر رہ گیا۔

اور نجم طبرانی میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اے

فجعل يجعل قضيبك في يده في عينه وانفله . فقلت ارفع قضيبك فقد رأيت فم رسول الله صلى الله عليه وسلم في موضعه .

(فتح الباری باب مذکور)

ابن زیاد بن زیاد کے ہاتھ میں چھتری تھی اس کو وہ شقی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چشم مبارک اور بینی مبارک میں داخل کرنے لگا تو میں نے اس سے کہا اپنی چھتری ہٹا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دہن مبارک کو اس جگہ رکھے ہوئے دیکھا ہے جس جگہ تیری چھتری اس وقت ہے۔

یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قرابت کا پاس دلخاؤ جس کے بارے میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا کہ ارقبوا معجداً

فی اہل بیتہ“ اور جس کا ترجمہ حضرت شیخ نور الحق بن عبدالحق محدث دہلوی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:-

گفت ابو بکر نگہدارید و محافظت
کنید محمد را در اہل بیت او یعنی
حفظ حرمت محمد و تعظیم او در گرامی
داشتن اہل بیت اوست۔

(تیسرے القاری“ ج ۳-

ص ۲۵۱)

حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کے اہل بیت سے معاملہ ہو
تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو
نظر میں رکھو اور آپ کا پوری طرح
خیال کرو، یعنی آپ کی حرمت و
تعظیم آپ کے اہل بیت کے اعزاز
میں ہے۔

اور دوسری جگہ ان الفاظ میں:-

گفت ابو بکر صدیق نگہدارید غرت
و شرف محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
در نگہداشت حرمت و تعظیم در حق
اہل بیت آنحضرت“

”تیسرے القاری“

(ج ۲ ص ۲۶۲)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ
عنہ نے فرمایا کہ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم کے اہل بیت کے حق میں ان کی
حرمت و تعظیم کو مد نظر رکھو کہ آنحضرت صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عز و شرف کو
لمحوظ رکھو۔

پھر بزرگوار نے کربلا کے میدان میں جو انان اہل بیت پر جو تعظیم
دستم ڈھایا اس کے بارے میں شیخ نور الحق محدث دہلوی نے ”تیسرے القاری“
شرح صحیح بخاری میں بالکل صحیح لکھا ہے کہ:
ور شرح این فضیلتہ جانگزا جگر آب شدہ
اس فضیلتہ جان گسل کو بیان کرنے میں

وقلم از دست او افتاد از حوصلہ
طبع مسلمان نے بیرون است کہ اشارتے
ہاں تو آں نمود۔

(رج - ۳ ص ۶۴)

جگر پانی پانی ہو گیا اور قلم ہاتھ سے
گر پڑا کسی مسلمان کے حوصلہ
سے یہ باہر ہے کہ اس کی طرف اشارہ
بھی کر سکے۔

اور علامہ عبد اللہ بن محمد بن عامر شبراوی شافعی
کتاب الاستحاف بحب الاشراف میں فرماتے ہیں

ہیں۔

لاریب ان اللہ سبحانہ
فہنی علی یزید بالشفاعة
فقد تعرض لآل البيت
الشریف بالاذی فارسل
جندہ لقتل الحسين
وقتلہ و سبی حریمہ و اولادہ
و هم اکرم اهل الارض
حينئذ علی اللہ سبحانہ
(ص ۱۸ طبع مصطفیٰ بابی علی مصر

لاریب حق تعالیٰ سبحانہ نے یزید پر
شفاعت مسلط کی کہ اس نے آل بیت
شریف انہوی کے گستاخانے پر کمر
باندھ کر قتل حسین کے لیے اپنی سپاہ
بھیجی ان کو شہید کیا ان کی حریم اور
ان کی اولاد کو اسیر بنایا حالانکہ یہ
حضرات اس وقت اللہ تعالیٰ سبحانہ
کے نزدیک روئے زمین پر نہ تھے
بسنے والوں سے زیادہ معزز تھے

ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کے ساتھ

حضرت معقل بن یسار کا اس کو نصیحت فرمانا | امام بخاری نے الجمان
الصصح "میں ایک

باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں "باب من استر عی رعیۃ فلم
ینصح" یعنی جس نے رعیۃ کا والی بنایا جائے اور پھر وہ رعیۃ کی خیر خواہی نہ
کرے۔ اور پھر اس باب میں یہ دو حدیثیں بیان کی ہیں :

<p>(۱) حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عبيد اللہ بن زیاد حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرض الموت میں ان کی عبادت کے لیے آیا۔ تو حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنه نے اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث بیان کرتا ہوں جس کو میں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنا ہے میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس کو حق تعالیٰ کسی رعیۃ</p>	<p>(۱) عن الحسن ان عبید اللہ بن زیاد عاد معقل بن یسار فی مرضہ الذی مات فیہ فقال لہ معقل انی محدثک حدیثاً سمعته من النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ما من عبد یستر عیۃ اللہ رعیۃ فلم یحطہا بنصیحة لم یجد من اللہ لجنۃ</p>
---	---

کی نگرانی سپرد فرمائی اور پھر وہ
پوری طرح ان کی خیر خواہی نہ کرے
تو وہ جنت کی خوشبو نہ سونگھے گا۔
(۲) نیز حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے
کہ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی عیادت کے لیے ہم ان
کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اتنے
میں عبید اللہ بن زیاد بھی آگیا۔
حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
اس سے فرمایا میں تجھ کو ایک حدیث
سناتا ہوں جو میں نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے سنی ہے
آپ نے ارشاد فرمایا جو حکم ان بھی
مسلمانوں کی کسی رعیت کا سا کم ہو
اور پھر اس حال میں مرے کہ وہ
ان کے ساتھ دغا بازی کرتا تھا تو
اللہ تعالیٰ اس پر جنت کو حرام کر
دے گا۔

(۱۲) وعن الحسن أتینا معقل
بن یسار نعوذہ فدخل
عبید اللہ بن زیاد فقال
لہ معقل أحدثک حدیثا
صحت من رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم فقال لمن
وال ینی رعبہ من
المسلمین فی موت و
هو غاش الا حرم
اللہ علیہ الجنة۔

صحیح مسلم میں حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت میں اتنا
اضافہ اور ہے :-

لو علمت ان لی میة ما حدثک
اگر میں یہ سمجھتا کہ یہی ابھی زندگی باقی

ہے تو میں تجھ سے یہ حدیث بیان
ہی نہ کرتا۔

(ج ۲ - ص ۱۲۲)

اور دوسری روایت میں ہے:

اگر یہ بات نہ ہوتی کہ میں موت
کے منہ میں ہوں تو یہ حدیث تم سے
بیان بھی نہ کرتا۔

لولا إني في الموت لم أحدثك
به - (باب فضيلة الأمير

العاقل وعقوبة الجائر)

یہ حدیث صحیح مسلم "میں کتاب الایمان" میں بھی ہے اور کتاب الامارہ
میں بھی، صحیح مسلم کے ایک طریق میں اس روایت کے آخر میں بھی ہے کہ اس
حدیث کو سن کر ابن زیاد حضرت معقل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہنے لگا:

یہ حدیث آپ نے مجھ کو آج سے

الاکنت حدثنی هذا

پہلے کیوں بیان نہیں کی، فرمایا:

قبل اليوم، قال ما

بس میں نے تم سے بیان نہ کی یا میں

حدثك أولم أكن

تم سے بیان کرنے والا نہ تھا۔

لا حدثك -

عافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں حدیث بیان نہ کرنے کی وجہ

یہ بیان کی ہے:-

وہ ابن زیاد بد نہاد کی سخت گرفت

كان يخشى بطشه فلما

سے ڈرتے تھے، جب موت کا

نزل به الموت أساء ان يكت

وقت آگیا تو چاہا کہ اس طرح ہی

بذلك بعض شره عن

مسلمانوں پر سے اس کی شر کو کچھ دفع

المسلمين -

کیا جائے۔

(ج ۱۳ - ص ۱۱۳)

ابن زیاد کی حضرت عبداللہ بن مغفل کے ساتھ بدتمیزی

یہ حضرت معتل بن یسار مزی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ بڑے مشہور صحابی ہیں
یاد رہے کہ ان سے پہلے بھی اسی

قبیلے کے ایک دوسرے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مغفل مزی رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ پیش آیا ہے جس کی تفصیل امام طبرانی
کی المعجم الکبیر میں ایک دوسری سند سے باہر الفاظ مروی ہے۔

(۲) عن الحسن بن صالح بن قاتل لما قدم
علینا عبید اللہ بن زیاد
أمیراً أمراً عساً معاً وید
عندنا سنیها بسفک
لدمار سفکاً شدیداً
رفینا عبد اللہ بن مغفل
المس فی قدخل علیہ ذات
یوم فقال له إندعم
إساک تصنع فقال له وما
أنت وذاک قال ثم خرج
فی المسجد فطنا لهما
کنت تصنع بکلام هذا لیس
علی رسول الناس قال
انص کالمنی علی فاجبت
أن لا أموت حتی أقول

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے
کہ جب ہمارے پاس عبید اللہ بن
زیاد امیر بن کر آیا، اس کو ہم مادی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے ہم پر والی بنا کر
بھیجا تھا یہ ایک بے وقوف چھوڑ
تھا جو نہایت بے دردی سے لوگوں
کا خون بیا کرنا تھا اس زمانے
میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی
اللہ تعالیٰ عنہ ہم میں زندہ تھے وہ
ایک روز اس کے پاس تشریف
لے گئے اور اس سے فرمانے لگے
کہ جو کچھ میں تمہیں کہتے رہیں
ہوں اس سے باز آ جاؤ، اس نے
اس نصیحت پر حضرت ممدوح کو یہ
جواب دیا کہ تم اس سے منہ کرنے

بہ علی رؤس الناس، ثم
قام فما لبث ان مرض
الذى توفي فيه فأتاه
عبيد الله بن زياد يعوده
فذكر نحوه حديث
الباب -

فتح الباری

ج ۱۳، ص ۱۳

والے کون ہوتے ہو؟ پھر حضرت
ممدوح مسجد میں تشریف لائے تو
ہم نے ان سے عرض کیا آپ برابر
عام اس بے وقوف کے منہ تلک کر
کیا کریں گے؟ فرمایا میرے پاس
علم تھا سو مجھے یہ پند آیا کہ جب تک اس
کو ہر سہ عام بیان نہ کروں موت
کے منہ میں نہ جاؤں، پھر آپ جیسے
ہی اٹھے مرض الموت نے آپ کو
آلیا، اسی بیماری میں عبيد اللہ بن
زیاد بھی آپ کی عیادت کے لیے آیا
اور آپ نے اسی مضمون کی حدیث
اس کو بیان کی جو اس باب میں
مذکور ہے۔

(۱۳)

ابن زیاد کی حضرت عائذ بن عمرو کے ساتھ بدتمیزی

کا ایک اور واقعہ صحیح مسلم میں یہ ہے کہ حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
ایک مرتبہ ابن زیاد کو نہایت نرمی کے ساتھ سمجھانا چاہا تو اس بد نساد نے سچائے
اس کے کہ ان کی نصیحت کا کچھ اثر لیستنا اللہ ان کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔
یہ واقعہ حسب ذیل ہے۔

حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ

إن عائذ بن عمرو، وكاف

من اصحاب رسول الله
صلى الله عليه وسلم - دخل
على عبيد الله بن زياد
فقال اي بني اني سمعت
رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول ان شر المراءاة
الحطمة ، فاياك ان
تكون منهم ، فقال
له . اجلس فانما انت
من نخالة اصحاب
محمد صلى الله عليه
وسلم : فقال دهل كانت
لهم نخالة فما كانت
النخالة بعدهم
وفي غيرهم

اج ۲ ص ۱۲۲

عنه نے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے اصحاب میں سے تھے ، عبيد اللہ
بن زياد کے پاس آکر فرمایا بیٹے !
میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے :
حکمرانوں میں سب سے بڑا وہ ہے
جو لوگوں کو پیس مارے " تو تم اپنے
آپ کو ان میں شامل کرنے سے بچتے
رہو ، یہ سن کر وہ کہنے لگا ابرٹے
میاں ! بیٹھ بھاؤ ، تم تو رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اصحاب
کی بھوسی ہو ! یہ جواب سن کر حضرت
عائذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا صحابہ
میں بھی بھوسی بنتی ، بھوسی تو بعد میں
آنے والوں میں ہے ادران میں کہ
جو صحابی نہیں ہیں ۔

ابن زیاد کا حضرت ابو بزرہ کا مذاق اڑانا
(۴۱) اور اسی نوع کا ایک

اور واقعہ سنن ابوداؤد میں یہ منقول ہے ۔

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا
کہ ہمیں ابو طالت عبد السلام بن

حد ثنا مسلم بن ابراہیم
نا عبد السلام بن ابی حازم

أبو طالت قال شهدت
 أبا برزة دخل على
 عبید اللہ بن زیاد فحدثني
 فلان سماه مسلم - وكان
 في السماء - قال فلما را
 عبید اللہ قال ان محمداً
 هذا الدحداح "ففهمها
 الشيخ فقال "ما كنت
 احسب اني ابقي في
 قوم يعيرون بصحبة
 محمد صلى الله عليه
 وسلم" فقال له عبید اللہ
 ان صحبة محمد صلى
 الله عليه وسلم للذين
 غير شين "ثم قال انما
 بعثت اليك لا سئلك
 عن الحوض سمعت
 رسول الله صلى الله عليه
 وسلم يذكر فيه شياً

ابی ہازم نے بتلایا کہ میں اس وقت پہنچا
 تھا جب حضرت ابو ہریرہ اسلمی رضی
 اللہ تعالیٰ عنہ عبید اللہ بن زیاد کے
 پاس کے تشریف لے گئے تھے چنانچہ
 مجھ سے فلاں صاحب نے بیان کیا
 ابو داؤد کہتے ہیں ہمارے استاد سلم
 نے تو ان کا نام بھی بیان کیا تھا مگر
 میرے ذہن سے اُتر گیا اب جو اس
 وقت مجلس میں موجود تھے ان صاحب
 کا بیان ہے کہ جیسے ہی عبید اللہ
 کی نظر حضرت پر پڑی کہنے لگا ابو
 "تمہارا محمدی ٹھکانا موٹا" (آگیا)۔
 شیخ (حضرت) نے ال کی بات
 سمجھی تو فرمانے لگے "میں نہیں سمجھتا
 تھا کہ میں اس قوم کے وجود میں
 آنے تک باقی رہوں گا کہ جو مجھے
 حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
 کی صحبت پر غار دلائے گی" اب
 عبید اللہ نے بات بدل کر ان سے

قال ابو برة نعم
لامرة ولا ثنتين
ولا ثلاثا ولا اربعاً
ولا خمسة فمن
كذب به فلا مقاب
الله منه ثم خرج
مغضباً۔

(كتاب السنة
باب في الحوض)

کہا "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی
صحبت تو آپ کے لیے زینت
ہے باعث عیب نہیں" پھر کہنے
لگائیں نے آپ کی طرف اس لیے
بھیجا تھا کہ آپ سے حوض کے بارے
میں سوال کر دے کہ کیا آپ نے اس
کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ فرماتے ہوئے
سنا ہے، حضرت ابو برة رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں ہاں۔ ایک
دفعہ نہیں، دو دفعہ نہیں تین دفعہ
نہیں، چار دفعہ نہیں، پانچ دفعہ
نہیں، جو حوض کا انکار کرے اللہ
تعالیٰ اس کو حوض سے کچھ نہ پلائے
اس کے بعد آپ غصہ کی حالت میں
اس کے پاس سے چلے آئے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوری "بذل الکھود فی عل ابی داؤد" میں فرماتے
ہیں کہ:-

"عبد اللہ بن زیاد فاق میں سے تھا، اس لیے اس نے
بطور تمسخر آپ کو "دھراج" یعنی ٹھکنے کا کہا تھا، مگر آپ نے
اپنے بارے میں تو اس کے اس ظن پر التفات نہ فرمایا،

البتہ اس نے محمدیؐ کہہ کر جو آپؐ کا مذاق اڑایا، اس پر آپؐ کو
غصہ آگیا کیونکہ اس سے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ات
عالیٰ کی امانت نکلتی ہے۔

اج - ۵ ص ۲۲۶ طبع دہلی

یہ تھا ابن زیاد کا طرز عمل صحابہ کرام کے ساتھ اور عسرت پیغمبر صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم پر اس نے جو ظلم و ستم ڈھایا وہ معلوم خاص و عام ہے۔
ان سب باتوں کے ساتھ ابن زیاد کی ایک خصوصیت
ابن زیاد بد نہاد تھا یہ بھی تھی کہ اس کا باپ زیاد بن سمیہ ثابت النسب
نہیں تھا، بلکہ ولد الزنا تھا جس کے یہاں پیدا ہوا اس کی بجائے دوسرے کو
اپنا باپ بتاتا تھا۔ بہت سے صحابہ اوتنا بعین نے اس کے اس فعل پر تکیہ بھی
کی نہ ان میں خود زیاد کے ہاں شریکی بھائی حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی
تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے صحابی بھی ہیں، چنانچہ صحیح مسلم میں
حضرت ابو عثمان ندی سے روایت ہے۔

لما ادعی زیاد لقیث ابی
بکرة فقلت له ما هذا
الذی صنعتہ؟ انی
سمعت سعد بن ابی
وقاص یقول سمع اذناہ
من رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وہو یقول من ادعی ابی
بنی السدوم غیر ابیہ یم
جب زیاد کے بارے میں دعویٰ کیا
گیا کہ وہ ابوسفیان کی اولاد ہے
تو میں اس کے ہاں جائے بھائی
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے
آکر ملا ان سے کہا کہ تم لوگوں نے
یہ کیا کیا (مطلب ان کے نہانے والے
تھے) میں نے تو حضرت سعد بن ابی
وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا ہے

انه غير ابيه فالجنة
عليه حرام . فقال
ابوبكره وانا سمعتك
من رسول الله صلى
الله عليه وسلم

رج ۱ ص ۵۷ کتاب الایمان

باب بیان حال من رغب

عن ابيه وهو يعلم

وہ فرماتے تھے کہ میرے دونوں کانوں
نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے
کہ اسلام میں جو شخص اپنے باپ
کے علاوہ دوسرے کو باپ بتائے
حالاں کہ اسے معلوم ہے کہ اس کا باپ
یہ نہیں ہے تو جنت اس پر حرام
ہے تا یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے لگے کہ خود میں
نے بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے۔

اس سے یزید کی مردم شناسی کا بھی پتہ چلتا ہے کہ وہ ظالم اپنے مظالم
کا نفاذ کرنے کیلئے کیسے بدتر شرٹ لوگوں کا انتخاب کیا کرتا تھا، یزید کو تجربہ
ہو چکا تھا کہ اس کا خاص چچا زاد بھائی ولید بن عتبہ بن ابی سفیان، مروان
کے ترغیب دلانے کے باوجود قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر آمادہ نہ ہو سکا
اس لیے اس نے اس کام کو سارا انجام دینے کے لیے اس شقی ازلی ابن زیا
بدنہاد کا انتخاب کیا اور آخر اس نے ایسا کر کے بتلا بھی دیا۔ علامہ بدرالدین
عینی نے ابن زیاد کی ان ہی حرکات ناشتہ کے سبب عمدۃ القاری شرح
صحیح بخاری میں اس کو لعین کہا ہے (ملاحظہ ہو ج ۷ ص ۶۵۶ طبع
استنبول)

یزید کی مدنیہ منورہ پر فوج کشی

پھر یزید نے ۶۳ھ ہجری میں حرم نبوی پر فوج بھیج کر مدینہ پاک کی حرمت

کو جس طرح خاک میں ملایا اور اہل مدینہ پر جو ستم ڈھایا، وہ تاریخ اسلام کا ایک الگ نوحہ چکاں باب ہے، جس میں مدنیہ طیبہ کے گلی کوچے صحابہ کرام اور تابعین عظام کے خون سے رنگین نظر آتے ہیں:

شیخ عبدالحق محدث دہلوی مدارج النبوة میں لکھتے ہیں:

اور حرہ کا واقعہ یزید کے زمانے کے

بہت ہی برے واقعات میں سے

ایک واقعہ ہے جس کو ہم نے تاریخ

مدینہ میں بیان کیا ہے۔

و واقعہ حرہ از اشنع شائع است

کہ در زمان یزید واقع شدہ۔

وقد ذکرناہ فی "تاریخ المدینہ"

رج ۱۰ ص ۲۰۶ طبع نول کشور

لکھنؤ ۱۹۱۳ء

بیرون مدینہ منورہ مشرقی جانب جو سنگتانی علاقہ ہے، جہاں بڑے

بڑے سیاہ پتھر ہیں وہ مقام حرہ کہلاتا ہے، اس کو حرہ واقم بھی کہا جاتا ہے۔

واقم ایک شخص کا نام تھا جو زمانہ قدیم میں یہاں آکر رہ پڑا تھا، اسی مقام پر انصار

مدینہ اور یزیدی لشکر کے مابین جنگ ہوئی تھی جو جنگ حرہ کہلاتی ہے۔

صحیح بخاری میں

حضرت اسامہ

رضی اللہ تعالیٰ

واقعہ حرہ کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی،

عنہ سے مروی ہے کہ:

اشرف النبی صلی اللہ علیہ

وسلم علی اطعم من اطامہ

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

ایک بار مدینہ میں جو گڑھیاں ہیں

المدينة ، فقال هل ترون
ما أرى ؟ وإن لم أرى
مواقع الفتن خلال
موتكم كم مواقع
القطر -

(باب أظام المدينة)

ان پر تشریف لے گئے اور ایک
ایک مقام بلند پر چڑھ کر آپ
فرمایا کیا تمہیں بھی وہ دکھائی دیتا
ہے جو میں دیکھ رہا ہوں ؟ میں
تمہارے گھروں میں فتنوں کے
اترنے کی جگہوں کو اس طرح دیکھ
رہا ہوں جس طرح بارش کے
مقامات نظر آیا کرتے ہیں ۔

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حدیث میں فتنوں کے نزول
کو بارش کے نزول سے تشبیہ دی جس سے مراد فتنوں کا بکثرت عام ہونا
ہے ۔ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایک معجزہ ہے کہ جو حوت
بحر تپوری ہو کر رہتی ، پچنا پنچہ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں :

پچنا پنچہ اس پیشین گوئی کا مصداق
حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی
شہادت سے ظاہر ہوا اور پھر
سلسلہ چلتی ہی رہا اور بالخصوص
حزہ کا واقعہ تو اس کا صریح مصداق

وقد ظهر مصداق
ذالك من قتل عثمان
وهلم جترأ ولا سيما
يوم الحرة -

انجی الباری - باب مذکور

ہے ۔

اس حدیث میں جو روایت کا ذکر ہے اس سے روایت عینی بھی مراد ہو
سکتی ہے ، یعنی آپ کے علم میں ان فتنوں کا وقوع لایا گیا تھا اور روایت عینی
بھی کہ یہ تمام فتنے عالم مثال میں آپ کو دکھلا دیئے گئے ہوں فتنہ حسرة

سے کیسی تباہی مچی۔ اس کے بارے میں حضرت سعید بن المسیب کا یہ بیان
پڑھیے جو صحیح بخاری میں منقول ہے۔

وَفَعَتِ الْفِتْنَةُ الْاَوَّلَىٰ يَعْنِي
مَقْتُلَ عَثْمَانَ عَلَيْهِ
السَّلَامُ بِمَقْتُلِ
بَدْرِ اَحَدٍ اَشْمَ وَقَعَتِ
الْفِتْنَةُ الثَّانِيَةُ يَعْنِي
الْحَرَّةَ فَلَمْ يَبْقَ مِنْ
اَصْحَابِ الْحَدِيثِ
اَحَدًا (ج ۲۰ - ۵۷۳)

پہلا فتنہ جب واقع ہوا یعنی حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر
اُسے بدری صحابہ میں سے کسی کو باقی
نہ رکھا اسب آخر ختم ہو گئے پھر
دوسرا فتنہ یعنی جنگ حرہ جب
واقع ہوئی تو اس نے اصحاب
بیعت ارضوان میں سے کسی کو باقی
نہ چھوڑا۔

اور امام دارمی اپنی سنن میں روایت
کرتے ہیں۔

حشر کے مظالم کی تفصیل۔

الخبرنا مروان بن محمد عن
سعید بن عبد العزیز قال
لما كان أيام الحرة
لم يؤذن في مسجد
النبي صلى الله عليه وسلم
ثلاثا ولم يقم ولم
يبرح سعيد بن المسيب
من المسجد وكان لا يعرف
وقت الصلوة الا بهممة

سعید بن عبد العزیز کا بیان ہے کہ
جنگ حرہ میں تین دن تک مسجد
نبوی میں نہ تو اذان ہوئی نہ اقامت
البتہ حضرت سعید بن المسیب نے
مسجد نبوی کو نہیں چھوڑا، (وہ وہیں
چھپے رہے، اور وہ بھی نماز کا وقت
صرف اس ہلکی سی آواز سے پہچانتے
تھے جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کی قبر مبارک سے وہ سناتے

تھے۔

بسمعہا من قبر النبی
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
باب ما اکرم اللہ تعالیٰ نبیہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بعد
(موتہ)

جنگ حسرہ کا سبب یہ تھا کہ حریب انصارِ مدینہ نے یزید کی فوج کواری
و بدکراری کے سبب اس کے بیعت توڑ دی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو ایک
فوج کثیر کے ساتھ مدینہ منورہ کی جانب یہ حکم دے کر روانہ کیا کہ تین دن تک
مدینہ طیبہ کو اپنی فوج کے لیے حلال کر دینا ان دنوں فوج کے لیے کھلی پھٹی تہ
جو چاہیں وہاں کرتے پھر اس مدت میں کسی کی جان و مال کو امان نہیں چھوڑنا
جیسا کہ امام طبری نے بسند نقل کیا ہے

فقتل جماعة صبرا منهم
معقل بن سنان و محمد
بن ابی الجہم بن حذیفہ
ویزید بن عبد اللہ بن زمرہ
ربایع القین علی
انہم حول یزید۔

اس سلسلہ نے ایک جماعت کو زندہ
گرفتار کر کے قتل کر دیا جس میں
حضرت معقل بن سنان، محمد بن ابی
الجہم بن حذیفہ اور یزید بن عبد اللہ
بن زمرہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بھی
تھے اور باقی لوگوں سے اس شرط
پر بیعت لی کہ وہ یزید کے غلام ہیں
اور حافظ ابو بکر ابن ابی خلیثمہ بسند صحیح جویریہ بن اسماء سے نقل ہیں۔
اور جن کو قتل ہونا تھا وہ قتل کر
دیئے گئے تو مسلم نے لوگوں سے

و قتل من قتل ربایع
مسلم الناس علی

اَللّٰهُمَّ خَوِّلْ لِيْزِيْدٍ يَحْكُمُ
فِيْ دِمَائِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ وَاَهْلِهِمْ
بِمَا شَاءَ -

اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بطریق محمد بن سعید بن رمانہ اس بیعت
کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں :

فَلَمَّا كَانَ مِنْ خَلْفِهِمْ
عَلَيْهِ مَا كَانَ فَوْجُهُ
فَبَايَحُهَا ثَلَاثًا ثُمَّ
دَعَاهُمْ اِلَى بَيْعَةِ يَزِيْدٍ
وَاَنَّهُمْ اَعْبَدُوْهُ قَنًا
فِيْ طَاعَةِ اللّٰهِ وَمَعْصِيَتِهِ

اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید کے
غلام ہیں ان کی جان و مال بیوی بچوں
کے بارے میں یزید جو چاہے حکم کرے

اور امام طبرانی نے اپنی معجم میں بطریق محمد بن سعید بن رمانہ اس بیعت
کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں :

پھر جب اہل مدینہ سے یزید کی جو
مخالفت ظاہر ہوئی تھی ظاہر ہوئی
تو یزید نے مسلم کو ان کی طرف بھیجا
اس نے آ کر تین دن تک مدینہ
کو حلال کر دیا کہ فوج کے لیے
اہل بیان مدینہ پر ہر قسم کے ظلم و ستم
کی کھلی بھٹی تھی پھر لوگوں کو یزید کی
بیعت کے لیے اس شرط پر دعوت
دی کہ وہ یزید کے زیر خرید غلام ہیں
اور اللہ کی اطاعت ہو یا معصیت
دونوں صورتوں میں اس کا حکم
بجالاتا ضروری ہے -

اور امام طبرانی ہی نے حضرت عروہ بن زبیر سے یہ بھی روایت کیا ہے کہ
پس یزید نے مسلم بن عقیلہ کو شامی
فوجوں کے ساتھ روانہ کیا اور اس
کو یہ حکم دیا کہ پیسے اہل مدینہ سے

فَوْجَهُ يَزِيْدٍ مُّسْلِمِيْنَ
مُعَقَّبَةً فِيْ حِيْنَ اَهْلِ
الشَّامِ وَاَمْرَهُ اَنْ يَبْدَأَ

بقتال اهل المدينة
ثم يسير الى ابن الزبير
بمكة. قال فدخل
مسلم بن عقبة المدينة
وبها بقايا من الصحابة
فاسروا في القتل
ثم سار الى مكة
فمات في بعض
الطريق - ۱۰

قتال کرنا پھر حضرت ابن زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما سے لڑنے کے لیے
مغفلہ کا رخ کرنا۔ عروہ کا بیان
کہ مسلم بن عقبہ حبشہ مدینہ مدینہ
داخل ہوا تو وہاں بقیہ صحابہ کی
جماعت موجود تھی اس امر دور
نے نہایت بے دردی سے ان
قتل عام کیا اور پھر مکہ مغفلہ کی طرف
چل پڑا مگر راہ ہی میں اس کو پیک
اجل نے آیا،

یاد رہے کہ یہی مسلم بن عقبہ ہے جس کو تاریخ میں اس کے ظلم و ستم کی وجہ
سے مسرف یا "بجرم" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے علامہ یاقوت حموی نے
معجم البلدان میں سندہ واقف کے تحت لکھا ہے کہ فتنہ حرہ میں لشکر شام
کے مامور

"موالی میں سے ساڑھے تین ہزار، انصار میں سے چودہ سو اور
بعض سترہ سو بتائے ہیں اور قریش میں سے تیرہ سو حضرات تیغ
کیے گئے۔ یزیدی لشکر نے مدینہ منورہ میں داخل ہو کر لوگوں
کے اموال لوٹے، اور ان کی اولاد کو اسیر بنایا"

اور بھارت عصمت کی جو عصمت دری ہوئی اس کو بیان کرتے ہوئے قلم
بھی شرماتا ہے۔

حرم کا محاصرہ اور اس پر گولہ باری | پھر یزید کی ہدایت کے بموجب اس لشکر

نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا اور وہاں جا کر حرم الہی کا محاصرہ کر لیا، مجرم خلیفہ تو راستہ ہی میں مر گیا تھا اور اس کی وصیت کے مطابق حصین بن نمیر سکونی نے لشکر کی کمان سنبھال لی تھی چنانچہ اسی کی دیر کمان منجلیق سے خانہ کعبہ پر گولہ باری کی گئی، مجرم نے ذی الحجہ ۶۳ھ میں مدینہ میں داخل ہو کر اس کو تباہ و تاراج کیا تھا حصین بن نمیر نے صفر ۶۴ھ میں کعبہ شریف پر گولہ باری کی جس سے خانہ کعبہ کے پردے جل گئے اور چھت میں آگ لگ گئی اور حضرت اسماعیل علیہ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے دہ کے وہ دونوں سنگ بھی جل کر خاکستر ہو گئے جو اب تک خانہ کعبہ میں محفوظ چلے آ رہے تھے یہ اسی دہ کے سنگ تھے جو آپ کی قربانی کے فدیہ میں جنت سے لایا گیا تھا اس کے بعد پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یزید کو مزید ہمت نہ ملی اور وہ بھی اسی واقعہ کے کچھ دن بعد اسی سال ۱۵ ربیع الاول کو مر گیا۔

یزید کا انجام بد | امام بخاری نے "المجامع الصحیح" میں باب باندھا ہے جس کے الفاظ ہیں باب اثم من کاد اهل

المدینۃ: یعنی جو شخص اہل مدینہ پر داؤ لگائے اس کے گناہ کا بیان، اور پھر اس کے ذیل میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

یہ یعقوب بن سفیان نسوی نے واقعہ حرہ کی تاریخ ذی قعدہ ۶۳ھ ہجری بیان کی ہے فتح الباری ۱۸۷ تاریخ الخلفاء از امام سیوطی، تذکرہ یزید بن معاویہ۔

لا یکید اهل المدينة
احد الا انما عکما
ینما عک الملح فی الماء

اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت سعد بن ابی وقاص و ابی ہریرہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہما یہ الفاظ آتے ہیں :

من اراد اهل المدينة
بسوء اذا به الله كما
یذوب الملح فی الماء
(باب تحريم ارادة اهل المدينة بسوء وان
من ارادهم به اذا به الله)

جو شخص بھی اہل مدینہ پر داناؤں سے
گاہ اسی طرح گھل جائے گا
طرح کہ نمک پانی میں گھل جاتا ہے

جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا
ارادہ کرے گا حق تعالیٰ اس کو اسی
طرح پگھلا کر رکھ دے گا جس طرح کہ
نمک پانی میں پگھل جایا کرتا ہے

محدث قاضی یحیٰی اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں
کما انقضی شان من
حاربها ایاہ بنی امیہ
مثل مسلم بن عقبہ
فانه هلك في منصرفه
عنہا ثم هلك یزید
بن معاویہ مرسلہ علی
اثر ذلک -

جس طرح کہ ان لوگوں کی شان او
شوکت ختم ہو کر رہ گئی جنہوں نے
بنو امیہ کے عہد حکومت میں اہل
مدینہ سے جنگ کی تھی جیسے مسلم بن
عقبہ کہ وہ اسی جنگ سے پلتے ہی
ہلاک ہو گیا اور پھر اسی طرح اس
مہم پر اس کو بھیجنے والا یزید بن
معاویہ بھی اس کے پیچھے پیچھے موت
کے منہ میں چلا گیا -

شرح صحیح مسلم از امام نووی

ج ۱ - ص ۲۲۱

اور امام نسائی نے حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

مرفوعاً روایت کیا ہے۔

من أخاف أهل المدينة
ظالمًا لهم أخافه
الله وحكاه عليه
لعنة الله

جو ظالم اہل مدینہ کو خوف میں مبتلا
کرے گا، اللہ تعالیٰ اس پر خوف
کو مسلط کر دے گا اور اس پر اللہ
تعالیٰ کی لعنت ہوگی

صحیح ابن حبان میں بھی بروایت حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ
عندہ اسی مضمون کی روایت آتی ہے۔

خود فیصلہ کیجئے | ہم نے یزید پر بیہ اور اس کے عمال بد اعمال کے اعمال
بد کے سلسلہ میں صحیح بخاری کی احادیث میں

جو کچھ آیا ہے آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے اب ان احادیث کی روشنی
میں آپ خود فیصلہ کیجئے کہ اس کے جہنمی ہونے کی شہادت دینا ضروری ہے
یا اس کے اعمال بد پر نظر بن کر نا، واقعی اگر وہ غزوہ قسطنطنیہ میں شہید
ہو جاتا تو یہ اس کی بڑی سعادت ہوتی، لیکن اس کی قسمت میں تو یہ شقاوت لکھی
تھی کہ وہ اپنی زندگی کے دن اس وقت تک پورے نہ کرے جب تک کہ اس
کے ہاتھوں حریم بھترین زلہ ہما اللہ شرقاً و تعظیماً کی حرمت پامال نہ ہو، صحابہ
کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی توہین اور ان کا قتل عام نہ ہو اور عشر
پہنمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خون سے اس کے ہاتھ رنگین نہ ہوں سوچیے
اور خوب سوچیے کہ اس کا آخری انجام اگر لعنتی کا مہل پر ہوا تو وہ لعنت
کا مستحق محض ہے گایا جنت کا حقدار

امام سیوطی اور علامہ تفتازانی کا یزید پر لعنت کرنا

اسی لیے امام جلال الدین سیوطی جیسے
مختلط بزرگ کے قلم سے تنازع اختلاف
میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

شہادت کا ذکر کرتے ہوئے یہ الفاظ نکلی گئے ہیں:

لعن الله قاتله و ابن

ن زیاد معه و یزید ایضا

(ص ۳۰۷)

اللہ تعالیٰ قاتل حسین پر لعنت کرے
اور اسی کے ساتھ ابن زیاد اور یزید
پر بھی۔

اور عالم ربانی علامہ سعد الدین تفتازانی شرح عقائد نسفیہ میں لکھتے ہیں۔

والحق ان سرفنا یزید بقتل

الحسین واستبشارہ بزندہ

واہانتہ اهل بیت النبی

علیہ السلام مما قوار

معناه وان كان تفاصیلها

أحاد فحق لا نتوقف فی

شأنه بل فی ایمانه لعنة

الله علیہ وعلی انصارہ

واعوانہ۔

(ص ۱۲۷ طبع مصر)

اور حق یہ ہے کہ حضرت حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل پر یزید کا راہنی
ہونا اور اس پر خوش ہونا اور اہل
بیت نبوی کی امانت کرنا، ان تمام
امور کی تفصیلات کو بطریق احاد
مروی ہوں لیکن معنی کے لحاظ سے
متواتر ہیں، اس لیے ہمیں تو اس کے
بارے میں کیا، اس کے ایمان کے
بارے میں بھی کوئی تردد نہیں، اللہ
تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس
سلسلے میں اس کے احوال و انصار
پر بھی۔

نامہ صبیوں کا یہ عقیدہ کہ خلفاء حساب عذاب سے بری ہیں

اصل بات یہ ہے کہ جس طرح رافضی
اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اسی
طرح یہ نامہ صبی بھی اپنے خلفاء کے بارے

میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ روز قیامت حساب و کتاب سے بری ہیں ان پر
کوئی عذاب نہیں ہوگا، چنانچہ مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی نے
دول الاسلام میں اموی خلیفہ یزید بن عبد الملک بن مروان کے تذکرہ میں لکھا
ہے کہ جب یہ متزلی خلافت ہوا تو اس نے لوگوں سے کہا کہ عمر بن عبد العزیز
کی سیرت پر چلنا چاہیے اس پر چالیس شیوخ مملکت نے اس کے سامنے
آکر یہ شہادت دی کہ:

ان الخلفاء لا حساب علیہم ولا عذاب لہ
خلفاء کا نہ حساب ہوگا نہ ان پر عذاب
ہوگا۔

حافظ ذہبی کا بیان ہے،

وطائفة من الجہال الشاہین
يعتقدون ذلك
شام کے باہلوں کی ایک جماعت
کا یہی اعتقاد ہے

یزید بن عبد الملک کے بڑے بھائی ولید بن عبد الملک کا بھی یہی عقیدہ تھا
چنانچہ ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن ابی زر عسے روایت کیا ہے
کہ ولید نے ان سے دریافت کیا
ایحاسب الخلیفة؟
کیا خلیفہ سے بھی قیامت کے دن

حساب لیا جائے گا۔

ابراہیم نے جواب دیا امیر المؤمنین اللہ تعالیٰ کے نزدیک
مکرم ہیں یا حضرت داؤد علیہ السلام والصلوة اللہ تعالیٰ
کو نبوت و خلافت و ولوں عطا فرمانے کے بعد یہ وعید اس کے
با داؤد انا جعلناک خلیفۃ
فی الارض فان ھا ارض
الناس یا نعق ولای تدبج
الحدی قد صلت عدو
مد بیل اللہ ان الذی
یفسلون مدی مد بیل اللہ
لہو حاد اب سب دینا کما
نکر انوم الحساب و
رسک سورہ صحت

اے داؤد ہم نے تجھے ملک میں عطا
کیا، مومن لوگوں میں انصاف سے
حکومت کر اور اپنی جہت کی خواہش
پر نہ چل کر وہ بچہ کو اللہ کی راہ سے
ہٹا دے، جو لوگ اللہ کی راہ سے
ہٹ جاتے ہیں ان کے لئے عذاب
عذاب ہے۔ اس بنا پر کہ انہوں نے
سما کا دن بھلا دیا۔

اور خود بزرگ بھی جیسا کہ مانتا ان کثیر کی تصریح سابق میں گزری ہوگی
مرجیہ کا عقیدہ رکھتا تھا اس لیے اس کا بھی یہی عقیدہ ہوگا۔
موجودہ انہیں جو ردائیں کی تعلیم ہیں اپنے منہ پر تقیہ کی نقاب ڈال کر
اہل سنت بنے ہوئے ہیں اور مساجد میں ان کی امامت و خطابت کے لئے
سدا انجام دے رہے ہیں چونکہ اپنے بزرگوں کے اس عقیدہ کا برملا اظہار نہیں
کر سکتے، اس لیے وہ طرح طرح کی ابلہ نرمیوں کے ذریعے اپنے منہ پر
امام برحق اور خلیفہ راشد سیدنا یزید کے جہنتی ہونے کی خرد بھی شہادت
دیتے ہیں اور دوسروں سے بھی شہادت دلوں چاہتے ہیں لیکن ان کے

جس کو حق تعالیٰ نے عقل سلیم عطا کی ہے ان کے فریب میں آکر جس طرح حضرت
 عشرہ پیشہ اور سادات فاطمہ و حسن و حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جنتی مانتا
 ہے یزید کو کیسے جنتی کہہ سکتا ہے، پسچ پوچھئے تو اس بارے میں نا صبی
 رافضیوں سے بھی بارہ کھوٹے نکالے کیونکہ یہ تو برابر جیسے فاسق و فاجر اور سفاک
 و ظالم کو اپنا امام اور خلیفہ برحق مانتے اور اس کے جنتی ہونے کا عقیدہ رکھتے
 ہیں اور رافضی جن بارہ حضرات کو امامہ حصومہ کہتے ہیں وہ تو سب اولیاء کبار
 اور اختیار امت میں، اہل سنت کے نزدیک نہ رافضیوں کا غلو اپنے
 امامہ کے بارے میں صحیح ہے اور نہ نا صبیوں کا۔ دونوں صراط مستقیم سے ہٹ
 گئے ہیں، نہ امامہ اثنا عشر معصوم ہیں نہ یزید کا شمار بھلے آدمیوں میں ہے۔
 اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک ہدایت دے۔ آمین۔

دوسرا شبہ اور اس کا جواب

دوسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے صحابہ کرام نے یزید سے بیعت خلافت کی اور اس پر قائم رہے اگر یزید کا یا فاسق و فاجر اور شرابی و زانی اور دشمن دین ہوتا تو یہ حضرات اس کے ہاتھ پر سرگزشت نہ فرماتے اور اگر یہ بات نہ مانی جائے تو ان صحابہ پر کفر و فسق نوازی اور بددیانتی کی سرپرستی و تعاون کا بڑا بھاری الزام آئے گا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جس وقت یزید کی بیعت کی گئی، وہ کافر تھا اور نہ اس کے فسق کی اتنی شہرت تھی کہ سب کو اس کا حال معلوم ہوتا، ہر ایک جماعت صحابہ کا مذہب یہ تھا کہ سلطان اگر عدل کرے تو رعیت کو کاشکر گزار ہونا چاہیے اور ظلم کرے تو رعیت کو صبر سے کام لینا چاہیے۔ کہہ سکتے ہیں کہ اس کام میں اس میں سخت خیر نری ہوتی ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اقتدار کی منتقلی میں کامیابی نہ ہو اور مزید ظلم و تشدد برپا ہو جائے۔ شمس الائمہ شرح شرح سیر کبیر میں فرماتے ہیں:-

وعن جماعة من الصحابة
رضي الله عنهم قالوا: اذا
عدل السلطان فعلى
الرعية الشكر والامتنان
ولا حرج واذا جار فعلى
الرعية الصبر وعلى

اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کہ:-
جماعت سے منقول ہے کہ: سلطان
فرمایا جب سلطان عدل کرے تو رعیت
کو شکر کرنا چاہیے اور سلطان کا اس
کا اجر ملے گا۔ اور اگر ظلم کرے
تو رعیت صبر کرے اور سلطان پر اس

کا گناہ ہوگا۔

سلطان الوتر من .

روز ۱۸ ص ۱۸۸ طبع دار الفکر معارف حیدرآباد

رک

صحابہ یزید کے درباری نہ تھے

اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ حضرات صحابہ کرام برہنہ ان اللہ تعالیٰ

علیہم اجمعین، یزید کے درباری تو تھے نہیں، اور نہ ان کو یزید کے ساتھ مغلوت و جلوت میں رہنے کا موقع ملا تھا جو یزید کے کرتوت ان کو معلوم ہوتے چنانچہ علامہ شمس الانہ شریعتی نے ہی شرح سیر کبیر میں یہ بھی لکھا ہے کہ

اور یہ بھی مروی ہے کہ جب یزید بن معاویہ حکمران ہوا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا "اگر یہ بھلا ہوا تو ہم شکر کریں گے، اور اگر بلا ہوا تو ہم صبر سے کام لیں گے" پھر آپ نے یہ ارشاد باری نقل فرمایا "پھر اگر تم نے منہ پھیرا تو اس کے ذمے ہے جو بوجھال پر رکھا گیا ہے اور تمہارے یہ قصہ ہے جو بوجھال پر رکھا گیا،

وفد روی انہ لمعاوی بنی یزید
معاویۃ قال ابن عمر
ان یکن غیرا شکرنا وان
یکس بلا فہ صبرا، ثم قرأ
فوبہ تعالیٰ، فَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا عَلَیَّ مَا حَزَنِیْ
وَعَلَیَّکُمْ مَا تَحِبُّنَّمْ

روز ۱ ص ۱۸۸

کفر و فسق کی سرپرستی تو جب ہوتی کہ جب یہ صحابہ یزید کے ساتھ اس کی بری حرکات میں شریک ہوتے "خليفة ناسق" کا حکم ہے کہ اگر اس طا کا حکم ہے تو اس کی اطاعت کی جائے اور معصیت کا حذر ہے تو اس کا

ساتھ نہ دیا جائے اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کو جو
ہدایت فرمائی تھی وہ جامع ترمذی اور سنن نسائی میں بایں الفاظ

وَحَنَنُ كَعْبِ بْنِ عَجْجُودَةَ قَالَ
قَالَ لِي رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ
عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَعِيذُكَ بِاللَّهِ
مِنْ اِمَارَةِ الْمُسْلِمِينَ
قَالَ وَمَا ذَاكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ
قَالَ اَمْرًا سَيَكُونُ
مِنْ بَعْدِي مِنْ دَخَلَ
عَلَيْهِمْ قَصْدٌ قَهْمٌ
بِكُذْبِهِمْ وَاَعَانَهُمْ عَلَى
ظُلْمِهِمْ فَلْيَسُوا مِنِّي
وَلَسْتُ مِنْهُمْ وَلَنْ يَرُدُّوا
عَلَى الْحَوْضِ وَمَنْ لَمْ
يَدْخُلْ عَلَيْهِمْ وَلَمْ
يَصْدَقْهُمْ بِكُذْبِهِمْ
وَلَمْ يَعْصِهِمْ عَلَى ظُلْمِهِمْ
قَالَ لَكَ مِنِّي وَاَنَا مِنْهُمْ
وَاُولَئِكَ يَرُدُّونَ عَلَى الْحَوْضِ
سَوَاءٌ التَّوَمَذِيُّ وَالنَّسَائِيُّ

(مشکوٰۃ کتاب الامارۃ فی فصل ثانی ص ۳۲۲)

حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ میں
سفہارے سے تجھے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں
دیتا ہوں۔ حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ امارت
سفہارہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا
کچھ امراء میرے بعد غنقریب ہوں
گئے، جس نے ان کے دربار میں جا کر
ان کے جھوٹ کو سچ بتایا اور ان
کے ظلم میں ان کی اعانت کی نہ ان
کا تعلق مجھ سے ہے اور نہ میرا تعلق
ان سے، اور نہ وہ کبھی حوض کوثر
پر میرے پاس آئیں گے۔ اور جو ان
کے دربار میں داخل رہا اور ان
کے کذب کی اس نے تصدیق کی اور
ان کے ظلم میں ان کی اعانت کی،
سو وہ لوگ میرے ہیں اور میں ان

ان کا ہوں اور میری لوگ ہیں جو توحش
کوثر پر میرے پاس آئیں گے۔

یاد رہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ دعا حضرت کعب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے حق میں مقبول ہوئی چنانچہ ان کا انتقال یزید کی امارت سے پہلے ہی
سندھ کے بچہ ہو گیا تھا اور سنن ابی داؤد میں

عن بنی ہریرۃ قال قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الجہاد واجب علیکم
مع کل امیر بڑا کان او
فاجر وان عمل الکبائر
والصلوۃ واجبۃ
علیکم خلف کل
مسلم بڑا کان او فاجرًا
وان عمل الکبائر، والصلوۃ
واجبۃ علی کل مسلم
بڑا کان او فاجرًا وان عمل
الکبائر۔ رواہ ابوداؤد و مشکوٰۃ۔

ج ۱۔ ص ۱۰۰۔ باب الامامة فصل ثانی،

حضرت ابوسہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جہاد تم
پر ہر امیر کی معیت میں واجب ہے
خواہ وہ نیک ہو یا بد، اور خواہ تم تک
کبا سہی کیوں نہ ہو اور نماز بھی تم
پر ہر مسلمان لایمیر کے پیچھے پڑھنا
واجب ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد
اور کبا سہی کا مرتکب کیوں نہ ہو
جب بھی، اور ہر مسلمان پر نماز کا
پڑھنا واجب ہے خواہ وہ نیک
ہو یا بد اور خواہ کبا سہی میں مبتلا ہی
کیوں نہ ہو۔

یہ بالکل اسی طرح کا ہے | یہ شبہ افضیوں کے شبہ کی طرح ہے

کرتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے چونکہ صحابہ ناراض تھے اس

یہ کسی صحابی نے بھی ان کی طرف سے کوئی دفاع نہ کیا بلکہ سب صحابہ مسجد ہوی
میں اس شخص کے پیچھے کہ جو ان باغیوں کا سر غنہ تھا اور اس فتنہ میں جمعہ و جماعت
کا امام بن گیا تھا " بڑے اہتمام سے نمازیں پڑھتے رہے حالانکہ اس کے
پیچھے نماز کا ادا کرنا خود حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فرمان کے
بموجب تھا جو صحیح بخاری میں

وعن عبید اللہ بن عدی
بن النخیرا أنه دخل
على عثمان وهو محصور
فقال إنك امام عامة
دنزل بك ما نرى ويصلي
لنا امام فنته ونخرج
فقال الصلوة احسن
ما يعمل الناس فاذا
احسن الناس فاحسن
معهم واذا أساءوا

فاجتنب إساءتهم -
رواه البخاری - (مشکوۃ
باب تعجیل الصلوة -

فصل ثالث ص ۶۲)

عبید اللہ بن عدی بن النخیرا سے
ابن کی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے قرابت بھی تھی، مروی ہے کہ
انہوں نے جب حضرت عثمان رضی
اللہ تعالیٰ عنہ محصور تھے ان کی خدمت
میں جا کر عرض کیا آپ عامۃ المسلمین
کے امام ہیں اور اس وقت آپ کے
ساتھ جو معاملہ ہو رہا ہے آپ دیکھ
ہی رہے ہیں۔ اب فتنہ پردازوں کا
امام ہماری امامت کر رہا ہے جس
سے ہم دل تنگ ہیں، آپ نے ارشاد
فرمایا "نماز ان تمام اعمال میں سب
سے بہتر عمل ہے جو لوگ انجام دیتے
ہیں لہذا جب لوگ نیکی کا کام کریں
تم بھی ان کے ساتھ نیکی کرنے میں
شریک ہو جاؤ اور جب رائی کے

مترکب ہوں تو ان کی برائی سے بچتے
رہو۔

اب دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کیا
حادثہ کر بلا "واقفہ حرہ" اور حصار
حرم مکہ "ان تعینوں معرکتہ ظلمہ
ستم میں کوئی صحابی یا کوئی قابل ذکر
کبھی کوئی ظلم و ستم میں
کبھی کوئی شریک ہوا ہے۔

تالعی شریک ہوا ہے؛ یا اسکی بزم میں کبھی کسی بھلے مانس نے شرکت کی۔ یہ جو
یزید کی فسق و فحش اور فجور و بددینی کی سرپرستی کا ان پر الزام ٹاکنے کا کیا جائے، باقی
رہا حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ فرمانا کہ

انا قد بايعت هذا الرجل
عدي بيع الله ورسوله۔
ہم نے اس شخص سے اللہ اور اس کے
رسول کے عہد پر بیعت کی ہے۔

تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اللہ و رسول کے حکم کے مطابق ہم نے
اس سے بیعت کی ہے، لہذا ہم کسی امیر کی اطاعت میں جاؤں شریعت سے
باہر نہیں ہوں گے۔ اس میں یزید کے تقویٰ اور طہارت کا بیان نہیں ہے کیونکہ
اس کے بارے میں تو ابھی ان کی تصریح گزر چکی ہے کہ

ان یکن نحیثا شکرفا واث
اگر وہ بھلا ہوا تو شکر کریں گے اور

اے جناب علامہ احمد قسطلانی نے ارشاد الساری لشرح صحیح البخاری میں اس کے یہی معنی کیے ہیں۔
فداتہ (۱) علی بیع اللہ ورسوله (۲) ای علی شرط ما امر وایضا
من بیعتہ الامام۔ یعنی جس شرط کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے بیعت
کی بیعت کا حکم دیا ہے اس کے مطابق۔

یکن بدء صبرنا ۔ بلا ہوا تو صبر کریں گے ۔

یہ بھی خیال رہے کہ کتاب و سنت پر وجہت کرنے کی پیشکش تو بعض حضرات نے جنگ حرہ کے موقع پر بھی کی تھی، پھر یزیدی لشکر کے سپہ سالار مجرم بن عقبہ نے اس پیشکش کی جس طرح پذیرائی کی اس کی تفصیل حافظ ابن حزم کے الفاظ میں آپ پڑھ چکے ہیں ۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ حضرات جب بھی موقع ملتا یزید اور اس کے کارندوں کے ظلم و ستم پر نکیر کرنے سے چوکتے بھی نہیں تھے، چنانچہ پہلے شبہ کے جواب میں آپ تفصیل سے پڑھ چکے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزید کے دور پر فتن کی کس طرح نشاندہی کی اور حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کی دلی عہدی کی بیعت لینے پر مروان کو برسر منبر کس طرح ٹوکا اور حضرت ابو شریح خزاعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمرو اشقی کو حرم الہی پر فوج کشی سے کس طرح روکا اور حضرت مغفل بن یسار مزی نے کس حکمت سے عبید اللہ بن زیاد کو فہائش کی اور حضرت عبداللہ بن مغفل مزی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس کو سرزنش کی اور حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس لطف سے اس کو سمجھانے کی کوشش کی اور حضرت ابو بزرہ اسلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کس طرح اس پر اپنے غصے کا اظہار فرمایا۔ اب حسرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بیانات پر میرے صحیح بخاری میں ہے ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی شخص نے یہ سوال کیا کہ اگر احرام کی حالت میں کوئی شخص مکھی کو مار ڈالے تو اس کے بارے میں کیا فتویٰ

سمعت عبید اللہ بن عمر
وسألف مرحل عن المحرم
قال شعبة أحسبه يقتل
لذباب فقال أهلی

العراق يسألون عن
قتل الذباب وقد قتلوا
ابن بنت رسول الله صلى
الله عليه وسلم وقال النبي
صلى الله عليه وسلم هما
ريحانتي من الدنيا -
ر صحيح بخاری ج ۱ ص ۵۲ مناقب الحسن

واحسين

ہے آپ نے فرمایا اہل عراق مکھی کے
قتل کرنے کے متعلق دریافت کر رہے
ہیں حالانکہ انہوں نے رسول اللہ صلی
اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نواسے کو قتل
کر ڈالا جب کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
نے فرمایا تھا کہ "حسن و حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہما میری دنیا کے دو بھول ہیں۔"

یاد رہے کہ یزید کا برادر عم زاد عبید اللہ بن زیاد (اگر زیاد کو واقعی ابوسفیان
کا بیٹا تسلیم کیا جائے) یزید کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ اسی کے حکم سے عمرو
بن سعد چار ہزار کا لشکر جرار لے کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لڑنے کے
لیے آیا تھا اور اسی عراقی لشکر نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا
تھا۔ ابن زیاد بد نہاد نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک کے ساتھ
جو گستاخی کی تھی اس پر حضرت انس و حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے
جس طرح اس پر اظہار ناراضگی کیا تھا وہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔
اور حافظ ابن کثیر نے دارقطنی کے حوالے سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ
سے جو روایت اس سلسلے میں نقل کی ہے، وہ درج ذیل ہے۔

عن محمد و عبد الرحمن

ابن جابر بن عبد الله قال

حضرت جابر بن عبد الله رضی اللہ تعالیٰ

عنه کے دونوں بیٹوں محمد و عبد الرحمن

سہ اس واقعہ کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو ہمارا رسالہ "شہداء کربلا پر افتراء"

مخرجنا مع ابينا يوم
الحرّة وقت ذكف بصره
فقال تعس من اخاف
رسول الله صلى الله عليه
وسلم فقلنا يا اُبت وهل
احدٌ يخيف رسول الله
صلى الله عليه وسلم؟ فقال سمعت
من رسول الله صلى الله عليه
وسلم يقول: من اخاف
اهل هذا الحي من الانصار
فقد اخاف ما بين هذين
ووضع يده على جنبه
البداية والنهاية -

(ج ۸ ص ۲۲۳)

کا بیان ہے کہ حرّہ کے دن ہم اپنے
ابا کے ساتھ باہر نکلے اس وقت آپ
کی بیٹائی زائل ہو چکی تھی آپ نے فرمایا
”برباد ہو وہ شخص جس نے رسول اللہ
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خوف میں
مبتلا کیا“ ہم نے عرض کیا ابا جان!
کوئی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو ڈرا سکتا ہے، فرمایا: میں نے
رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جس نے
اس قبیلہ انصار کو ڈرایا اس نے میرے
ان دونوں پہلوؤں کے درمیان جو چیز ہے
(یعنی قلب نبوی) اس کو ڈرایا ہے“
اور جس وقت آپ کی زبان مبارک
سے یہ ارشاد ہو رہا تھا آپ اپنے
دونوں پہلوؤں پر ہاتھ رکھے ہوئے
تھے۔

یہ بھی یاد رہے کہ ان حضرات کی بیعت کے باوجود جن کا استغفرتی نے تار لیا
یزیدی لشکر نے حرّہ کی جنگ میں ان بزرگوں کے جگر کٹے کٹھوں کو قتل کرنے
سے ذرا بھی دریغ نہیں کیا اور یہ بھی پیش نظر رہے کہ حضرت ابن عباس اور
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت قطعاً نہیں کی

تھی، اور پھر جب یزید تخت حکومت پر بیٹھا، تب بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے سب سے اخیر میں بیعت کی تھی۔

غرض یزید کے دور حکومت میں یا تو صحابہ کرام اس سے برسرِ پیکار نظر آتے ہیں جیسے حضرت حسین، حضرت عبداللہ بن الزبیر اور وہ صحابہ جو جنگ حرہ میں اس کے خلاف لڑے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور یا پھر اس کو یا اس کے عمال کو ان کے ظلم و ستم پر روکتے ٹوکتے، جیسے (۱) حضرت عبداللہ بن عباس (۲) حضرت عبداللہ بن عمر (۳) حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر (۴) حضرت جابر بن عبداللہ (۵) حضرت ابو شریح خزاعی (۶) حضرت معقل بن یسار مزی (۷) حضرت انس بن مالک (۸) حضرت زید بن ارقم (۹) حضرت عبداللہ بن معقل (۱۰) حضرت عائد بن عمرو (۱۱) حضرت ابو بزرہ اسلمی وغیرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ کوئی صحابی یہیں یزید کا ثنا خواں اور اس کی تعریف میں رطب اللسان نہیں ملتا اور نہ اس کی حمایت میں کسی معرکہ میں لڑتا ہوا نظر آتا ہے۔

اور یہ ہوتا بھی کس طرح جب کہ یزید کے عہدِ نحوست مہد کا نقشہ انوری کے اس شعر کے بالکل مطابق تھا

بر بزرگان زمانہ شدہ خردان سالار
بر کریمان جہان گشتہ لیلمان ہنر

تیسرا شبہ اور اس کا جواب

تیسرا شبہ جو مستفتی کو پیش آیا ہے، یہ ہے کہ "حضرت محمد بن حنفیہ نے نہ صرف یزید کی بیعت کی بلکہ اس پر عائد کردہ الزامات کی پرزور تردید بھی کی ہے۔" مستفتی نے اس سلسلہ میں البدایہ والنہایہ کا حوالہ "منتقی" کا غلط حوالہ "منتقی" ص ۲۸۱ سے نقل کیا ہے۔ حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ "منتقی" حافظ ذہبی کی تصنیف ہے جن کی وفات ۴۸۵ھ میں ہوئی ہے اور البدایہ والنہایہ ان کے شاگرد حافظ ابن کثیر کی۔ اور ان کا وفات ۷۴۴ھ ہے پھر لطف یہ ہے کہ منتقی میں خود اس کے خلاف صاف تصریح ہے کہ:

لَمْ نَعْقِدْ أَنَّهُ مِنَ الْفَرَادِ
الرَّاشِدِينَ كَمَا قَالَ بَعْضُ
الْجَهْلَةِ مِنَ الْكِرَادِ -

ہمارا یہ اعتقاد نہیں کہ یزید خلفاء
راشدین میں سے تھا جیسا کہ بعض
جاہل کردوں کا عقیدہ ہے۔

(ص ۲۷۹)

وَزَحْنُ فَقُولِ خِلَافَتِهِ
النَّبَوَةِ ثَلَاثُونَ سَنَةً ثُمَّ
صَارَتْ مَكَامَهُ أَرْوَافُ
الْحَدِيثِ.....

اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ خلیفہ
نبوت تیس سال ہی رہی پھر بادشاہی
ہو گئی، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے

یزید بھی مروانیوں اور عباسیوں
کی طرح اپنے وقت میں ایک صاحب
السیف کا مثالہ من

یاور ہے حافظ ذہبی، یزید کو قطعاً اچھا آدمی نہیں سمجھتے، اور وہ خود ان الزامات کو اپنی تصانیف میں اس پر عائد کرتے ہیں چنانچہ اس سلسلے میں ان کی تصریحات آگے موقع ہو قع آ رہی ہیں۔

اور عاقلان بن نبیہ نے
منہاج السنہ میں جس
کا خلاصہ یہی منتقلی ہے

**اُمّہ مسلمین میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں کہ
یزید عادل تھا اور اللہ کا مطیع۔**

صاف لکھا ہے کہ:

وَكذلك كونه عادلاً
في كل أمورٍ مطيعاً
لله في جميع أفعاله ليس
هذا اعتقاد أحد من
أُمّة المسلمين - ويكذلك
وجوب طاعته في كل ما
يأمر به وإن كان معصية
لله ليس هو اعتقاد أحد
من أُمّة المسلمين -

(منہاج السنہ - ج - ۲)

اور اسی طرح یزید کا تمام معاملات
میں عادل ہونا، اور اپنے تمام
افعال میں اللہ تعالیٰ کا مطیع ہونا یہ
بھی اُمّہ مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد
نہیں ہے، اور اسی طرح یہ بات
کہ یزید کی اطاعت اس کے حکم
میں واجب تھی خواہ معصیت الہی
کا ہی حکم کیوں نہ دے یہ بھی اُمّہ
مسلمین میں سے کسی کا اعتقاد نہیں
ہے۔

ہاں منتفی کے محشی محب الدین خطیب نے (جو کہ پکا ناہی ہے) اس افسانہ کو البدایہ والنہایہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے جس کی ترمذی محدث حرم محمد عزیزی تہانی نے انادۃ الاختیار، سیرۃ الابرار میں بڑی تفصیل کی ہے۔

اب غور کرنے کی بات یہ ہے کہ خود حافظ ابن کثیر کی تصریحات یزید کے فسق کے بارے میں!

جگہ یزید کے فسق کی تصریح کی ہے۔ مثلاً:

(۱) ایک مقام پر امام طبرانی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ:

کان یزید فی حداشہ صاحب شراب یاخذ ماخذ الاحداث

یزید اپنی نوعمری میں پیٹے پلانے کا شغل رکھتا تھا اور اس میں نوعوانوں کی سی آزادی تھی۔

(ج - ۸ ص ۲۸۸)

(۲) اور دوسری جگہ لکھتے ہیں:

وکان فیہ ایضاً اقبال علی الشهوات وترك بعض الصلوات فی بعض الاوقات رما نسیا فی غالب الاوقات وقد قال الامام احمد حدثنا ابو عبد الرحمن ثنا حیوة حدثنی بشیر بن عمرو الخولانی أن الولید بن قیس

اور یزید میں یہ بات تھی کہ وہ خواہشات نفسانی کا متوالا تھا اور بعض اوقات بعض نمازیں بھی چھوڑ دیا کرتا تھا اور اکثر ناوقت پڑھتا تھا۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ساٹھ سال کے بعد اللہ تعالیٰ

حدثہ انسہ سمع

ابا سعید الخدری بقول

سمعت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم یقول:

یکون خلف من بعدین

سنة أضاعوا الصلوة

وأتبعوا الشهوات فسوف

یلقون عیا - (الحديث)

رج ۸ - ص ۲۳۰

(۳) اور پھر وہ حدیثیں ذکر کر کے جن میں یزید کی مذمت وارد ہے (ص ۲۳۲)

پیرایہ لکھتے ہیں:

قلت: یزید بن معاویہ

اکثر ما نقم علیہ فی

عمله شرب الخمر واتیان

بعض الفواحش -

کا ہے ۔

یاد رہے یہ سب الزامات وہ ہیں جو صحابہ نے اس پر عائد کئے تھے

حافظ ابن کثیر نے ان الزامات سے یزید کی کہیں برأت نہیں کی ہے اب

مظاہر ہے کہ جب حافظ ابن کثیر خود محمد بن حنفیہ کی اس روایت پر اعتماد نہیں

کرتے اور جابجا اس کے خلاف اپنے فیصلے صادر کرتے جاتے ہیں تو پھر

ابن الحنفیہ کی نسبت اس قول کی صحت معلوم -

ہوں گے جو نمازیں چھوڑیں گے، اپنی

خواہشات کی پیروی کریں گے اور

عنقریب غمتی میں (جو کہ جہنم کی

بدترین داری ہے) داخل ہوں گے

اور یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عبداللہ بن مطیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ رحمٰن سے محمد بن حنفیہ کا یہ مکالمہ برأت یزید کے بارے میں نقل کیا جاتا ہے (دونوں صحابی ہیں اب اگر یہ مکالمہ صحیح تسلیم کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ان دونوں صحابیوں نے نو یزید پر جھوٹی تہمت جوڑی اور ابن حنفیہ جو کہ صحابی نہیں ہیں ان کی بات سچی نکلی یہ بات مستغنی کا ذہن تو قبول کر سکتا ہے لیکن عام مسلمان کا نہیں۔

اس افسانہ کا ذکر دوسری کتابوں میں نہیں | پھر یہ بھی واضح رہے کہ اس افسانے

کا ذکر صرف تاریخ ابن کثیر میں ملتا ہے اور انہوں نے بھی اس کی کوئی سند بیان نہیں کی کہ اس پر کوئی علمی بحث کی جاسکے اس افسانہ کو نہ امام ابن جریر بطبرقی نے ذکر کیا ہے نہ حافظ ابن الاثیر جزیری نے اور نہ کسی اور معتبر مورخ نے۔ لہذا پہلے محمد بن حنفیہ سے اس مکالمہ کو بسند صحیح ثابت کیا جائے۔ پھر شبہ ظاہر کیا جائے اور بالفرض اس افسانہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تب بھی یزید کے بارے میں ابن حنفیہ کی تعدیل و دستاویز تا بعین کبار کی جرح کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، صحابہ کی جرح کا تو کیا ذکر ہے کیونکہ اصول حدیث کا متفقہ قاعدہ ہے کہ: "جرح تعدیل پر مقدم ہے" پھر صحابہ کی جرح کے مقابلہ میں ابن حنفیہ کی تعدیل کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے۔

من رجال کا متفقہ فیصلہ یزید اس کا اہل نہیں | یاد رہے تاریخ و من رجال کی تمام کتابوں

کا متفقہ فیصلہ ہے کہ یزید کی عدالت مجروح و مقدوح ہے اور وہ اس کا اہل

نہیں کہ اس کی کوئی روایت قبول کی جائے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ تقریب
التہذیب میں فرماتے ہیں۔

یزید بن معاویہ بن ابی
سفیان الاموی ابو خالد
ولی الخلافة سنة ستين
ومات سنة اربع وستين
ولم يكمل الامر بعين
لیس باہل آن یروی عنه

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی
ابو خالدؒ ۶۳۷ھ ہجری میں متولی خلافت
ہوا۔ اور ۶۴۷ھ ہجری میں مر گیا،
پورے چالیس سال کا بھی نہ ہو سکا
یہ اس کا اہل نہیں کہ اس سے کوئی
حدیث روایت کی جائے۔

اب ظاہر ہے کہ محمد بن حنفیہ کی طرف اگر اس قول کا انتساب صحیح ہوتا یا کسی
بھی صحابی و تابعی سے یزید کی ثنا و صفت منقول ہوتی اور وہ محدثین و ائمہ رجال کے ایک
عادل ہوتا تو فن رجال کا یہ فیصلہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا جو حافظ ابن حجر عسقلانی
نے نقل کیا ہے۔

چوتھا شبہ اور اس کا جواب

چوتھا شبہ مستثنیٰ کو پیش آیا ہے وہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر ملی تو یزید کو ان کے خاندان کا نیک فرد قرار دیا اور اس کی بیعت و اطاعت کا حکم دیا۔

اغاثی کی روایت میں یہ بات مذکور نہیں | اس کا جواب یہ ہے کہ یزید کا فسق تو اتر سے

ثابت ہے اس لیے اس کے صراح ہونے کا ذکر اگر کسی روایت میں آئے تو وہ روایت شاذ و اقبال قیوں ہوگی، علامہ ابوالفرج اصفہانی نے "الاغاثی" میں اس سلسلہ میں جو روایت نقل کی ہے وہ یہ ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جب حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر مرگ اور یزید کے حاکم بننے کی اطلاع پہنچی ہے تو وہ اپنے اصحاب کو شام کا کھانا کھلا رہے تھے اور خود بھی ان کے ساتھ کھا رہے تھے۔

اس وقت آپ اپنے منہ میں لقمہ ٹٹلے ہی والے تھے کہ آپ نے لقمہ رکھ دیا اور تھوڑی دیر تک سر جھکا کر رہے پھر

ان ابن عباس اتاه نخی معاویۃ رولایۃ یزید رھو یعشی اصحابہ دیا کل معہم وقد رافع الی فیہ لقمۃ فللقاھا وأطرفت ہنیہۃ ثم قال جبل تدکدک ثم مال جمیعہ فی البحر واشتہمت علیہ البحر لله در ابن ہند ماکان اجمل وجہہ

واکرم خلقه واعظم حلقه
فقطع عنیه الکلام رحیل
وقال اتقول هذا فیہ
فقال وبعثک انک
لا تدری من مضمی

عنک ومن بقی عیدک
وسننک ثم قطع الکلام
(ج ۱ ص ۱۶، ص ۳۷ طبع دار الفکر)

بیرد :-

رہزہ ہونے لگے کہ ایک پہاڑ تھا جو ریزہ
ریزہ ہو کر سارے کا سارا سمندر میں
چلا گیا اور اس کے کئی سمندر بن گئے
ابن ہند (معاویہ) کے کیا کہنے، اس
کا چہرہ کتنا پیارا، اس کا اخلاق کتنا
عمدہ اور اس کا علم کتنا زیادہ تھا اس
پر ایک شخص ان کی بات کاٹ کر
کہنے لگا آپ بھی ان کے بارے
میں ایسا کہتے ہیں، فرمایا تجھ پر فوس
ہے تجھے پتہ ہی نہیں کہ تجھے پتہ کر
کون چلا گیا اور تجھ پر بسط ہونے کے
لیے کون باقی رہ گیا سو اب تجھے معلوم ہو گیا
انامہ رسائے خلو ختم کر دی۔

اور مستفتی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو کچھ نقل کیا ہے
اس کے لیے دو کتابوں کا حوالہ دیا ہے۔ ایک انامہ والی سیارہ کا
بلاذری کا۔

الامامہ والی سیارہ قابل استناد نہیں | الامامہ والی سیارہ

سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس موقع پر جو رائے ظاہر کی ہے آئندہ ہونے والے
واقعات نے اس کی تصدیق کی چنانچہ تقریباً چودہ پندرہ سال تک پھر اموی حکومت کو استقامت
نصیب نہیں ہو سکا اور اسلامی دنیا اس عرصہ میں خانہ جنگی میں مبتلا رہی۔

قابل استناد کتاب نہیں، معلوم نہیں اس کا مصنف کون ہے۔ مشہور ادیب ابن قتیبہ کی طرف اس کی نسبت جعلی ہے۔

بلاذری کی سند صحیح نہیں

ربلاذری تو اس کی سند میں صحت معلوم نہیں ہوتی ایسی روایت ہر حال میں مردود ہے اور اگر کسی کو اس کی صحت پر اصرار ہو تو سند پیش کر کے اس کی صحت کا ثبوت دے۔ خود مورخ بلاذری کی انساب الاشراف میں یزید کا تذکرہ اس کے فتنی و فحور کے ذکر سے پر ہے تاہم اس میں بعض ایسی روایتیں بھی موجود ہیں جن کی اہمیت کے پیش نظر یہودیوں نے سنہ ۱۹۲۰ء میں یروشلم سے اس کتاب کو شائع کیا تھا اور انہی یہودیوں کی اتباع میں محمود احمد عباسی جیسے ملحدین نے مسلمانوں میں انتشار فکر پیدا کرنے کے لیے اس قسم کی روایات کو اپنی تصانیف میں جگہ دی ہے۔

بالقرض یہ روایت صحیح ہو تو حضرت ابن عباس کی آخری رائے کا اعتبار ہوگا

اور بالقرض
مختصریٰ یکے
یہ مان بھی

لیا جائے کہ

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یزید کے بارے میں یہی اظہار خیال فرمایا تھا جو اس روایت میں مذکور ہے تو یہ اس وقت کی بات ہے جب کہ یزید کا فتنہ ابھی ظاہر نہیں ہوا تھا اور اس کے والد امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی زندہ تھے اور وہ سب کے سامنے نیک بنا رہتا تھا اس لیے ممکن ہے نظر بظاہر آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے بعد اس کے بارے میں ایسا اظہار خیال فرمایا ہو۔ بعد کو جب اس کا فتنہ عالم آشکارا ہوا

اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منظوم شہادت نے اس کے ظلم و عدل پر مہر تصدیق ثبت کر دی تو حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے خود یزید کو مخاطب کر کے جو کچھ فرمایا۔ اہل اعتبار اس کا ہوگا۔

یزید اور حضرت ابن عباس کی خط و کتابت | چنانچہ یزید کے نام حضرت ابن عباس

رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی خط و کتابت جو کتب توارخ میں درج ہے وہ دیکھی جائے اس سے سب حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نظروں میں یزید کا کتنا احترام تھا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اپنی بیعت خلافت کی دعوت دی مگر لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان سے بیعت کرنے سے صاف انکار کر دیا اس انکار سے یزید یہ سمجھا کہ چونکہ یہ میری بیعت میں داخل ہیں اس لیے انہوں نے ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت سے انکار کیا ہے اس بات سے خوش ہو کر اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو جو خط لکھا ہے وہ یہ ہے۔

یزید کا خط حضرت ابن عباس کے نام |

اما بعد: مجھے اطلاع ملی ہے کہ ملحد

ابن الزبیر نے آپ کو اپنی بیعت

کے لیے کہا تھا اور آپ ہماری فلاح

میں ہماری بیعت پر مستقیم ہیں

اما بعد: فقد بلغني ان الملاحدين

الزبير و هالك الى بيعته و انك

لغتصمت ببيعتنا و فاد

هناك لنا فجزاك الله من

ذی رحم خیر ما یجزی
 المرحلین لا رحمهم
 المرفضین بعھو دھم
 فما انشی من الاشیاء
 فست بناس برک
 وتعجیل صلتک بالذی
 أنت لد اهل فانظر من
 طلع عبدک من الآف
 ممن سحرهم ابن
 الزبیر بلسانہ فاعلمهم
 بحالہ فانذهم مذک
 اسد مع الناس ولک
 اطوع منہم للمحل
 الکامل ابن اثیر ج ۴ ص ۵۰

اللہ تعالیٰ آپ جیسے رشتہ دار کو بہتر
 سے بہتر جزا دے خیر عطا فرمائے جو
 ان حضرات کو عطا کرتا ہے کہ جو صلہ
 رحمی کرتے ہیں اور اپنے عہد پر قائم
 رہتے ہیں سواب میں کچھ بھی بھول
 پر آپ کے اس احسان کو نہیں
 بھولوں گا اور آپ کی خدمت میں فوراً
 ایسے صلے کی روانگی جو آپ
 کے شایان شان ہو اب اب رہ
 اتنا خیال اور رکھیں کہ جو بھی بیرونی
 آدمی آپ کی خدمت میں آئے اور
 ابن زبیر نے اپنی جادو بیانی سے
 اسے متاثر کر لیا ہو تو آپ ابن زبیر
 کے حال سے اسے آگاہ فرمادیں
 کیونکہ اس حرم کعبہ کی حرمت کے
 صلے کرنے والے کی نسبت لوگ آپ
 کی زیادہ سنتے ورنہ زیادہ مانتے ہیں

ابن زبیر مراد ہیں کہ بڑی کی معصیت نہ کرنے کے
 سبب یزید خاک بدین گستاخ ان کو ملے اور حرمت کعبہ کو ختم کرنے
 والا کہتا تھا

حضرت ابن عباس کا سرزنش نامہ یزید کے نام

یزید کے اس خط کے جواب میں
حضرت ابن عباس رضی
اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کو

جو سرزنش نامہ تحریر کیا ہے وہ یہ ہے:

اما بعد: فقد جاء رخي

كتابك، فأما تركي

بيعة ابن الزبير فوالله

ما أرحو بذاك تركي

ولا حمد لك ولكن الله

بالذي أنصرت علي

ونرا عمت انك لست

بناس بري فاحبس

ايها الانسان برئ غني

فاني احاسب عنك

بري وسالت ان احبيب

الناس اليك والفضلهم

واخذ لهم لابن الزبير

فلا ولا سرور ولا كرامة

كيف قتلت حسينا

ونتي ان عبد المطلب

مصايح الهدى

اما بعد: تمہارا خط مجھے ملا میں نے

جو ابن زبیر سے بیعت نہیں کی تو واللہ

اس سلسلہ میں میں تم سے حسن

سلوک اور تمہاری ثنا و صفت کا خواہاں

نہیں، بلکہ جس نیت سے میں نے ایسا

کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ خواب جانتا ہے

اور تمہیں جو یہ زعم ہے کہ میرے حسن

سلوک کو فراموش نہ کر دو گے تو اسے

انسان اپنے اس حسن سلوک کو اپنے

پاس اٹھا رکھ کیونکہ میں اپنے حسن

سلوک کو تم سے اٹھا رکھوں گا اور

تم نے جو مجھ سے درخواست کی ہے

کہ میں لوگوں کے دلوں میں تمہاری

محبت پیدا کروں اور ابن زبیر سے

ان کو نفرت دلاؤں اور ان کو بے

پار و مددگار چھوڑنے پر آمادہ کروں

سو ایسا بالکل نہیں ہو سکتا، تمہاری

و نجوم الا علام غادر قہر
 حیولک بامرک فی حید
 واحد مرملین بالدماء
 مسلوبین بالعراء مقتولین
 بالظلماء، لا مکفنین و لا
 مسدین تسفی علیہم
 الریاح وتنتابہم عوج
 الضباع حتی اتاح اللہ
 بقوم لم یشرکوا
 فی دمائہم کفنوہم
 واجنوہم و بری بہم
 فقرزت و جلست
 مجلسک الذی
 جلست فما أنسی
 من الاشیاء فلست بناہی
 اطرادک حسینا من
 حرم رسول اللہ صلی اللہ

خوشی ہمیں منظور ہے، اور نہ تمہارا
 اعزاز، اور یہ ہو بھی کس طرح سکتا
 ہے حالانکہ تم نے حسین کو اور ان
 جوانانِ عہدِ مطلب کو قتل کیا
 جو ہدایت کے چراغ اور ناموول
 میں ستارے تھے، تمہارے سواروں
 نے تمہارے حکم سے ان لوگوں کو
 آغشتہ بخون ایک کھلے میدان میں
 اس حال میں ڈال دیا تھا کہ ان کے
 بدن پر جو کچھ تھا وہ چھینا جا چکا تھا،
 پیاس کی حالت میں ان کو قتل کیا
 گیا اور بغیر کفن بے سہارا پڑا رہنے
 دیا گیا، ہوائیں ان پر خاک ڈالتی رہیں
 اور بھوسے بھو باری باری سے ان کی
 لاشوں پر آتے جاتے رہے تاکہ حق
 تعالیٰ نے ان کے لیے ایسی قوم کو بھیجا
 جن کے ہاتھ ان کے خون سے رنگیں

لے یاد رہے الکامل لابن الاثیر کے مطبوعہ نسخہ میں یہاں "موسدین" کی بجائے
 "مسودین" اور "مناہم" کی جگہ "ینشاہم" اور "عوج الضباع" کی بجائے "عرج البطاح"
 غلط چھپ گیا ہے۔ ہم نے اس کی تصحیح مجمع الزوائد سے کر دی ہے۔

علیہ وسلم فی حرم اللہ
 وقیسیر ک الخیول الیہ
 فغانر لت بذ اللہ
 حتی اشخصتہ الی
 العراق فخرج نحائفاً
 یترقب فتزلت بہ
 خیالک عداوۃ ہند
 بلد ورسولہ ولاہل
 بیتہ الذین اذهب
 اللہ عنہم الرجس
 وطہرہم تطہیرا
 فطلب الیکم الموارعۃ
 وسالکم الرجعة
 فاعنتتم قلۃ النصارۃ
 واستیہان اہل بیتہ
 وتعاونتم عیدہ کانکم
 قتلتم اہل بیت من
 الشریک والکفر
 فلا شئی اعجب
 عندی من طلبتک
 ودی قد قتلک ولد ابی

نہ تھے ان لوگوں نے آگمان کو کفن
 دیا اور دفن کیا، حالانکہ بخدا ان
 ہی کے طفیل تجھے یہ عزت ملی ہے
 اور تجھے اس جگہ بیٹھا نصیب جس جگہ اب
 بیٹھا ہوا ہے اب میں خواہ سب
 چیزیں فراموش کر دوں، پر اس بات
 کو فراموش نہیں کر سکتا کہ تو نے
 ہی حسین کو مجبور کر کے رسول اللہ
 صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حرم سے
 حرم الہی میں پہنچایا اور پھر تو اپنے
 سواروں کو برابر ان کے پاس بھیجتا
 رہا اور مسلسل لگارتا آتا کہ ان کو
 عراق کی طرف روانہ کر کے چھوڑا
 چنانچہ وہ حرم مکہ سے اس کیفیت
 میں نکلے کہ ان کو دھڑکا لگا ہوا تھا
 اور پھر تیسرے سواروں نے ان کو
 جا لیا۔ یہ سب کچھ تو نے خدا رسول
 اور ان اہل بیت کی عداوت میں
 کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نبی ست
 دور کر کے ان کو خوب پاک و صاف
 کر دیا تھا، حسین نے تمہارے سامنے

و سيقك يقطر من
دمي وانت احد ثامري
ولا يعجبك ان ظفرت
بنا اليوم فلنظفرن
بك يومًا - والسلام

(کامل ابن اثیر ج ۴ - ص ۵۷۵)

صلح کی بھی پیش کش کی اور واپس لوٹ
جانے کی بھی درخواست کی مگر تم نے
یہ دیکھ کر کہ اس وقت بے یار و مددگار
ہیں اور ان کے خاندان کا استیصال
کیا جاسکتا ہے موقع کو غنیمت
جانا اور تم ان کے خلاف باہم
تعاون کر کے ان پر اس طرح ٹوٹ
پڑے کہ گویا تم مشرکوں یا کافروں
کے خاندان کو قتل کر رہے ہو پس
اب میرے نزدیک اس سے زیادہ
اور کیا تعجب کی بات ہوگی کہ تو میری
دوستی کا طالب ہے حالانکہ تو میرے
دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے
اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک
رہا ہے۔ اب تو تو میرے انتقام
کا ہدف ہے اور اس خیال میں
نہ رہنا کہ آج تو نے ہم پر فتح پا
لی ہے ہم بھی کسی نہ کسی دن تجھ پر
فتح پا کر رہیں گے۔ والسلام۔

لے تاریخ شاہد ہے کہ حضرت کی یہ پیشگوئی پوری ہو کر رہی اور عباسیوں ہی کے رہائی کے صفحہ پر

پانچواں شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر ابن العزنی نے
 "العواصم من القواصم" میں لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے کتاب الزہد میں ہے
 یزید کا ذکر زیاد صحابہ کے بعد اور تابعین سے پہلے اس زمرہ میں ذکر کیا ہے
 جن کے وعظ و فرمان سے ہدایت حاصل کی جاتی ہے۔

اس کا جواب

ابن العزنی کی رائے | یہ صحیح ہے کہ حافظ ابوبکر بن العزنی، امام
 غزالی کے شاگرد تھے لیکن خود ان کے دل میں
 استاد کی جو قدر تھی وہ بھی سن لیجئے۔
 حافظ ابن کثیر "البدایہ والنہایہ" میں ۵۲۵ھ ہجری کے دنیات کا ذکر کرتے
 ہوئے لکھتے ہیں

وَمِمَّنْ ثَوَّقَ فِيهَا مِنَ
 الْأَعْيَانِ الْفَقِيهَ ابُو بَكْرٍ
 بَنِ الْعَزَنِيِّ الْمَالِكِيِّ شَارِحِ
 التِّرْمِذِيِّ كَانَ فَقِيهًا
 عَالِمًا وَنَازِلًا عَابِدًا
 وَسَمِعَ الْحَدِيثَ بَعْدَ
 اَوَّلِ اس سنی میں جن بڑے لوگوں کا
 انتقال ہوا۔ ان میں فقیہ ابوبکر
 بن العزنی مالکی شارح ترمذی بھی
 ہیں یہ فقیہ و عالم اور زاہد و عابد تھے
 انہوں نے حدیث کا سماع فقہ میں
 مشغول ہونے کے بعد کیا تھا۔ غزالی

اشتغالہ فی الفقہ و صاحب
الفرای و اخذ عنہ و کان
یتهمہ برای الفلاسفۃ
و یقول دخل فی اجوافہم
فلم ینخرج منها

(ج ۲ - ص ۲۲۸، ۲۲۹)

کی صحبت میں رہے ان سے علم بھی
حاصل کیا اور غزالی کو فلاسفہ کی رائے
سے بھی متہم کیا کرتے تھے۔ کہا کرتے
تھے کہ فلسفہ ان لوگوں کے پیڑوں
میں ایسا گھسا کہ پھر نکلا ہی نہیں۔

ابن العربی کا فتویٰ کہ
حسین کا قتل جائز تھا

بجائے بقول شاگرد، استاد تو فلسفہ کے
چکر سے ساری عمر نہ نکل سکے۔ مگر خود بدولت
کو آخر کیا ہو گیا تھا کہ یزید جیسا شقی تو آپ

کو اولیاء کبار کی صف میں نظر آیا اور بچاۃ الرسول، سید شباب اہل البیت
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کی نظر میں ایسے مجرم ٹھہرے کہ جناب کے جھٹکے
ی فتویٰ صادر فرما دیا کہ

قتل الحسین بشرع
جدہ

حسین کو ان کے نانا کی شرع کے مطابق
قتل کر ڈالا گیا۔

نازم برین فطانت سمجھ بوجھ ہو تو ایسی ہو۔ غالی نا صبیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے چنانچہ
علامہ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں

غلوا لناصریۃ الذین
یزعمون أن الحسین
کان خاسراً حیاً و انہ کان

ناصریوں کا غلو ہے جو یہ زعم
کرتے ہیں کہ حضرت حسین رضی
اللہ تعالیٰ عنہ نے خلیفہ وقت کے

خلاف خروج کیا اور اس لیے
ان کو قتل کرنا جائز تھا۔

قاضی ابوبکر ابن العربی ناصبی ہیں | چنانچہ اسی لیے شاہ عبدالعزیز
صاحب رحمہ اللہ فتاویٰ عزیزی
میں لکھتے ہیں :-

نواصب فرقہ جداست، ورائے
نوارج در مغرب و شام بسیار بودہ
اند، و متوکل عباسی و وزیر اعلیٰ
ابن جہم نیز از جملہ نواصب است
نوارج جمیع مقلدین را از صحابہ
بمحو طلحہ و زبیر و امیر المومنین علی
المرتضیٰ و معاویہ و عمرو بن العاص را
تکفیری کہند۔ و نواصب محض عداوت
امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
و ذریت طاہرہ او شعار خود دارند و
از متاخرین حافظ مغربی نیز ناصبی
است۔

نواصب "نوارج" سے جدا فرقہ ہے
یہ مغرب اور شام میں بہت تھے۔
خلیفہ المتوکل عباسی اور اس کا وزیر علی
بن جہم بھی نواصب میں سے تھے۔
نوارج ان کام صحابہ کرام کو جن میں
باہم جنگ ہوئی یعنی حضرت طلحہ و زبیر
ذیر، امیر المومنین علی مرتضیٰ، حضرت
معاویہ اور حضرت عمرو بن العاص،
ارضی اللہ تعالیٰ عنہم، ان سب کو کافر
بتاتے ہیں اور نواصب نے صرف
امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ
وجہہ اور ان کی ذریت طاہرہ کی عداوت
کو اپنا شعار بنایا ہے۔ متاخرین میں

۱۰۰۰ سال کی دہائی

حافظ مغربی (ابو بکر ابن العربی) بھی
ناصبی ہے۔

کتاب الزہد میں جن صاحب کا تذکرہ ہے وہ امیر یزید نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ ہیں ،

اسی ناصبیت کی شامت سے شاید قاضی حبی کو دو جہم ہو گیا اور انہوں نے
کتاب الزہد میں یزید بن معاویہ کا نام دیکھتے ہی اس کو اپنا مدوح امیر یزید
سمجھ لیا، یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ
نخعی کوئی ہیں جو مشہور زاہد و عابد گزرے ہیں ان کا تذکرہ "تذیب التہذیب"
وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔ ہم ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے حافظ
جمال الدین مزی کی "تذیب الکمال" سے ان کا پورا ترجمہ نقل کیے دیتے ہیں
ملاحظہ فرمائیے اوہ لکھتے ہیں :-

یزید بن معاویہ نخعی کوئی ، ابو بکر بن ابی
خثیمہ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اور عمرو بن
عقبہ بن فرقہ اور ربیع بن خثیم اور ہمام
بن الحارث اور معضد الشیبانی اور
جندب بن عبد اللہ اور کیل بن زیاد
نخعی اور اولیس قرنی ان سب کا شمار
عابدوں میں رہے ۔ اور عبد الرحمن
بن یزید کوئی نخعی سے منقول ہے کہ فارک
یزید بن معاویہ النخعی لکونی
کر ابو بکر بن ابی خثیمہ
امہ معدود فی العبادہ و
عمرو بن عقبہ بن فرقہ
و ربیع بن خثیم و ہمام
بن الحارث و معضد الشیبانی
و جندب بن عبد اللہ و کیل
بن زیاد النخعی و اولیس

القرنی، وحکی عن عبد الرحمن بن یزید النخعی قال خرجانی جیش نحو فارس فیده علقمة ویزید بن معاویة فقتل یزید بن معاویة، لد ذکر فی الدعاء من صحیح البخاری فی "باب الموعظة ساعة بعد ساعة" فی حدیث شقیق بن سلمہ قال کنا نقتل عبد الله اذ جاء یزید بن معاویة فقلنا الا تجلس الحدیث و ذکرہ فی التاریخ و ذکرہ ابن حبان فی کتاب الثقات و قال قتل غانم یا بفارس لہ۔

کی مہم پر ایک لشکر میں ہم بھی روانہ ہوئے تھے اسی لشکر میں علقمہ اور یزید بن معاویہ بھی تھے پھر یزید بن معاویہ اسی مہم میں شہید ہوئے صحیح بخاری، کتاب الدعاء کے "باب الموعظة ساعة بعد ساعة" میں بروایت شقیق بن سلمہ مذکور ہے کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے باہر آنے کے منتظر تھے کہ اسی اثناء میں یزید بن معاویہ بھی آگئے ہم نے ان سے عرض کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟ (اے) امام بخاری نے اپنی تاریخ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ اور ابن حبان نے بھی کتاب الثقات میں ان کا تذکرہ لکھا ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ فارس میں جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

اب یہ خدا ہی جانے قاضی ابوبکر بن العربی کو اپنی خوش فہمی کی بدولت یہ وہم ہوا ہے یا انہوں نے قصداً ہی مخالطہ دینے کے لیے لوگوں کا ذہن یزید بن معاویہ کوئی

رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی بجائے (جو طبقہ کبار تابعین میں بڑے عابد و زاہد بزرگ گزرے
ہیں) اپنے ممدوح امیر یزید بن معاویہ اموی کی طرف منتقل کر دیا، تاکہ لوگ اس
یزید پلید کو بھی حضرت یزید کوئی نفعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرح نہ ہو و عبادت میں حضرت
اولیں قرنی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ہمسر سمجھنے لگیں۔

ناصبیوں کا امام طبری کو رافضی بتانا | درحقیقت یہ ویسی ہی ناپاک
جسارت ہے جیسی کہ آج کل کے

ناجی حضرت امام ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے حق میں کرتے ہیں جو مجتہدین
اہلسنت میں بڑے نامور امام گزرے ہیں انہیں صرف اس لیے رافضی بتاتے
ہیں کہ اس نام کا ایک دوسرا رافضی عالم بھی گزرا ہے ان ناصبیوں کی یہ سعی محمود
صرف اس لیے ہے کہ امام طبری کی "تاریخ ناصبیت" کا ساتھ نہیں دیتی۔

۱۔ ناصبیت کی طرف میلان کے سبب حافظ مغربی ابو بکر بن العسبلی اگرچہ تمام
مورخین اسلام سے نالاں ہیں۔ مگر امام طبری سے ان کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ تمام
مورخین اسلام میں اگر ان کو کسی مورخ پر اعتقاد ہے تو وہ صرف امام ابو جعفر محمد ابن جریر
طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ چنانچہ العواصم من القواصم میں نہایت
دستوری کے ساتھ ان کی تاکید یہ ہے کہ ولا تسمعوا لمورخ کلاماً
الا للطبری (ص ۲۴۸) طبری کے سوا کسی مورخ کی کوئی بات نہ سنو۔

اب سوچنے کی بات ہے رافضیوں کے بارے میں حافظ ابو بکر بن العسبلی
سے زیادہ کون حساس ہو گا۔ امام طبری کی تصانیف بالخصوص "تاریخ میں اگر
رفض کی تہ کا فی ہوتی تو وہ اس رائے کا اظہار کس طرح کر سکتے تھے۔

مطبوعہ کتاب الزہد اصل نہیں | واضح رہے کہ حالی میں جو کتاب الزہد
اس کا انتخاب ہے | امام احمد بن حنبل کے نام سے مطبع
ام القریٰ مکہ سے شائع ہوئی ہے، وہ پوری

کتاب نہیں بلکہ اس کا انتخاب ہے، پوری کتاب جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی
نے تعجیل المنفعة کے مقدمہ میں تصریح کی ہے بڑی ضخیم کتاب ہے جو سند احمد
بن حنبل کی تقریباً ایک تہائی ہے۔ موجودہ نسخہ حوالہ کتاب کا انتخاب ہے
اس میں "دونوں یزیدوں" کا تذکرہ نہیں ہے لہذا قاضی جی کی العواصم سے
اس بارے میں استدلال کرنا محض نادانی ہے۔

یزید کے بارے میں امام احمد کی تصریح کہ
اس سے کوئی روایت نہ کی جائے | بہر حال حضرت امام
احمد بن حنبل کی طرف
اس خرافات کو منسوب

کرنا کہ "وہ یزید کو عابد و زاہد مانتے تھے" بہت بڑی جسارت ہے۔ حافظ
دہلوی نے "میزان الاعتدال" میں یزید کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا یہ
قول نقل کیا ہے کہ

لا یسبغی ان یروی عنہ | اس سے روایت کرنا نہیں چاہیے
اور حافظ ابن تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قبل له ان تكتب الحديث
عن يزيد بن معاوية قال
لا دكرامة اوليس هو
الذي فعل باهل المدينة
ما فعل۔
حضرت امام احمد بن حنبل سے
عرض کیا گیا کہ کیا یزید بن معاویہ
سے حدیث آپ لکھیں گے،
فرمایا انہیں، اور نہ اس میں کچھ
عزت ہے، کیا یہ وہی شخص

(مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۲ - ۳ - طبع)

بیاض

نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے

ساتھ وہ ظلم کیا جو بیان سے باہر ہے

حافظ ابن حجرؒ نے "تجیل المنفعة" میں امام احمد کی کتاب "الزہد" اوردان کی

مسند کے ان تمام رجال کا ذکر کیا ہے جن سے صحاح ستہ میں روایتیں

نہیں ہیں اس میں یزید بن معاویہ کے بارے میں یہ مذکور ہے۔

مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور

نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

ولم يقع له في المسند

رواية وانما له مجرد ذكر

پھر فرماتے ہیں:-

وقد وقع ليزيد بن معاوية

ذكر في الصحيح وفي السنن

ايضا وخلفت له في المراسيل

لابي داود برواية ذكرت

له من اجلها تذكرة في

تهذيب التهذيب۔

ہے۔

اور اسی کے ساتھ ساتھ "تهذيب التهذيب" میں یہ بھی تصریح کر دی

ہے وليست له رواية تعتمد (اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل

اعتماد ہو) واضح رہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے "تجیل المنفعة"، "تهذيب

التهذيب" اور "لسان الميزان" ان تینوں کتابوں میں اس کا ترجمہ لکھا ہے۔

لے ذکر سے مراد یہ نہیں ہے کہ اس کی تعریف و توصیف کی گئی ہے بلکہ سدا کلام

میں کہیں اس کا ذکر آگیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی کی لسان المیزان سے
یزید کا مکمل ترجمہ

ہم لسان المیزان سے یزید
کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے
ہیں، فرماتے ہیں:-

یزید بن معاویہ بن ابی

سفیان الاموی روی عن

ابیہ، وعندہ ابنہ خالد

وعبد الملک بن مروان،

مقدوح فی عدالتہ ولیس

بأهل ان یروی عنہ، وقال

احمد بن حنبل: لا ینبغی

ان یروی عنہ انتہی وقد

وجدت لہ روایۃ فی

مراسیل ابی داؤد، ونبرہت

علیہا فی "النکت علی الاطراف"

واخبارہ مستوفیۃ فی

تاریخ ابن عساکر، وملخصہا

انہ ولد فی خلافتہ عثمان

وقتہ البطل من زعم انہ

ولد فی عہد النبوی دکنیتہ

ابو خالد ولما مات ابو بویع

لہ بالخلفۃ سنۃ

یزید بن معاویہ بن ابی سفیان اموی

اس نے اپنے باپ سے روایت

کی ہے اور اس سے اس کے بیٹے خالد

اور عبد الملک بن مروان نے اس کی

عدالت مجروح ہے اور یہ اس کا اہل نہیں

کہ اس کی کوئی روایت لی جائے۔ امام

احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے

روایت نہ کرنا چاہیے ایسا ذہبی

کی عبارت جو میزان الاعتدال میں ہے

تمام ہوئی، مجھے اس کی ایک روایت

مراسیل ابی داؤد میں ملی، جس پر میں

نے "النکت علی الاطراف" میں تنبیہ

کر دی ہے۔ یزید کے حالات تاریخ

ابن عساکر میں تمام وکمال مذکور ہیں

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرت عثمان

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں

پیدا ہوا، اور اس نے غلطی کی جس نے

یہ کہا کہ اس کی ولادت عہد نبوی میں

ستین، و امتنع من بیعتہ
 الحسین بن علی و عبد اللہ
 بن عمر و عبد اللہ بن الزبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہم و عاذ
 بحرم مکہ فسمی عائذ
 البیت و اما ابن عمر رضی اللہ
 عنہما فقال اذا اجتمع
 الناس با یعت ثم با یع
 و اما الحسین رضی اللہ عنہ
 فسار الی مکہ فوافق بیعتہ
 اهل الکوفۃ فسار الیہم
 بعد ان ارسل ابن عمہ
 مسلم بن عقیل لایخذ
 البیعت فظفر بہ عبید اللہ
 بن زیاد امیر ہاشمی
 و جہز الحیشی الی
 الحسین فقتل فی یوم
 عاشوراء سنة احدى
 و ستین ثم ان اهل المدینۃ
 خلقوا یزید فی سنة ثلاث
 و ستین فجهز الیہم

ہوئی تھی اس کی کنیت ابو خالد ہے
 سید ہجری میں اپنے والد کے انتقال
 پر اس سے بیعت خلافت ہوئی حضرت
 حسین بن علی، عبد اللہ بن عمر اور عبد اللہ
 بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس
 سے بیعت نہ کی۔ اور حضرت ابن زبیر
 رضی اللہ تعالیٰ عنہما تو حرم مکہ میں پناہ
 گزین ہو گئے اور اس بنا پر ان کو
 "عائذ البیت" کہا جانے لگا۔ اور حضرت
 ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ
 جب سب لوگ اس کی بیعت پر
 مجتمع ہو جائیں گے تو میں بھی بیعت نہ
 کروں گا۔ بعد کو آپ نے بھی بیعت کر لی
 رہے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 تو آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور پھر
 اہل کوفہ کے بیعت کرنے پر آپ ان
 کی طرف روانہ ہو گئے اس سے پہلے
 آپ اپنے چچا زاد بھائی مسلم بن عقیل
 کو بیعت لینے کی غرض سے بجانب
 کوفہ روانہ کر چکے تھے۔ وہاں امیر کوفہ
 عبید اللہ بن زیاد کا ان پر قابو چل گیا

مسلم بن عقبہ امری نے
جیش حافل بقاتلہم
فہزمہم وقتل منہم
خلق کثیر من الصحابة
وابناءہم وسبق اکابر
التابعین وفضلواہم
واستباحھا ثلاثۃ ايام
فہبوا وقتلوا ثم بايع من
بقي علی انہم عبید یزید
ومن امتنع قتل ثم توجه
إلى مكة لحرب ابن الزبير
فمات فی الطريق وعہد
إلى الحصین بن نمیر بنسار
بالجیش الی مكة فحاصر
ابن الزبير ونصبوا المنجنيق
على الکعبة فوهت اسرکانھا
ثم احتوت فی اثتار
ذالك ومرد الخیر بموت یزید
ثم مات ابنہ معاویۃ بن
یزید بعد قیل وصفا الجولان
الزبير فدعا الی نفسه

اور اس نے ان کو قتل کر ڈالا اس
نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی طرف فوج بھیجی جہاںچہ آپ کو
بروز عاثر و اسلحہ کو قتل کر دیا
گیا اس کے بعد اہل مدینہ نے سلسلہ
میں یزید کی بیعت توڑ دی تو یزید
نے ان لوگوں کی سرکوبی کے لیے مسلم
بن عقبہ سری کی سرکردگی میں ایک
بھاری لشکر روانہ کیا جس نے اہل
مدینہ سے جنگ کر کے ان کو ہزیمت
دی، اس جنگ میں صحابہ، اولاد صحابہ
اور اکابر تابعین میں سر بر آردہ شہداء اور فضلاء
کی ایک کثیر خلقت قتل کر دی گئی، مسلم
بن عقبہ نے تین دن تک مدینہ شریف
کو لوٹ مار اور قتل و غارت کے لیے
حلال کر دیا۔ پھر جو زندہ بچ گئے ان
سے اس شرط پر بیعت لی کہ وہ یزید
کے غلام ہیں اور جس نے بھی بیعت
سے انکار کیا ہے اس کا سر قلم کر دیا
گیا اس کے بعد مسلم نے مکہ معظمہ کا
رخ کیا تاکہ حضرت ابن زبیر رضی اللہ

نبایعہ اہل الافاق و اکثر
 اہل الشام ثم خرج
 علیہ مروان بن الحکم
 فكان ما كان، قال ابو یعلیٰ
 فی مسندہ "حدثنا الحکم
 بن موسیٰ قال حدثنا الولید
 عن الاوزاعی عن مکحول
 عن ابی عبیدۃ بن الجراح
 رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ
 وسلم "لا ینزال امر امتی
 قائما بالسوی حتی یکون
 اول من یشلہ رجل
 من بنی امیۃ یقال
 لہ یزید" و قال ابو زرعدہ
 الدمشقی حدثنا ابو نعیم
 حدثنا شیبان عن ابن
 المنکدر قال لما جاءت
 بیعة یزید قال ابن عمر
 رضی اللہ عنہما ان کان
 خیرا رضینا وان

تعالیٰ عنہ سے جنگ کیا مگر اسے راہ میں
 ہی موت نے آیا، مسلم نے حسین بن
 نمیر کو سالار لشکر کیا تھا، چنانچہ یہ لشکر
 لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور حضرت ابن
 زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا محاصرہ کر لیا
 اس لشکر نے کعبہ کے بالمقابل منجیق
 نصب کر کے اس پر گولہ باری شروع
 کر دی جس سے کعبہ کی بنیادیں کمزور
 ہو گئیں اور پھر اس میں آگ لگ گئی
 اسی آتش میں یزید کے مرنے کی خبر
 آئی اور پھر تھوڑی ہی مدت میں اس
 کا بیٹا معاویہ بن یزید بھی مر گیا۔ اب
 حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 کے حق میں فضا صاف ہو چکی تھی
 چنانچہ آپ نے اپنے بیعت کی دعوت دی
 اور تمام آفاق اور اہل شام کی اکثریت
 نے آپ سے خلافت پر بیعت کر
 لی پھر مروان نے آپ کے خلاف
 خروج کیا اور جو ہونا تھا ہو کر رہا۔
 امام ابو یعلیٰ اپنی مسند میں روایت
 کرتے ہیں کہ ہم سے حکم بن موسیٰ نے

کان بلاء صبرنا۔

۳۰۰

حدیث بیان کی اور وہ کہتے ہیں کہ
ہم سے ولید نے اوزاعی سے حدیث
نقل کی، اوزاعی، کچول سے راوی
میں اور کچول حضرت ابو عبیدہ بن
الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے ارشاد فرمایا: میری امت کا
معاملہ ٹھیک چلتا رہے گا تا آنکہ
بنی امیہ میں سے ایک شخص جس کا
نام یزید ہے سب سے پہلے اس
رخنہ ڈالے گا۔ ابوزرعرہ دمشقی کہتے
ہیں کہ ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا
کہ ہم سے شیبان نے ابن المنکدر
سے روایت نقل کی ہے کہ جب
حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما
کے پاس یزید کی بیعت کی اطلاع
آئی تو آپ نے فرمایا اگر یزید بھلا
ہو تو ہم اسے پسند کریں گے اور
بلا ہو تو صبر کریں گے

ابن شوزب کہتے ہیں کہ میں نے
ابراہیم بن ابی عبد سے سنا وہ

وقال ابن شوزب سمعت
ابراہیم بن ابی عبد،

یقول سمعت عمر بن
عبد العزیز یتروحم علی
یزید بن معاویہ و قال
یحییٰ ابن عبد الملک بن
ابی عتبہ حدثنا نوفل
بن ابی عقرب کنت
عند عمر بن عبد العزیز
ف ذکر رجل یزید بن
معاویہ فقال امیر
المومنین یزید ، فقال له عمر
تقول امیر المومنین؟
وامر به ف ضرب به
عشرین سوطاً۔

قال ابو بکر بن عیاش : بايع

کہتے تھے میں نے حضرت عمر بن
عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو
یزید کے لیے رحم کی دعا کرتے ہوئے
سنا۔ اور یحییٰ بن عبد الملک بن
ابی عتبہ کا بیان ہے کہ ہم سے نوفل
بن ابی عقرب نے بیان کیا کہ میں
حضرت عمر بن عبد العزیز کی خدمت
میں حاضر تھا کہ کسی شخص کی زبان سے
یزید بن معاویہ کا ذکر کرتے ہوئے
امیر المومنین یزید کے الفاظ کے
نکل گئے اس پر حضرت عمر رحمۃ اللہ
تعالیٰ نے فرمایا تو اس کو امیر المومنین
کہتا ہے اور پھر آپ نے حکم دیا کہ اس
کو بیس کوڑے لگانے جائیں ،
چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔
ابو بکر بن عیاش کہتے ہیں کہ یزید

لہ واضح رہے کہ گنہگار کے حق میں دعا کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں۔ آخر نماز جنازہ تو
برے بڑے گنہگار کی بھی پڑھی ہی جاتی ہے۔
۲۔ اس نے یزید کو احتراماً ایسا کہا ہو گا اس لیے اس کو یہ سزا دی گئی کیونکہ فاسق کی
نظم اور اس کا احترام ممنوع ہے۔

الناس له في رجب سنة ستين
ومات في ربيع الاول سنة
ثلاث وستين كذا قال،
والصواب في نصف ربيع الاول
سنة اربع وثمانين سنة مات
ثمانيا وثلاثين سنة - رisan الميزان
ص ۲۹۳، ۲۹۴ ج ۶ - ترجمہ یزید بن معاویہ
بن ابی سفیان الاموی طبع حیدرآباد دکن
(انڈیا) ۱۳۳۱ھ ہجری ۶

سے لوگوں نے رجب ۳۶ھ ہجری
میں بیعت کی اور ربيع الاول ۳۶ھ
میں وہ مرگیا، ان کا یہی بیان ہے
لیکن صحیح یہ ہے کہ یزید ۱۵ ربيع
الاول ۶۲ھ ہجری کو مرا ہے جس
دن اسے موت آئی اس دن اس
کی عمر اڑتیس سال کی تھی۔

امام احمد کی تصریح کہ یزید ملعون ہے
کی کتاب التزہد میں ہوتا تو حافظ
ابن حجر عسقلانی "جنہوں نے کتاب التزہد کے تمام رجال پر کام کیا ہے یزید
کے ترجمے میں اس کا ضرور ذکر کرتے یزید سے روایت کے بارے میں تو امام
احمد رحمہ اللہ نے جو رائے ظاہر کی وہ آپ کی نظر کے سامنے ہے اب وہ مستحق
لعنت تھا یا نہیں اس کے بارے میں بھی امام ممدوح کی یہ تصریح پر مٹھ لیجئے
حافظ ابن تیمیہؒ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:

قال صالح بن احمد بن حنبل
قلت لابی ان قوما یقولون:
انہم یحبون یزید قال:
یا بنی: وہل یحب یزید
احد یومن باللہ والیوم
صالح بن احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ
میں نے اپنے والد ماجد سے عرض
کیا یہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو یہ کہتے
ہیں کہ وہ یزید سے محبت رکھتے ہیں
یہ سن کر آپ نے فرمایا بیٹے کوئی شخص

الآخر؛ فقلت، يا أبت
فلما ذال لا تلعنن؟ قال
يا بختی! وستی رأیت
ابا ک یلعن احدا؟

مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ

ج - ۳ - ص - ۴۱۲

بھی جو اللہ اور اس کے رسول پر
ایمان رکھتا ہو یزید سے محبت کر
سکتا ہے؟ میں نے ہر عرض کیا
ابا جان! پھر آپ اس پر لعنت کیوں
نہیں فرماتے، آپ نے جواب دیا
بیٹا تم نے اپنے باپ کو کسی پر
لعنت کرتے ہوئے کب دیکھا؟

اس روایت میں امام ممدوح نے یہ نہیں فرمایا کہ اس پر لعنت نہیں کرنی
چاہیے۔ بلکہ اپنے عمل کو تبدیل دیا کہ میں کسی پر لعنت نہیں کیا کرتا۔ مگر دوسری
روایت میں جس کو قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر
منظہری میں نقل فرمایا ہے۔ اس کے مستحق لعنت ہونے کی صاف تصریح فرما
دی ہے یہ روایت حسب ذیل ہے۔

قال ابن الجوزی انه دوى
القاضى ابو يعلى فى كتابه المعتمد
فى الاصول بسنده عن
صالح بن احمد بن حنبل
انه قال: قلت لابي
بابت يزعم بعض الناس
انا نحب يزيد بن معاوية
فقال احمد: يا بني هل
يسوغ لمن يؤمن بالله

ابن جوزی کہتے ہیں کہ قاضی ابو علی
نے اپنی کتاب "المعتمد فی الاصول"
میں بسند صالح بن احمد بن حنبل
سے روایت کی ہے میں نے اپنے
والد بزرگوار سے عرض کیا کہ ابا جان
بعض لوگ اس امر کے مدعی ہیں
کہ ہم یزید بن معاویہ سے محبت
رکھتے ہیں آپ نے فرمایا بیٹا بھلا
جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو

ان يحب يزيد ولم لايعلن
 رحيل لعنه الله في كتابه؟
 قلت يا ابت! اين لعن
 الله يزيد في كتابه؟ قال
 حيث قال فهل عسيتم
 ان توليتم ان تفسدوا
 في الارض وتقطعوا
 ارحامكم اولئك
 الذين لعنهم الله
 فاصمهم واعمى
 ابصارهم۔

(تفسیر مظہری ج ۸ - ص ۲۴۲)

طبع دہلی ۱۳۹۶ھ

✽

کیا اس کے لیے یہ روا ہو سکتا ہے
 کہ وہ یزید سے محبت رکھے اور ایسے
 شخص پر کیوں لعنت نہ کی جائے
 جس پر حق تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
 لعنت کی ہے میں نے عرض کیا ابا
 جان! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
 یزید پر کہاں لعنت فرمائی ہے فرمایا
 جہاں یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ پھر تم
 سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر تم کو حکومت
 مل جائے تو خرابی ڈالو ملک میں،
 اور قطع کرو اپنی قرابتیں، ایسے
 لوگ ہیں جن پر لعنت کی اللہ نے
 پھر کر دیا ان کو بہرا اور اندھی کر دیں
 ان کی آنکھیں۔

واضح رہے کہ علماء دینا بلہ میں بہت سے اکابر ائمہ کا عمل بھی اسی قول
 پر ہے، چنانچہ حافظ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ (ص ۲۲۳ - ج ۸) میں جہاں
 واقعہ حرہ کے سلسلہ میں ان حدیثوں کا ذکر کیا ہے جن میں یہ مضمون آتا ہے کہ
 ان لوگوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اہل مدینہ کو ظلمًا خوف میں مبتلا کریں۔
 وہاں ان کو بیان کر کے فرماتے ہیں۔

اس حدیث سے اور اس جیٹی سہری
 حدیثوں سے ان حضرات نے استدلال

وقد استدل بهذا
 الحديث وامثاله من

ذهب الی الترخیص
فی لعنة یزید بن معاویہ
وہو روایت عن احمد
بن حنبل، اختارہا
المخلد والوبکر عبدالعزیز
والقاسمی ابو یعلی وابنہ
القاسمی ابوالحسین وانتصر
لذالك ابوالفجج ابن
البحوزی فی مصنف مفرد
وجوز لعنتہ -

کیا ہے جن کی رائے یہ ہے کہ یزید بن
معاویہ پر لعنت کرنے کی اجازت
ہے اور امام احمد بن حنبل سے بھی
ایک روایت میں یہی وارد ہے اور
اسی کو خلل، ابوبکر عبدالعزیز قاسمی
ابو یعلی اور ان کے صاحبزادے قاسمی
ابو الحسین نے اختیار فرمایا ہے اور
حافظ ابوالفرج بن ابی جوزی نے ایک
مستقل تصنیف اس بارے میں
لکھ کر اسی روایت کی تائید کی ہے
اور یزید پر لعنت کرنے کو جائز بتایا
ہے۔

اب سوچیے امام احمد بن حنبل کی کتاب الزہد میں اگر اس خلیفہ فاسق
یزید بن معاویہ کا ذکر مذکور ہو تو اس سے ائمہ حنابلہ امام ابوبکر
خلل، ابوبکر عبدالعزیز، قاسمی ابو یعلی، ان کے فرزند قاسمی ابوالحسین، حافظ
ابن ابی جوزی اور علامہ ابن تیمیہ جیسے اکابر ائمہ حنابلہ واقف ہوتے یا قاسمی
ابوبکر ابن العزنی نا صبی؟۔

قاسمی ابوبکر ابن العزنی کی ہجو | قاسمی ابن العزنی کی اس حرکت پر
ہمیں بے اختیار وہ اشتعال یاد آگئے
جو ان کی شان میں خلف بن خراذیب نے لکھے ہیں فرماتے ہیں۔

یا اهل حمص ومن بها اوصیکم بالبر والتقوی وصیۃ مشفق

اے حمص کے رہنے والو اور جو بھی وہاں ہوں میں تم کو ایک مشتق کی طرح نیکی اور تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں

تخذوا عن العربی اسما الدجی وخذوا البوایتہ عن امام متقی

اس ابو بکر ابن العربی سے افسانائے شب تو سن لو مگر حدیث کی روایت کسی متقی امام سے ہی کرو

ان الفتی حلوا الکلام مہذب ان لم یجد خبراً صحیحاً یحلف

یہ نوجوان بڑا شیریں کلام اور مہذب ہے اسے اگر صحیح حدیث ملے تو اپنی طرف گڑھ لٹاتا ہے

خلف کو ان اشعار کے کہنے کی نوبت اس لیے پیش آئی کہ اشبیلیہ

(واقع اندلس) میں فقہاء کی ایک مجلس جمی ہوئی تھی۔ ابو بکر ابن العربی اور دوسرے

حضرات بھی وہاں موجود تھے ابن العربی بھی شریک مجلس تھے، مجلس میں

علمی مذاکرہ جاری تھا۔ حدیث میغر کا ذکر چھڑا تو ابن العربی نے کہا کہ یہ حدیث

صرف بروایت مالک عن الزہری معروف ہے اس پر ہمارے قاضی جی ابن

العربی فرمانے لگے

قد رویتہ من ثلاثہ میں نے امام مالک کے علاوہ تیس

عشر طریقاً غیر طریق مالک سندوں سے اس حدیث کو روایت

کیا۔

یہ دعویٰ سن کر حاضرین دنگ رہ گئے اور انہوں نے ان کی خدمت میں

درخواست کی کہ براہ کرم ہم کو اس سلسلے میں استفادہ کا موقع عنایت فرمایا

جائے چنانچہ ابن العربی نے حاضرین سے روایت کو بیان کرنے کا وعدہ تو کر

لیا مگر بعد کو کچھ نہ بتا سکے۔ ادیب مذکور نے اسی واقعہ سے متاثر ہو کر ان کی ہجو میں

یہ اشعار نظم کر دیے۔

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں اس سارے واقعہ کو نقل کرنے کے بعد

فرماتے ہیں:

قلت هذه حكاية ساذجة
لا تتدل على جرح صحيح، ولعل
القاضي وهم دسرك
فكره الى حديث فظنه هذا
والشمراد يخلقون الافك

(تذكرة الحفاظ ج ۲ ص ۸۹)

ہیں کہتا ہوں یہ ایک سادہ سا واقعہ
ہے جو صحیح جرح پر دلالت نہیں کرتا
اور شاید قاضی جی کو وہم ہوا اور ان کا
خیال کسی اور حدیث کی طرف چلا گیا جسکو
وہ یہی حدیث گمان کر بیٹھے اور شمراد
تو غلط بیانی کرتے ہی رہتے ہیں

ہمیں بھی حافظ ذہبیؒ سے ان کے بارے میں کچھ زیادہ اختلاف نہیں جس
طرح اس واقعہ میں ان کا خیال اس حدیث میں دوسری حدیث کی طرف منتقل
ہو گیا اور وہ اسی حدیث کو تیرہ سندوں سے روایت کرنے کے مدعی بن بیٹھے
ایسے ہی اصبہیت کی نحوست نے حضرت یزید بن معاویہؓ کو فی ح کے نام
کو رکھ کر ان کے دماغ کو اپنے ممدوح یزید کی طرف جو ایک سفاک و ظالم
بادشاہ تھا پھیر دیا اور یہ اسے اپنے خیال میں عابد و زاہد سمجھ بیٹھے۔

پچھٹا شبہ

مستفتی کو یہ پیش آیا ہے کہ امام غزالی فرماتے ہیں "یزید نے نہ تو سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کا حکم دیا اور نہ ہی اس پر رضامند تھا اور یزید کو "رحمۃ اللہ علیہ" کہنا جائز ہی نہیں بلکہ مستحب ہے۔"

یزید کے جرائم کی فہرست طویل ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ یزید پر صرف قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کا الزام نہیں بلکہ اس کے جرائم کی فہرست طویل ہے۔ وہ مے نوش بھی تھا اور

تاکر صلوٰۃ بھی۔ اس نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو قتل نہیں کیا بلکہ مدینہ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا قتل عام کرایا حرم نبوی کی بھیر مٹی کی، بیت اللہ کی حرمت کو پا مال کیا ہے، مہینق سے عین حرم کعبہ میں گولہ باری کی جس سے کعبہ شریف کی بنیادیں ہل گئی تھیں۔

امام غزالی کے فتویٰ کی منقح

امام غزالی نے اپنے فتویٰ میں ان جرائم کے ارتکاب سے یزید کی برأت نہیں کی ہے، نہ اس کی اس سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کی ہے۔

بالفرض مان لیا جائے کہ یزید نے قتل حسین کا حکم نہیں دیا نہ وہ ان کے قتل پر راضی تھا مگر یہ تو ایک حقیقت ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت اس کے ہاتھوں نہیں تو اس کے عمال بد اعمال کے ہاتھوں یقیناً عمل میں آئی ہے۔ پھر جب اس نے نہ ان کے قتل کا حکم دیا تھا نہ وہ اس پر راضی تھا تو آخر اپنے عمال سے اس سلسلہ میں اس نے کیا باز پرس کی؟ اس کے بارے میں بھی امام غزالی "مکش میں اور سب سے بڑھکر یہ امر غور طلب ہے کہ تاریخ ابن خلکان اس طرح لکھتا ہے کہ اس فتویٰ کو اول سے آخر تک پڑھ

لیجئے اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ یزید متعلق اور پرہیزگار آدمی تھا۔ اور نہ یہ ذکر ہے کہ وہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل میں حق بجانب تھا اس فتویٰ میں تو صرف دو مسئلوں پر کلام ہے ایک تو یہ کہ اس پر لعنت کرنا مناسب نہیں کیونکہ امام غزالیؒ کسی شخص معین پر اس کا نام لے کر لعنت کرنے کے روادار نہیں خواہ وہ کافر ہو یا فاسق کچھ یزید ہی کی اس مسئلہ میں تخصیص نہیں۔

درس کے یہ کہ اس حقیقت کا معلوم کرنا کہ فی الواقع یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ تھا سنت و شوار ہے امام غزالیؒ کے اس شبہ کا جواب حانظ محمد بن ابراہیم وزیر سیانی نے "الروض الباسم فی الذب عن سنۃ ابی القاسم" میں اجمال طور پر حسب ذیل الفاظ میں دیا ہے فرماتے ہیں۔

ولسا حکى ابن خلکان: کلام الحافظ عماد الدین ہذا اور بعدہ کلاماً روایاً عن الغزالی زکلامہ ذالک شاہد ببرآۃ الغزالی من القول بتصویب یزید فی قتل الحسین وانما تکلم فی مسألتین غیر ذالک احدهما تحریم النعمان لہم یخص یزید فہو مذہبہ فی کل فاسق و کافر کما رواک عنہ النووی فی الاذکار: قد ذکر النووی

اور جب ابن خلکان نے حانظ عماد الدین کیا ہر اسی کے اس فتویٰ کو نقل کیا کہ جس میں یزید پر لعنت کی اجازت دی گئی ہے تو اس کے بعد غزالیؒ کا ایک فتویٰ بھی نقل کیا جو اس امر کا شاہد ہے کہ غزالی قتل حسین کے حق بجانب ہونے میں یزید کی حمایت سے بری ہیں۔

انہوں نے تو صرف دو مسئلوں پر بحث کی ہے جن کا اس بات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے ایک یہ کہ کسی پر لعنت کرنا حرام ہے اس میں یزید کی کوئی تخصیص نہیں بلکہ ہر فاسق اور کافر کے بارے میں ان

ان ظاہر الاخبار خلاف
 ذالک وقد افردت الکلام
 علی ذالک فی کراسی و ثانیہما
 القول بان العلم برضا یزید
 لبقدر الحسین مدمذر و لیس
 فی هذا نزاع و لو اقریزید
 بلفظ صریح و سمعنا ذالک
 منه لم یعلم ان باطنہ کما
 اظهر و قد جہل رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم بواطن
 المنافقین و کل علم ذالک
 الی اللہ تعالیٰ و لکن المحکم للظاہر
 و قد ردی البخاری ج فی صبیہ
 عن عمر بن الخطاب رضی اللہ
 تعالیٰ عنہ ان انا ما کاذب و اخذون
 بالوحي علی عهد رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم و ان الوحي
 قد انقطع منی اظهر لنا خیراً
 آمناء و قریناء و لیس لنا
 من سریرتہ شیء و من
 اظهر لنا سوء لم نأمنه

کی سی رائے ہے چنانچہ امام نووی نے
 بھی اپنی کتاب الاذکار میں ان کا یہی
 مذہب نقل کیا ہے اور امام نووی کا
 بیان ہے کہ ظاہر احادیث اسی مذہب
 کے خلاف ہیں اور میں نے ایک مستقل جز
 اس سلسلہ پر تحریر کیا ہے۔

اور دوسرا مسئلہ ہے کہ اس بات کا
 یقینی علم کہ واقعی یزید قتل حسین سے رضی
 تھا محال ہے اور ہمیں بھی اس میں نزاع
 نہیں بالخصوص اگر یزید صاف اور صریح
 الفاظ میں بھی قتل حسین کا مقرر ہوتا اور
 خود بھی اسکی زبانی اس کے اس اقرار کو
 سن لیتے تب بھی اس کا یقین نہیں
 ہو سکتا تھا کہ اس کا ظاہر و باطن ایک ہے
 کیونکہ اس امر کا امکان بہر حال تھا کہ
 اس نے جھوٹا اقرار کیا ہو خود آنحضرت
 منافقین کے باطنی حالات سے بے خبر تھے
 اور آپ نے حقیقت حال کا علم حق تعالیٰ
 کے سپرد کر دیا تھا لیکن شرع کا حکم یہ
 ہے کہ فیصلہ ظاہر حالات پر کیا جاتا ہے
 چنانچہ امام بخاریؒ اپنی صحیح میں حضرت

ولہ صدقہ وان قال ان
سیرتہ حسنہ

الروض الباسم ج ۲
ص ۲۲ طبع مصر

عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں
کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
میں وحی کی بنا پر لوگوں کی گزشت ہر جاتی تھی
اور اب وحی ختم ہو گئی لہذا جو شخص بھی سہارے
میں خیر کا اظہار کرے گا ہم اسے امن دینگے
اور اپنے پاس رکھیں گے اور اس کے باطن کے
ہم کچھ زخمہ دات نہیں اور جو سہارے بدی کا
اظہار کرے گا اسکو نہ ہم امن دیں گے اور نہ اس
کی بات کی تصدیق کریں گے اگرچہ وہ یہ کہے
جائے کہ میرا باطن بالکل ٹھیک ہے۔

۱۱ غزال بزرگ آدمی ہیں وہ تو ابلیس پر بھی لعنت کرنے کو نہیں کہتے، اور نہ کسی کا فریضین
پر لعنت کو روا رکھتے ہیں پھر نیزہ پر لعنت کرنے کو کیوں کہیں گے، جو ان کے نزدیک ہر حال میں
مومن کا ذکر الہی میں مشغول ہوتا اولیٰ ہے۔ ہمارے نزدیک بھی نیزہ پر لعنت کرنا کوئی کابر
ثواب نہیں ہے۔ کہ خواہ مخواہ آدمی اس کا نام لیکر اپنی زبان کو گندہ کرے ظاہر ہے کہ اس پر
لعنت کا بجائے اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تحمید میں مشغول ہو تو اس میں بالاتفاق
ثواب زیادہ ہوگا مگر نیزہ پر لعنت نہ کرنے سے اس کا مقصد اور صالح ہونا کہاں سے
ثابت ہو گیا؟

میدان کر بلا میں حضرت
حسینؑ کا آخری خطبہ

خزاعہ غزالیؑ نے حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا آخری خطبہ جو میدان کر بلا
میں آپ نے دیا تھا۔ نقل کیا ہے اس

۱۲ صورت واقعہ کھل کر سامنے آجاتی ہے۔ اہم غزالیؑ لکھتے ہیں۔

لما نزل القوم بالحسين
رضي الله تعالى عنه واليقين
انهم قاتلوه قام في اصحابه
خطيباً حمد الله واشتأ عليه
ثم قال نزل من الامراء من
وان الدنيا قد تغيرت وتكررت
وادبر معدنها واشترت
حتى لم يبق منها الا كسابة
الاناء الا حشيش من ميثى

كما امرعى الوكيل الا ترون ان
الحول لا يعمل به والسيطر
لا ينال عنه ليرغب المؤمن
في لقاء الله آخاف داني لا يرى
الموت الاسارة والحياة مع
الظالمين الاحراماً

احياء العلوم ج ۴ ص ۳۹۸

طبع مصر

جب یزیدی فوج حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے مقابل آکر اتریں اور آپ
یقین ہو گیا کہ یہ آپ کو ضرور قتل کر کے
رہے گی تو آپ نے اپنے اصحاب کے
سامنے کھڑے ہو کر طلبہ دیا جس میں پہلے
اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کا اور پھر فرمایا: جو
مسیبت نازل ہوئی ہے وہ تمہاری آنکھوں
کے سامنے ہے دنیا بدل گئی اور اجنبی بن
گئی اس کی خوبی نے پیٹھ پھیر لی اور جلدی
سے کھل گئی اب تو اس میں سے بس
نصف اتنا سا باقی رہا ہے جتنا کہ برتن میں
سے پی لینے کے بعد ہی میں کچھ نگارہ جاتا ہے
اور باقی تنہی زندگی جو اس چراگاہ کی
طرز ہے کہ جہاں میں چرنے سے بد بوس ہو جاتی
ہے دیکھتے نہیں کہ حق پر عمل نہیں تو بلے
اور باطل سے باز نہیں رہ جاتا اب تو میں
کو چاہیے کہ حق تعالیٰ سے ملاقات کی رغبت
کرے اور میں تو مرنے میں اپنی سوارت سمجھا
ہوں اور ظالموں کے ساتھ جینے کو حرام۔

یہ ہے یزید کے دور حکومت کا نقشہ جس کی تصویر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی مختصر مگر جامع تقریر میں کھینچ کر رکھ دی ہے اب یہ گتھی غزالی یا ان کے پرستار خود حل کریں کہ جس قوم نے حضرت حسینؑ کا محاصرہ کیا تھا وہ یزیدی فوج نہیں بلکہ جنات و شیاطین تھے۔ اور ابنِ خلکان قاف سے نہیں بلکہ کاف سے "ابن خلکان" ہے

امام کیا ہر اسی کا فتویٰ کہ یزید ملعون ہے

اسی تاریخ ابن خلکان "میں امام غزالی" کے فتوے کے ساتھ ان کے استاد سبائی شمس الاسلام امام ابوالحسن علی بن محمد

طبرق الملقب عمار الدین المعروف بالکیا ہر اسی جن کے بارے میں حوزہ موضح ابن خلکان نے حانڈ عبد الغافر اسی سے نقل کیا ہے کہ دو کان شافی العزالی ایہ غزالی ثانی تھے اکابر نوری بھی منقول ہے کہ

وَسُئِلَ الْكَلْبَاءُ الْفَيَّاسُ عَنْ يَزِيدَ
بْنِ مَعَادِيَةَ فَقَالَ إِنَّهُ لَمْ
يَكُنْ مِنَ النَّبَايَةِ لِأَنَّهُ وَلَدَ
فِي أَيَّامِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ
عَنْهُ وَأَمَّا قَوْلُ السَّافِلِ لِيُعَذِّبَ فَقِيلَ لِأَحْمَدَ
قَوْلَانِ تَلْوِيحٌ وَتَصْرِيحٌ وَلَمَّا لَمْ يَقُولْ تَلْوِيحٌ
وَتَصْرِيحٌ وَلَا بِي حَنِيْفَةٌ قَوْلَانِ تَلْوِيحٌ وَتَصْرِيحٌ
وَلَنَا قَوْلٌ وَاحِدٌ التَّصْرِيحُ دَوْرُ التَّلْوِيحِ

اٹکیا ہے یحییٰ یزید بن معاویہ کے بارے میں
نوری پوچھا گیا تھا انہوں نے فرمایا کہ یزید
صحابی نہیں تھا کیونکہ وہ حضرت عمر بن
الخطابؓ کے یام خلافت میں پیدا ہوئے تھے ہر تھارے سلف
کا قول اس پر لعنت کی بارے میں تو امام احمد کے اس بارے میں
دو قول ہیں۔ ایک میں اس کے ملعون ہونے کی طرف اشارہ
ہے دوسرے میں اس کی تصریح ہے اور امام مالک کے
بھی دو قول ہیں ایک میں اس پر لعنت کا اشارہ دوسرے میں تصریح ہے

آپ ہمارے پاس جو استفتاء آیا اس میں قاف سے ہی مرقوم ہے۔ "تاریخ ابن خلکان" اب تک
بار بار طبع ہو چکی ہے ایک دفعہ ایران میں اور تین دفعہ مصر میں اس کے تمام مخطوط نسخوں میں عمر بن
الخطابؓ ہی مذکور ہے۔ لیکن علامہ کسالی الدین و میری نے "حیوة الحيوان" میں زیر عنوان
نہد "اور مورخ ابوالعباس قرمانی نے "اخبار الدول" (ص ۱۲۰) میں اس فتویٰ کے جو الفاظ
ذکر کیے ہیں ان میں "عمر بن الخطاب" کی بجائے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ مذکور ہے اور یہی صحیح ہے۔

لعنت بر ذنوب من شخصے اگرچہ کافر لود
 جائز نہ داند چہ دانی کہ عاقبت کاراد
 بایمان رسالت بود مگر آنکہ بہ
 یقین معلوم شد کہ مرتد دے بر کفر و
 شقاوت است، تا آنکہ لعین و ریزید
 شقی نیز توقف کنند و لعین براہ غلور
 افراط در شان دے و موالات دے روند
 و گویند کہ دے بعد از ان کہ باتفاق مسلمانان
 امیر شدہ اطاعت دے بر امام حسین واجب
 شد نعوذ باللہ من هذا القول
 و من هذا الاعتقاد کہ دے بادیور امام
 حسین امام امیر شود و اتفاق مسلمانان
 بر دے کے شد جسے از صحابہ کہ در زمان او
 بودند و اولاد اصحاب ہم منکر و خارج
 از اطاعت او بودند لغیر جماعہ از مدینہ
 مطہرہ لشام نزد دے کر ہا و جبر آرفتند
 و اد جائز ہائے سنی را مائدہ ہائے ہنوی نزد
 ایشان ہمارہ، بعد از ان کہ حال قیامت
 مال او را دیدند بمدینہ باز آمدند و
 صلح بیت او کردند و گفتند کہ دے
 عدالت و شاد بخدمت تارک صلوات زانی

ہی کیونکہ مومن کا کام لعنت کرنا
 وہ کسی بھی مخصوص شخص پر اگرچہ وہ کافر
 کیوں نہ ہو لعنت کو رد نہیں رکھتا
 پتہ کہ اس کا انجام ایمان و سعادت ہے
 الایہ کہ یقینی طور پر یہ معلوم ہو کہ اس کی عورت
 کفر و شقاوت ہی پر ہوئی ہے، حتیٰ کہ ہم
 حضرات نیز یہ شقی کے بائے میں بھی تو
 کرتے ہیں اور بعضے اس کی شان میں غلو
 افراط کرتے ہیں اور اس کی دوستی کا دم بھول
 ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ چونکہ مسلمانوں کے
 اتفاق سے امیر ہوا تھا، لہذا اسکی اطاعت
 امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی
 ہم ایسی بات اور ایسے اعتقاد سے اللہ
 تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ
 عنہ ہوتے ہوئے وہ امام اور امیر ہوا اس کے
 امیر ہونے پر مسلمانوں کا اتفاق کب ہوا؟
 صحابہ کی ایک جماعت جو اس کے زمانے
 میں تھی اور صحابہ زادے بھی اسکی اطاعت
 سے خارج اور اسکی مخالفت سے منکر
 تھے، ہاں مدینہ مطہرہ کی ایک جماعت
 جبراً اور کراہت کے پاس شام گئی تھی اور

ناسق و مستحل محارم است و بعضی دیگر
گنید کرے امر قتل آنحضرت نہ کرو و
ہاں راضی نہ ہو و بعد از قتل دے اہل
بیت سے سرور و شہرت نہ دے و ایں سخن
نیز مردود باطل است چہ عداوت آل
بے سعادت باہل بیت نبوی صلی اللہ علیہ
و سلم است بشمار دے قتل ایشان را زلال
دائمیت و ایشاں را بدیہ تواتر معنوی
رسیدہ است و انکار آل تکلف و کلمہ
است و بعضی دیگر گویند کہ قتل امام حسین
گناہ کبیرہ است چہ قتل نفس مومن بناحق
کبیرہ است و کفر و لعنت مخصوص بکافران
است و لیت شمسی کہ ارباب ایں تاویل
با حدیث نبوی کہ ناطق اند بانکہ بغض و
عداوت و اندازا دائمیت فاطمہ و اولاد
او موجب بغض و اندازا دائمیت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
است چہ بے گویند و ایں سبب
کفر و موجب لعن و خلود ناری
جہنم است بلا شک بہر جب
آیت ان الذین یؤذون

مذہب نے ان کو بڑے بڑے انعام اور لذت
دہنوں سے نوازا بھی، لیکن یہ حضرات جب
اس کا حال تباہت مال و کچھ کر مدینہ منورہ
والیں ہوئے تو اس کی سمیت توڑ دی اور
صاف تباہ کیا کہ وہ دشمن خدا تو مے نوش
تاک صلوٰۃ ازانی، ناسق اور مہرات الہی
کا حلال کرنے والا ہے اور بعض لوگ کہتے ہیں
کہ اُنہی نے آنحضرت کے قتل کا حکم ہی نہیں دیا
اور نہ وہ آپ کے قتل پر راضی تھا اور نہ آپ کی
اور اہل بیت کی شہادت پر خوش ہوا اور نہ اُنہی پر
کچھ امداد نے خوشی کا اظہار کیا اور یہ بات بھی
مردود و باطل ہے کیونکہ اہل بیت نبوی
سے اس بد بخت کی عداوت اور ان حضرات
کے قتل پر اس کا خوشیاں منانا اور خاص
طور سے ان حضرات کی تذلیل و اہانت کرنا
تواتر معنوی کے درجہ تک پہنچ چکا ہے اور
ان امور کا انکار محض بناوٹ اور برہنہ ہے
اور بعض یہ کہتے ہیں کہ امام حسین کا قتل گناہ کبیرہ
ہے کیونکہ کسی مومن کا ناحق قتل کرنا گناہ کبیرہ
ہے۔ اور کفر و لعنت تو کافروں کے ساتھ
مخصوص ہے اور کاش مجھے پتہ چلتا یہ سب

اِنَّهٗ وَرَسُوْكَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ
فِي الدُّنْيَا وَالْآٰخِرَةِ وَ
اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِينًا

باتیں بتانے والے ان احادیث نبوی کے
بارے میں کہ جو اس امر پر ناطق ہیں کہ حضرت
فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی اولاد کی ایندھن اور
اور ان سے لعنت و عداوت خود رسول اللہ ﷺ
کی ایندھن و لعنت اور آپ کے لعنتی کا موجب ہے
کیا کہتے ہیں حالانکہ ایسا کرنا تو بموجب سید
ان الذین الخ (بے شک جو لوگ تنہا
ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ان کو بچھڑکا دیا
اللہ نے دنیا میں اور آخرت میں) اور اللہ نے
کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے
بلا شک سبب کفر ہے جسکی بنا پر لعنت
بہشت ہمیشہ جہنم میں رہنا واجب ہو جاتا ہے
اور بعض دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یزید کے
خاتمہ کا پتہ نہیں شاید اسی نے کفر و عصیت
کے ارتکاب کے بعد توبہ کر لی ہو اور آخری
سالوں میں توبہ ہی کی حالت میں گیا ہو

آجیاء العلوم میں امام غزالی کا میلان بھی
اسی حکایت کی طرف ہے اور بعض علمائے
سلف و اعلام امت نے جنہیں امام احمد بن
حنبل اور ان جیسے حضرات شامل ہیں یزید
پر لعنت کی ہے اور محدث ابن جوزی جو کہ

ربیع دیگر گویند کہ خاتمہ دے معلوم
نیت شاید کہ بعد از ارتکاب آن کفر و
عصیت توبہ کردہ باشد و در نفس اخیر
بر توبہ رفت باشد و میں امام محمد غزالی
در آجیاء العلوم: "باین حکایت است
و بعضی از علمائے سلف و اعلام امت
مثل امام احمد بن حنبل و امثال او
برائے لعنت کردہ اند و ابن جوزی کہ
کمال شدت و عصیت در حفظ سنت

و شریعت وارد در کتاب خود لعنت فرمے
را از سلف نقل کرده است و بعضی منع
کرده اند و بعضی توقف مانده اند
تکمیل ایمان ص: ۷۰-۷۱ طبع نجف آبادی

جو سنت و شریعت کی پاسداری میں پوری
شدت و سرگرمی دکھاتے ہیں اپنی کتاب میں
یزید پر لعنت کرنے کو سلف سے نقل کرتے
ہیں اور بعض منع کرتے ہیں اور بعض اس سلسلہ
میں توقف سے کام لیتے ہیں۔

لعن یزید میں اختلاف علما کی بابت شاہ عبدالعزیز صاحب کی تحقیق

یہ فتاویٰ عزیزی میں یہ بیان فرمائی ہے۔
در لعن یزید توقف از آں جهت
است کہ روایات متعارضہ و متخالفہ
از اہل پلید در مقدمہ شہادت امام
علیہ السلام وارد شدہ از بعض
روایات رضا و استبشار و اہانت
اہل بیت و فاندان رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم مضموم میگردد و کما نیکہ این روایات
در نظر آہنما مرجع وافع شدہ حکم
بلعن ارنو و ند چنانچہ محمد بن حنبل و کیلہری
از فقہائے شافعیہ و دیگر علمائے کثیر
ناز بعض روایات کراہت
ایں امر و کتاب براہن زیار و اعوان او

یزید پر لعنت کرنے نہ کرنے کے بارے
میں علماء میں جو اختلاف ہے اسی کی وجہ
شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی
یزید پر لعنت میں توقف کی وجہ یہ ہے
کہ امام حسینؑ کی شہادت کے بارے میں اس
پلید کے متعلق متضاد و مخالف روایتیں ملتی
ہیں بعض روایات سے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ
کہ یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
خاندان اور آپ کے اہل بیت کی
اہانت پر شاداں و نہر خان تھا جن حضرات
کی نظر میں یہ روایات راجح قرار پائیں انہوں
نے اس پر لعنت کا حکم دیا چنانچہ امام احمد
بن حنبل اور فقہائے شافعیہ میں سے کیا ہر کسی
اور دیگر بہت سے علما کی یہی رائے ہے
اور بعض روایات سے اس امر کی کراہت اور
ابن زیاد اور اس کے اعداں و انصار پر لعنت

و نہ امت بری کار کہ از دست لواب
 ادب وقوع آمد معلوم می شود کہ انیکہ
 این روایات نزد ایشان مزحج شد
 از لعن ارمین نمودند چنانچہ امام جتہ
 الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ
 دیگر علمائے شافعیہ و اکثر علمائے
 حنفیہ و جماعتی از علما کہ نزد آنہا
 ہر دو روایت متعارض شدند و ترجیح
 یکطرف بردیکر حاصل نشد بنا بر
 احتیاط توقف نمودند ہمیں است
 واجب بر علماء عند التعارض و هو
 قول ابی حنیفہ آسے در لعن شمر و ابن
 زیاد کہ رضا د استبشار انہا بای فصل
 شیعہ تلعی است من غلبہ التعارض
 بیچکس را در آن توقف نیست
 (ج ۱ ص: ۱۰۰ طبع مجتہائی دہلی)

اور اس کام پر نہ امت کہ جو اس کے ناموں
 کے ہاتھوں وقوع میں آیا معلوم ہوتا ہے
 سو جن لوگوں کے نزدیک یہ روایتیں قابل
 ترجیح ہوتیں۔ انہوں نے اس پر لعنت
 کرنے سے منع کیا چنانچہ امام جتہ
 الاسلام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر
 علمائے شافعیہ اور اکثر علمائے حنفیہ
 ہیں کہ انکی رائے یہی ہے، اور علما کی ایک
 جماعت کہ جن کے نزدیک دونوں روایتوں
 میں تعارض تھا اور ایک طرف کی روایت
 کو دوسری پر ترجیح حاصل نہ تھی انہوں نے
 احتیاط کی بنا پر توقف کیا اور تمارین کے
 وقت علما پر یہی واجب بھی ہے اور یہی
 امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ ۱
 ہاں شمر اور ابن زیاد پر لعنت
 کرنے میں کران کا اس نفل شیعہ کے آڑکاب
 پر راضی اور خوش ہونا روایات میں کسی قسم
 کے تعارض کے بغیر قلعی طور پر معلوم ہے
 کسی شخص کو توقف نہیں ہے

۱ غلط فہمی نہ ہو امام ابو حنیفہ سے یزید پر لعنت کے بارے میں توقف کی تصریح ثابت
 نہیں بلکہ اندے جو کچھ منقول ہے وہ تعارض روایات کے وقت توقف کا قول ہے یزید کے بارے
 میں خذراں کی تصریح آگے آ رہا ہے کہ اس پر لعن جائز ہے۔

یزید پر جب لوگوں نے پٹھکار کی تو
قتل حسین پر اہل ہارندامت کیا

اگرچہ ہمارے نزدیک یزید کے
بارے میں ان روایات میں جو کتب تاریخ
میں مذکور ہیں سرے سے کوئی تدارع

ہے ہی نہیں۔ بات صرف اتنی ہے کہ پہلے یزید قتل حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بہت خوش
تھا بعد کو جب مسلمانوں نے ہر طرف سے اس پر ہت اور پٹھکار شروع کی اور ابی اسلم کی
نظر میں وہ حقیر ہونے لگا تو پھر اس نے اہل ہارندامت شروع کر دیا چنانچہ حافظ سیوطی درج
تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں۔

ولما قتل الحسين وبنو ابيه
بعث ابن زياد بروسهم
ألى يزيد فربقتهم أولاً
ثم ندم لما مقتله المسلمون
على ذالک وابتغضه الناس و
حق لهم ان يبغضوه
(تاریخ الخلفاء ص ۸۱)

جب حضرت حسینؑ اور ان کے بھائی شہید
کر دیے گئے تو ابن زیاد نے ان شہداء
کے سر رکھ کر یزید کے پاس بھیجا۔ وہ
اول تو اس پر بہت ہی خوش ہوا پھر جب
مسلمانوں نے اس وجہ سے اس پر پٹھکار شروع
کی اور اس سے نفرت کرنے لگے تو اس نے
اہل ہارندامت کیا اور مسلمانوں کو تو اس سے
نفرت کرنا ہی چاہیے تھی۔

خوڑشاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق میں بھی یزید ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا قاتل ہے۔ چنانچہ تحفہ اثنا عشریہ میں فرماتے ہیں۔

و بعض قتلى انبياء و پیغمبر
زادها میماند مثل یزید و اخوان
اور بعض انبیاء اور پیغمبر زادوں تک
کو قتل کر دیتے ہیں جیسے کہ یزید اور اس
کے معنوی بھائی ہوئے ہیں۔

یزید پر لعنت کے بارے میں شاہ عبدالعزیز صاحب کا فیصلہ

اور یزید پر لعنت کے بارے میں بھی خود
حضرت شاہ صاحب مدح کی جرات ہے
وہ ان کے مشہور شاگرد مولانا سلامت اللہ

صاحب کشفی نے تحریر اشعار تین میں نقل کر دی ہے فرماتے ہیں۔

درین شک نیست کہ یزید پلید آمد
راضی و شہر از قتل حسین بود و ہمیں
است مذہب مختار چہو را بل سنت
جماعت چنانچہ در کتب معتبرہ مثل
"مفتاح النبی" سرزائید بدشتی و

مناقب السادات ملک و بار قاضی
شہاب الدین دولت آبادی و شرح
عقائد دینی علامہ الدین تفتازانی و تکمیل
الایمان شیخ عبدالحق محدث دہلوی و
غیر ان از اسفار معتبرہ بشراہد و دلائل
مذکور و مسطور است و لہذا عن آل ملون
بہ جمیع قاطعہ و براین ساطعہ ثابت کردہ
اند و مختار را قلم الحروف و اساتذہ
صوری و صنوی ماہمیں است کہ یزید
آمد و راضی و شہر بقتل حسین بود
و مستحق لعنت ابدی و دہان کمال
مرد است و اگر مل بکار و رد و قصر

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یزید پلید
ہی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل کا
حکم دینے والا اور اس پر راضی اور خوش
تھا اور یہی جہد اہل سنت و جماعت کا
پنڈیہ مذہب ہے چنانچہ معتبر علیہ
کتابوں میں جیسے کہ سرزائید بدشتی و
النجار اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین
دولت آبادی کی مناقب السادات اور
سعد الدین تفتازانی کی شرح عقائد
نسفیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی
کی تکمیل الایمان اور ان کے علاوہ دوسری
معتبر کتابوں میں مع دلائل و شراہد مذکور
مردم ہے اور اسی لیے اس ملعون پر لعنت
کے رد و اہرنے کو قلعی و لائل اور روشن
برائین سے ثابت کر رکھے ہیں اور اقام الحروف
اور ہمارے اساتذہ صوری و صنوی نے ہر مسلک
کو اختیار کیا ہے وہ بھی یہی ہے کہ یزید ہی

بہ مجبور لعنت در حق آن ملعون تصویر نیست
 کہ مقصود بر آن نباید بود چنانچہ
 استاد البریہ صاحب "تخفہ"
 اثنا عشریہ "علیہ الرحمۃ در سالہ حسن
 العقیدہ" در حاشیہ کہ بر کلمہ "علیہ
 ما یستحقہ" تعلق فرمودہ اند افادہ
 مینمایند کہ "علیہ ما یستحقہ" کنایہ
 است از لعنت "والکفایتہ البلیغ من
 التصریح" از قواعد مشہورہ عربیت است
 مع ہذا در ابہام ما یستحقہ تفسیحیہ و
 تشبیحیہ است کہ در تصریح لفظ لعنت
 فوت میگردد، چنانچہ در تفسیر
 فغشیہم من الیم ما غشیہم
 مذکورے شود در حق اینست کہ اکثفاً
 بر نفس لعنت در حق یزید تھوات زیر آرد
 این قدر را جزا بملق تنزل مومن بقدر
 کردہ اند قال اللہ تعالی و من
 یقتل مؤمناً متحداً بآخر اؤکا
 جہنم خالداً فیما و غداً یب
 اللہ علیہ و لعنہ و اعداؤہ
 عذاباً عظیماً۔
 و یزید را درین مضمون زیاد نیست کہ غیر

قتل حسین رضی اللہ عنہ کا حکم دینے والا اور اسی پرانی
 اور خوش تھا۔ اور وہ لعنت ابھی اندال
 نکال سرحد کی کا تخت ہے اور اگر مروجہ
 تو اس ملعون کے حق میں صرف لعنت ہی پر اکتفا
 کرنا بھی ایسی کوتاہی ہے کہ اسی پر بس نہیں
 کرنا چاہیے۔ چنانچہ استاد البریہ صاحب
 تخفہ اثنا عشریہ (شمارہ عبدالعزیز صاحب)
 علیہ الرحمۃ نے در سالہ حسن العقیدہ کے حاشیہ
 میں جملہ علیہ ما یستحقہ پر جو تعلیل (نوٹ)
 سپرد حکم فرمایا ہے اس میں افادہ فرماتے ہیں کہ
 ما یستحقہ، لعنت سے کنایہ ہے اور یہ بات کہ
 کنایہ تصریح سے زیادہ بلیغ ہوتا ہے عربیت کا
 مشہور قاعدہ ہے اسی کے ساتھ ما یستحقہ
 یعنی جس کا وہ مستحق ہے، کے ابہام میں اس
 پر تشبیح اور اس کی حد درجہ فراخی پنہاں ہے
 وہ سراسر لعنت کے لفظ کے استعمال سے
 فوت ہو جاتا ہے۔ چنانچہ آیتہ فغشیہم
 من الیم ما غشیہم کی تفسیر میں اس
 کا بیان آئے ہے اور حق یہ ہے کہ یزید کے حق
 میں مومن لعنت پر اکتفا کرنا کوتاہی سے ایلئے
 کہ اس قدر تو مومن مومن کے حق کی سراسر نفی کر چکے
 ہیں شمار نہیں ہے اور جو کوئی قتل کرے گناہ کر

رادست نداده و آن زیادت را جز بر استحقاق
 اور حوالہ نہ توان کرد کہ علم بشر از معرفت خصوصیت
 آل عاجز است و اللہ اعلم و علمہ احکم
 انتہی کلامہ الشریف : (تکریر الشہادتین
 ص : ۹۶ - ۹۷ مطبوعہ مولہ خیلے گنج
 آغا جان مکتبہ ۱۲۵۶ھ - ۲)

جان کر تو اسکی سزا درخ ہے پڑا رہے گا اسیں
 اور اللہ کا اس پر غضب ہوا اور اس کو لعنت کی اور
 اس کے واسطے تیار کیا بڑا عذاب اور یزید نے
 تو اس عمل کے ارتکاب میں وہ زیادتی کی ہے
 کہ جو دوسرے کو سیر ہی نہ ہوگی اس لیے اس
 زیادتی کو مجیز اس کے استحقاق کے اور کسی امر چوالم
 نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انسان کا علم اس کے
 خصوصیت استحقاق کی معرفت سے عاجز ہے واللہ
 اعلم و علمہ احکم یہاں حضرت شاہ صاحب کا
 ارشاد ختم ہوا۔

معلوم ہوا کہ بلا میں جو مظالم کیے گئے ان کی بنا پر شاہ عبدالعزیز صاحب کے نزدیک
 "یزید" حق تعالیٰ کے اس قدر تہر و غضب کا سزاوار ہے کہ اس کو دیکھتے ہوئے اس پر لعنت کرنا
 تو کچھ بھی نہیں لہذا بہتر یہ ہے کہ اس کے معاملہ کو حق تعالیٰ کے سپرد کر کے اس کے بارے میں یوں کہنا
 چاہیے "علیہ بالستحقہ" کیونکہ خدا کو ہی معلوم کہ وہ اس کے کس قدر غضب کا مستحق ہے۔

بعض لعنت کرنے سے اس لیے رکتے ہیں
 کہ کہیں اس کے گناہ کم نہ ہوں

اور بعض حضرات یزید پر اس لیے
 لعنت کرنا مناسب نہیں خیال کرتے
 کہ اس طرح تو اس کے گناہ اور کم

ہونے چنانچہ مولانا غلام ربانی ازالۃ الخطاریں رد کشف الخطایہ میں لکھتے ہیں۔

و لا ہرست کہ گفتن لعن و طعن موجب
 سقوط و ذر از معنوں میگردد لہذا زبان
 بلعن آلودہ نمکن کنند در روح یزید پلید
 اور ظاہر ہے کہ لعن طعن کرنے سے اس کے
 وبال میں کمی آتی ہے جس کے بارے میں لعن طعن
 کیا جاتا ہے.. لہذا زبان کو لعنت سے آلودہ

ہیں کرتے اور تخفیف عذاب کے سبب
یزید پلیدار رج کو شاد نہیں کرتے بلکہ یہ
پہاتے ہیں کردہ اسی طرح گناہ کا بھاری
بوجھ لائے لائے کر شکستہ رہے۔

راتخفیف دزر شادمان نمی سازند
بلکہ می خواهند همچنان حال دزر
گراں بود مقصوف المتن باشد
(ص: ۲۵، ۲۶ طبع مطبع محب کشور)

ہند میرٹھ (۱۲۸۱ھ)

بعض کے پیش نظر یہ مصلحت ہے
کہ کہیں سلسلہ آگے تک نہ بڑھ جائے

اور علامہ سعد الدین نقاش زانی نے
شرح مقاصد میں تصریح کی ہے
کہ جو حضرات یزید پر لعنت کرنے
سے منع کرتے ہیں ان کے پیش نظر یہ مصلحت بھی ہے کہ کہیں عوام یزید پر لعنت کرتے کرتے
بزرگوں تک نہ پہنچ جائیں جیسا کہ رافضیوں کا شمار ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔

فان قيل فمن علماء المذهب
من لم يجوز اللعن على يزيد
مع علمهم بانه يستحق ما
يربوا على ذلك ويزيد قلنا
تحاميا عن ان يرتقى الى ادعوى
فالاعلى كما هو شعار المرداف
(ص: ۳۰، ج ۲ طبع قسطنطنیہ)

پھر اگر کوئی کہے کہ بعض علماء مذہب ثانی
میں ایسے بھی ہیں کہ یزید پر لعنت کرنے
کی اجازت نہیں دیتے حالانکہ ان کا یہ علم ہے
کہ وہ لعنت سے بھی بڑے شکرانہ زیادہ مال
کا مستحق ہے تو ہم کہیں گے کہ یہ منع کرنا
اس احتیاط کی بنا پر ہے کہ کہیں یہ سلسلہ
ترقی کر کے اعلیٰ سے اعلیٰ تک نہ پہنچ
جائے جیسا کہ ردافض کا شمار ہے۔

نرمبیا کہ ہم نے سابق میں تحریر کیا ہے یزید کی فرد جرم میں صرف تین حسین لکھا اندراج
نہیں بلکہ اس کے گناہوں کی فہرست بڑی طویل ہے آخر اس کے کس کس جرم کا انکار کیا جائے گا
پہلے شبہ کے جواب میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اُسے ایک بار پھر پڑھ لیجئے معلوم

الذی فی کفہ ارید فشرب شہم
 قال لہ مسلم بن عقبہ قم
 الی ہہنا فاجلس فاجلس
 معہ علی السریہ وقال لہ: ان
 امیر المؤمنین اوصانی بک وان
 ہولاء یشغلونی عندک شہم قال لعلی
 بن الحسین بعد اہلک فرغوا فقال
 اسی واللہ فامر بداربہ فاسحب
 شہم حملہ علیہا حتی رددہ
 الی منزلہ مکرماً
 البدایہ والنہایہ ج ۷

ص ۲۲۰

اندھ سے پی ہی سکتے تھے تب اس شقی نے آپ کو
 بتلایا کہ اگر امیر المؤمنین تمہارا خیال رکھنے کی
 بجائے تاکید نہ کرتے تو میں تمہاری گردن مار دیتا
 اس کے بعد کہنے لگا اچھا اب تم پینا چاہتے
 ہو تو پی لو اور چاہو تو ہم تمہارے لیے
 اور تمکاویں حضرت نے فرمایا پس جو میسر
 ہوا تھ میں ہے وہی پینا چاہتا ہوں پھر ان
 کہنے لگا اور دھڑکھڑکھٹے جاؤ اور آپ کو
 اپنے پاس تخت پر بٹھالیا اور کہنے لگا
 کہ امیر المؤمنین نے تو مجھے تمہارے بارے میں
 تاکید کر دی تھی مگر ان لوگوں نے مجھے ناشتوں
 رکھا کہ تمہاری طرف توجہ ہی نہ ہو سکی پھر حضرت
 سے کہنے لگا شاید تمہارے گھڑ والے تمہاری طرف سے
 پریشان ہوں حضرت نے فرمایا بجز ایسا ہی ہے
 چنانچہ سلم نے اپنی سواری پر نوزین کئے کا حکم دیا
 اور پھر اس پر سوار کر کے باعزت طور پر ان کو اپنے
 گھر پہنچا دیا۔

اہل شام کا حضرت زین العابدین کو ستانا |

ارطبات ابن سعد میں ہے

اخبرنا الفضل بن دکین قال: اخبرنا
 حفص عن جعفر عن ابيه ان علی

حضرت علی بن حسین کنکریاں مارنے کے لیے
 بیوں ہا کرتے سنائی میں آپ کا ایک مکان تھا

بن حسین کان یمشی الی الحیار
 وکان وہ منزل بمبئی وکان اهل الشام
 یؤذونہ فیکول الی قرین الثعالب ای
 قریب من قرین الثعالب وکان
 یرکب فاذا اتی منزله مشی الی
 الحیار (ج ۵ ص : ۲۱۹)
 مطبوعہ بیروت ۱۳۷۷ھ

اہل بیت کی حق تلفی

اور اسی میں ہے۔

اذہنا مالک بن اسماعیل قال :
 حدثنا سہل بن شعیب النہمی و
 کان نازک فیہم یومئذ عن ابیہ
 عن الجہال یعنی ابن عمرو قال
 دخلت علی علی بن حسین فقلت کیف
 أصبحت اصابک اللہ ؟ فقال ما کنت
 اری شیخاً من اهل البصر مثلاً
 لا یدری کیف اصبحنا ما اذالہ
 قدر و تعلم فسا خبرک اصبحنا فی
 قمرنا بمنزلہ بنی اسرائیل فی آل
 فرعون اذ کانوا یدبحون بناء ولہم
 ولیمکیون نساء یومر صبح شیخ

اہل شام آپ کو ستایا کرتے تھے اس لیے آپ
 اپنے مکان سے قرین الثعالب یا اس کے
 قریب اٹھ کر آگئے اب آپ سواری پر آنے
 لگے اور جب اپنے گھڑ پہنچے تو پھس
 کنکریاں مارنے کے لیے پا پیادہ
 جایا کرتے۔

سہل بن شعیب نہیں جو بن نہم میں امامت
 کرنے کی وجہ سے باکرتے تھے پنے باپ شعیب
 اور شعیب منہال بن عمرو سے روایت کرتے ہیں
 کہ میں نے حضرت علی بن حسین کی خدمت میں
 حاضر ہو کر عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ کو خیریت
 سے رکھے صبح کس حال میں ہوئی، فرمایا میں نہ
 سمجھتا تھا کہ شہر میں آپ جیسا بزرگ بھی
 یہ نہیں جانتا کہ ہم نے صبح کس حال میں کی اور
 اور جب آپ یہ نہیں جانتے یا اس کا علم آپ کو
 نہیں تو پھر میں اب بتائے دیتا ہوں کہ ہم نے
 اپنی قوم کے ساتھ اس حال میں ہوئی کہ میں طرہ
 بنی اسرائیل نے قوم فرعون کے ساتھ کی تھی

وسيدنا بتقرب إلى عدونا بستمه
 او سبہ علی المناہورا صحبت
 قریش بعد ان لها الفضل علی العرب
 لان محمداً صلى الله عليه وسلم
 لا يبد لها فضل الا به راجحت
 العرب مقرة لهم بذلك راجحت
 العرب بعد ان لها الفضل علی العجم
 لان محمداً صلى الله عليه وسلم منها
 بعد لها فضل الا به راجحت العجم
 مقرة لهم بذلك فثبت
 العرب صدقت ان لها الفضل
 علی العجم وصدق قریش ان لها
 الفضل علی العرب لان محمداً صلى
 الله عليه وسلم منها ان لنا اهل
 البيت الفضل علی قریش لان محمداً
 صلى الله عليه وسلم منا واصحابنا
 ياخذون بحقنا ولا يعرفون لنا حقاً
 فهكذا اصبحنا ان لم تعلم كيف اصبحنا
 قال نطنت انه اراد ان يسمح
 من في البيت

کردہ ان کے لڑکوں کو توڑ بک کر دیتے تھے اور
 ان کی عورتوں کو جینے دیتے تھے اور ہمارے شیخ
 اور ہائے سردار حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کے ساتھ یہ معاملہ ہو رہا ہے کہ ہر سر منبر ان
 پر سب شتم کر کے ہمارے دشمن کا تقرب
 حاصل کیا جاتا ہے اور قریش نے اس حال
 میں صبح کی کردہ یہ سمجھے ہیں کہ ان کو عرب پر
 ایسے فضیلت حاصل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ
 علیہ وسلم قریش ہیں اور ان کے بغیر ان کی
 فضیلت ثابت نہیں ہوتی اور اہل عرب نے
 اس حال میں صبح کی کردہ بھی قریش کی اس
 فضیلت کے متصرف ہیں۔ نیز اہل عرب نے
 اس حال میں صبح کی کردہ بغیر ان پر اپنی فضیلت
 کو اسی لئے شمار کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی
 اللہ علیہ وسلم عربی تھے اور آپ کے بغیر عرب کی
 فضیلت شمار نہیں ہو سکتی۔ اور اہل عجم نے اس
 حالت میں صبح کیا کہ انہیں بھی عرب کی اس
 فضیلت کا اعتراف ہے پس اگر عرب اس
 دعویٰ میں سچے ہیں کہ ان کو عجم پر فضیلت ہے
 اور قریش بھی سچے ہیں کہ ان کو عرب پر فضیلت
 ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب

بھی تھے اور قریشی بھی تو ہم اہل بیت کو بھی
 قریش پر اسی لئے نفی ہے کہ حضرت محمد
 ہم میں سے تھے اب قریش اہل بیت کے حکمران
 بنی امیہ مراد میں نے اس حال میں صبح کی ہے کہ
 خور تو مبارقہ لے چکے ہیں مگر پختہ پر ہمارے کوئی
 حق نہیں سمجھتے۔ اب منوجب تمہیں یہ علم ہے ہی
 نہیں کہ میں صبح کس حال میں آئی تو اس حال میں آئی
 ہے منال کا بیان ہے کہ مجھے خیال پڑا ہے کہ
 حضرت ان لوگوں کو مناسب تھا جو اس وقت
 گھر میں آئے ہوئے تھے

دسواں شبہ

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد علوی سادات کی رشتہ داریاں

اسی سادات سے ہوتی رہی ہیں۔

اس شبہ کا جواب

یہ ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد بنی فاطمہ بنی فاطمہ
 ان یزید کی اولاد کے درمیان کوئی رشتہ
 کی اولاد میں کوئی رشتہ نہیں ہوا

اناب کا پر ہونا ترجمی بات ہے اس سلسلہ میں ایک قرابت کا ذکر بھی کتب تاریخ و انساب
 سے ثابت نہیں محمد و احمد عباس نے اپنی کتاب خلافت محمدیہ میں یزید بنی فاطمہ کے
 امیہ کی بہت سی قرابتوں کا ذکر کیا ہے لیکن اس سلسلہ میں ایک نظیر بھی پیش کر کے کہ وہ یزیدوں
 کو سادات میں شامل کرنا ناقصیت ہے امویہ کا شمار اہل بیت میں نہیں ہے

عبدالملک کا زوال یزید سے عبرت پکڑنا یہ بھی واضح ہے کہ بنو امیہ اور بنی فاطمہ

کے بہت سے خاندان تھے عبدالملک مردانی جب تخت حکومت پر براجمان ہوا تو اس نے یزید کے زوال سے عبرت پکڑ کر حجاج بن یوسف کو یہ تاکید کر دی تھی کہ بنو ہاشم سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہ کیا جائے کیونکہ آل ابی سفیان نے جب ان پر زیارتی کی تو ان پر زوال آگیا چنانچہ حانظ ابن تمیمہ لکھتے ہیں۔

فان الحجاج مع كونه مبيناً سفاكاً
لله ما رقتل خلقاً كثيراً له يقتل
من اشرف بني هاشم احداً قط
بل سلطانہ عبد الملك بن مردان
نھاك عن التعرض لبني هاشم
دهم الاشرف وذكر انه اتى الى
بني الحرب لما تعرضوا لهم ليعني
لما قتل الحسين بجريرة دمي
ابن تميم ج ۳ ص ۱۵۰ (۵۰۳)

بلاشبہ حجاج نے باوجودیکہ وہ جڑا ملاکار اور سخت خرنریز تھا اور اس نے ایک خلق کثیر کو قتل کر دیا تھا تاہم اشرف بنی ہاشم میں کبھی کسی کو قتل نہ کیا بلکہ اس کے سلطان عبدالملک نے بنی ہاشم سے جو اشرف کہلاتے ہیں کسی قسم کا بھی تعرض کرنے سے منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ بنو حرب نے جب ان سے تعرض کیا تو ان کی شامت آگئی مرطلب یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو جب قتل کیا تو ان پر ار بار آگیا۔

اسی لئے بنو ہاشم اور بنو مردان میں اگر تعلقات قرابت لہد میں بھی قائم رہے اور ایک دوسرے سے رشتہ مناکت کا سلسلہ چلتا رہا تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یزید کے مظالم کے مردانی بھی اقرار ہی تھے۔

گیارہواں شبہ

یہ ہے کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد کوفہ کے شریعہ النفس لوگوں نے مسیدنا حسینؑ کو یزید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا اور جب آپ نے یہ جان لیا کہ یزید کی بیعت پر کام امت

متفق ہے تو آپ اپنے ارادہ سے دست بردار ہو گئے۔

یہ ہے کہ یہ محض ہرزہ سرائی ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں تاریخ
اس کا جواب | طبری، البدایہ والنہایہ ابن الاثیر الاصابہ لابن حجر اور تاریخ
 الخلفاء یہ سب کتابیں ہمکے پیش نظر ہیں۔ ان میں کہیں یہ مذکور نہیں جو مستغنی نے سوال میں
 ذکر کیا ہے

کیا الیاز با اللہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ محض نے ناوان عقل سے کوسے
 احکام شرع سے بالکل ناواقف اور دینی تقاضوں سے سرے سے نا آشنا تھے کہ سائل کو تو
 اس حقیقت کا پتہ چل گیا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اور ان شریر النفس لوگوں کے بہکانے
 میں آکر جن کے

”نا مبارک عزائم و مقاصد کبھی سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور
 ادریسیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کی شکل میں نوردار ہوتے اور کبھی جنگ
 جمل و صفین کی ہلاکت سامانیوں کی شکل میں ظاہر ہوتے حتیٰ کہ حضرت علی
 المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حسن رضی اللہ عنہ کی تربیت و تہذیب سے بھی (انہیں
 کے نامہ اعمال سیاہ اور رامن و اعذار ہیں۔“

آپ نے یہ یاد کر لیا کہ امیر نہایت کے متفق علیہ خلیفہ نہیں اور پھر ان کے خلاف طردج پر
 آمادہ ہو گئے سبحان اللہ اس سے زیادہ اور کیا حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تحقیق و تحصیل میں کہا
 جاسکتا ہے۔ اور پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ نہ صرف حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلکہ ان کے بعد ساری
 امت اسلامیہ پر آج تک یہ حقیقت منکشف ہی نہ ہوئی جو مستغنی پر واضح ہوئی ہے لہذا
 باللہ من ہذہ الخرافات جھوٹ بولنے کی حد ہو گئی۔

فاروق اعظم کی شہادت میں کسی کوئی کا ہاتھ نہ تھا | حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت میں کسی

کوئی کا دست نہ تھا یہ بھی جھوٹ ہے نہ ان کی شہادت کسی سانس کے تحت عمل میں آئی ان کی شہادت کے بارے میں سازش کا افسانہ موجودہ دور کے مٹھادیوں کے ذہن کا ساختہ و پراختہ ہے اس کی تفصیل کے لیے ہمارے رسالہ اکابر صحابہ پرستان کا مطالعہ کرنا چاہیے

بقیہ غلط باتوں پر تنبیہ

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتلین میں بھی کسی کوئی ہمارے نام نہیں لیا جاتا، ان سرزمین میں بھی اکثریت اہل مصر کی تھی

جنگ جمل و صفین میں کیا طریقے سے سارے صحابہ کرام (غزوہ جملہ) ریا نے ہو گئے تھے کردہ بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح ان شریرانہ نفس گروں کی شہادت کو بالکل نہ سمجھ سکے۔ اور قتل و قتل کا نہ ہمارے کارزار جاری رکھا ایک ملحد ایسی بات سوچ سکتا ہے کہ مسلمان کا ذہن اس خرافات کو باور نہیں کر سکتا حضرت عثمان کرم اللہ وجہہ کا قاتل عبد الرحمن بن ملجم مراری پکا فاجر تھا فاسادیوں کا گڑبگڑ نہ نہیں نہیں وہ تھا ابن مہدی قاتل علی کوئی نہیں مصری تھا اور حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تدوین و تفسیر میں فوج اور لواحد بے پیش پیش رہے ہیں

یزید کے خلاف حضرت حسین کا اقدام اللہ فی اللہ تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف اس کی لاپرواہی کی بنا پر دوسرے کہنے سے نہیں بلکہ دینی بصیرت کے مطابق محض باللہ

فی اللہ بقرض علیہ کلمۃ اللہ تھا چنانچہ حافظ ابن حجر مفتح الباری میں لکھتے ہیں

ثم خرجوا عن بلدین من اجل جبر الدولة و ترک عملهم بالسنة النبویة فهو لاهل الحق۔

ایک تسمان طغرات کی ہے جو حکام کے ظلم و ستم اور سخت بری پرانے عمل نہ کرنے کی بنا پر نبی غیرت و عیت میں نکلے سب اہل حق ہیں اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل مدینہ جنہوں نے مقام حرہ میں جہاد کیا اور وہ تمام

منہم الحسین بن علی و اهل المدینة فی الحررة و القراء للذین

خرجوا علی الحجاج۔

علاج حجاج کے خلاف نکلے سب کا شمار ان

ہی اہل حق میں ہے

فتیۃ الباری ج ۲ ص ۱۲ طبع مصر

جن حضرات نے یزید حجاج کے خلاف
اقدام کیا ان سے جنگ کرنا ناجائز تھا

شرعی نقطہ نظر سے حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اصحابِ حرہ
سے یزید کا جنگ کرنا کسی طرف بھی

تلقاً جائز نہیں تھا چنانچہ حافظ ابن حجر فتنۃ الباری میں رقمطراز ہیں

جو کسی ایسے حکمران کی اطاعت سے نکلے کہ جو

عالم ہوا اس شخص کے جان یا مال یا اہل و عیال

پر قابض کرنا یا متاثر تو اس شخص سے منع ہے

اس وقت قتال حلال نہیں اور اس شخص کو اپنی

حفاظت کے مطابق اپنی جان یا مال اور اپنی اہل و عیال

کی طرف سے دفاع کا حق حاصل ہے

چنانچہ امام فہرہ نے لسنہ صحیح عبد اللہ بن حارث

سے روایت کیا ہے اور وہ بنی مسر کے ایک

شخص کے ذریعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

عمرہ سے راوی ہیں کہ آپ نے ان لوگوں کا ذکر

فرماتے ہوئے جو خلیفہ کے خلاف غزوئہ کرتے

ہیں فرمایا کہ اگر یہ لوگ امام عادل کے خلاف

خروج کریں تو ان سے قتال کرنا اگر ظالم حکمران

کی مخالفت کریں تو ان سے قتال نہ کرنا اگر ظالم

ان کو کہنے کا حق حاصل ہے اس لیے مخالفین

من خرج عن طاعة امام جائز

اراد النية على ماله او نفسه

او اهله فهو بعد ذلك لا

يجل قتاله وله ان يدفع

عن نفسه و ماله و اهله

بقدر طاقته

وقد اخرج الطبري بسند صحيح

عن عبد الله بن الحارث عن

رجل من بني مفر عن علي وقد

ذكر الخوارج فقال ان خالفوا

اماماً عدلاً فلا تقاتلوهم و ان خالفوا

اماماً جائراً فلا تقاتلوهم فان

لهم مقالا

ابن سے روایت کو نقل کرنے کے بعد حافظ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وَعَلَى ذَٰلِكَ يَحْمَلُ مَا وَقَعَ

لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ثُمَّ لَأَهْلِ الْمَدِينَةِ

فِي الْحَقِّ ثُمَّ لِعَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزُّبَيْرِ

ثُمَّ لِلْقُرَآنِ الَّذِينَ خَرَجُوا عَلَى الْحَجَّاجِ

فِي قِصَّةِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ مُحَمَّدٍ

ابن الأشعث والله أعلم

(ج ۱۲ ص ۲۵۳ - ۲۵۴)

اور اسی صورت پر محمول ہوگا جو حضرت حسین

بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ پیش آیا

اور پھر مقام حر میں اہل مدینہ کے ساتھ پھر عبداللہ

بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ اور ان

علماء کے ساتھ کہ جنہوں نے عبدالرحمن بن محمد بن

الاشعث کے واقعہ میں حجاج کے خلاف خروج

کیا تھا کہ ان سب حضرات کے تال نایابا ز تھا واللہ اعلم

چوتھے شبر کے جواب میں حضرت ابن

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا وہ خط

جو یزید کے نام لکھا گیا تھا درج

حرمین میں یزید اور اس کے عمال نے

حضرت حسینؑ کو چین سے بیٹھے دیا

کیا جاچکا ہے اس کے پڑھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یزید کے

عمال نے حرمین میں چین سے بیٹھے ہی زبامدینہ میں تھے تو بیعت یزید پر اصرار تھا مگر موقوفہ

آگے تو رواں بھی یزید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نام خط لکھ کر اپنے قلعہ اشجار

میں حضرت حسینؑ کو قتل کی دھمکی دی تھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہیں چاہتے تھے

کہ ان کی وجہ سے حرم مکہ میں خونی زری ہو اور حرم کی عزت خاک میں ملے تھی اس لئے آپ نے کوثر

کارخ کیا کہ وہاں آپ کے اعوان انصاف تھے۔

جن حضرات نے کوثر جانے سے حضرت حسین

کو روکا برہنہ شہادت روکا

تھا اس بنا پر کہ آپ کا یہ اقدام

سے روکا وہ بھی برہنہ شہادت

معوذ باللہ خلاف شرط تھا۔ ورنہ رد کرنے والے آپ سے صاف صاف کہہ دیتے کہ
آپ ترکیب مصیبت ہو چکے ہیں یزید جیسے خلیفہ برحق کے خلاف خروج کرنے سے آپ
شرع کی رو سے باغی مباح الدم اور واجب القتل ہوں گے۔ اسی لیے خلیفہ برحق سے
نجات کرنا آپ کے نمایاں شان نہیں عذر فرمائیے یہ حضرات کوئیوں کی بے وفائی کا اندیشہ ظاہر
کرتے ہیں مگر آپ کے اس اقدام کو گناہ قرار نہیں دیتے۔

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے

کوفہ کے سب لوگ غدار نہ تھے ان میں
مخلصین کی کثیر جماعت تھی حضرت حسینؑ

کو سربہ شہادت پر فائز ہونا تھا اس لیے لاکھ جتن کیے جاتے مرناسی تھا جیسے حضرت
عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آست میں ازل سے شہادت مقدر تھی بہت سے صحابہ کرامؓ نے
آپ کی نصرت میں اپنی خدمات پیش کیں اور محاصرین سے جنگ کی اجازت مانگی بظاہر خیال
ہوتا ہے کہ اگر محاصرین سے جنگ کی جاتی تو ان کا نثار پر قرار ضروری تھا لیکن آپ نے اسے
پسند ہی نہ فرمایا اور آخر جو ہونا تھا ہو کر رہا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انجام سے
ناواقف نہ تھے راہ حق میں شہادت مطلوب ہونے سے اس لیے آپ نے جو قرین معاملت سمجھا
اسی پر عمل کیا۔

کوفہ کے گورنر اس وقت نعمان بن بشیر
رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے جو حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے صحابی تھے۔ یزید کو جیسے

کوفہ کی گورنری پر اپنا زیاد کا قصر
اور حضرت حسین کی شہادت

ہی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عازم کوفہ ہونے کی اطلاع ملی اس نے فوراً حضرت
نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دہاں کی گورنری سے معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو جسے
یزید اپنا چچا زاد بھائی بتاتا تھا کوفہ کا گورنر بنا کر روانہ کر دیا۔ اس نے آتے ہی جو ظلم و ستم ڈھلایا
اس سے تاریخ کے ادراک پر ہیں بڑے بڑے سرکردہ لوگوں کو دارد و ہش سے سر کیا۔ انعام کا

جبر و تہر سے کو نہ کی چاروں طرف سے ناکہ بندی کر دی کہ کسی کو کسی کی خبر نہ ہو، اور کوئی کہیں نہ جاسکے۔ صورتحال میں اس اپائنٹ تبدیلی سے مخلصین کو آپ کی نقل و حرکت کی خبر نہ ملنے کے سبب مدد کا موقع نہ مل سکا۔ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی کو نہ سے پچیس میل دور ہی تھے کہ ابن زیاد کے حکم سے راہ ہی میں حر بن یزید تمیمی کے دستہ نوج لے جو ایک ہزار سواروں پر مشتمل تھا آپ کا محاصرہ کر لیا۔ پھر عمر بن سعد کی سرکردگی میں مزید چار ہزار سپاہ روانہ کر کے پہلے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کارواں کا پانی بند کیا۔ پھر ان سب حضرات پر حملہ کر کے ان کو شہید کر ڈالا۔ چنانچہ امام نجاشیؒ کا تاریخ صغیر میں لکھتے ہیں۔

حدثنا موسى ثنا سليمان بن مسلم ابوالمعالی العجلی قال سمعت ابی ان الحنفی لما نزل کریمہ ناول من لعن فی سرادبہ عمر بن سعد فرأیت عمر بن سعد وابنیہ قد ضربت اعناقهم وعلقوا علی الخشب ثم الهبت نهم النار : تاریخ صغیر ص: ۷۵

ہم سے موسیٰ نے بیان کیا وہ کہتے ہیں ہم کو سلیمان بن مسلم ابوالمعالی عجلہ نے بتایا کہ میں نے اپنے والد سے سنا فرماتے تھے کہ حضرت حسینؑ جب سر بلایا میں ذرکشی ہوئے تو سب سے پہلے جس شخص نے ان کے سر پر دہ میں نیزہ مارا وہ عمر بن سعد تھا۔ پھر میں نے (کچھ عرصہ بعد یہ منظر بھی) دیکھا کہ عمر بن سعد اور اس کے دونوں بیٹوں کی گردنیں ماری گئیں اور انہیں شہتیر پر لٹکا کر نذر آتش کر دیا گیا۔

اور ان سب شہدا کو رملہ کے سرکاٹ کرائی کو کوہ روانہ کر دیا گیا۔

حضرت حسینؑ کے سر مبارک کے ساتھ ابن زیاد کی گستاخی...

حضرت حسینؑ کا سر مبارک جب عبید اللہ بن زیاد کے سامنے طشت میں رکھ کر پیش کیا گیا تو اس ابن زیاد بدبھار نے

آپ کے سر مبارک کے ساتھ جو گرتا فحی کی اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ان الفاظ میں مذکور ہے۔

حدثنا محمد بن الحسين بن
ابراهيم ثنا الحسن بن محمد
ثنا جبريل عن محمد بن النبی بن مالک
قال اتی عبید اللہ بن زیاد برأس
الحسین رضی اللہ عنہ فجلست فجل
یتکت و قال فی حنہ شیئاً فقال
النسکان اشبههم برسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و کان
مخفواً بآبائہ لوسمہ

(صحیح البخاری ص: ۵۳۰ ج ۱)

اور جامع ترمذی میں یہ روایت ان الفاظ سے آئی ہے

حدثنا خالد بن اسلم البغدادی
نا النضر بن شميل نا هشام بن حسان
عن حفصہ بنت سیرین قالت
ثنی النبی ابن مالک قال کنت
عند ابن زیاد فنجی برأس
الحسین فجعل یقول بقضیب
فی انفه ویقول ما رأیت مثل هذا
حسناً لوی ذکر قال قلت اما انت

محمد بن سیرین حضرت انس بن مالک رضی اللہ
تعالیٰ عنہ سے راوی ہیں کہ عبید اللہ بن زیاد
کے سامنے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
سر مبارک لشت میں رکھ کر پیش کیا گیا
تو وہ سر در چھڑی سے اسی کو چھڑاتا رہا
اور آپ کے حن کے بائیں میں بد زبان کی اس
پر حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ تو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کے صہت شباب تھے اور
حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر مبارک
پر اس دنت و دسمہ کا خضاب تھا۔

حفصہ بنت سیرین کا بیان ہے کہ مجھ سے
حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ
نے بیان فرمایا کہ میں ابن زیاد کے پاس تھا
اتنے میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کا سر مبارک اس کے سامنے لا گیا تو وہ
چھڑی سے آپ کی ناک کو چھڑاتا رہا
لہذا کہنے لگا میں نے تو ایسا حسین ہی نہیں
دیکھا پھر اس کے حن کا کیوں چرچا ہے میں

كان اشبه بهم برسول الله صلى
الله عليه وسلم

هذا حديث حسن صحيح غريب

(ج ۲ ص: ۲۱۹)

نے کہا خبردار! یہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم سے بہت ہی مشابہ تھے۔

عمر بن سعد کا حشر | عمر بن سعد کا جو حشر ہوا وہ ابھی تاریخ بخاری کے حوالہ سے
آپ پڑھ چکے کہ وہ بھی کچھ غرصہ کے بعد ہی قتل کر دیا گیا اور
پھر اس کے لاشے کو آگ میں جلا دیا گیا یہ رات تھوڑی سی تھی

ابن زیاد کے سر کے ساتھ
کیا عبرتناک معاملہ ہوا
اور اسی قعر میں جہاں لاشہ تھی حضرت

حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سر مبارک اس کے سامنے پیش کیا گیا تھا اس کا منہ مبارک
بھی رکھا گیا پھر اس کے سر پر جو بیتی وہ سننے کے لائق ہے امام ترمذی اپنی جامع میں
نماتے ہیں۔

عن عمار بن عمیر قال لما
جئ بؤاؤن عبید اللہ بن زیاد وجماعہ
لفدت فی المسجد فی الرحبة
فانتمیت الیہم وھم یقولون
قد جارت قد جارت فازیحیة قد جارت تغلی
الروسیحتی دخلت فی منخری عبید
بن زیاد فمکثت ہنیة ثم خرجت
فذهبت حتی تینبت ثم قالوا

عمارہ بن عمیر کا بیان ہے کہ جب عبید اللہ بن
زیاد اور اس کے ساتھیوں کے سر لاکر چوک کی
میدان میں بالترتیب کھائے گئے تو میں بھی دباں پہنچا
اس وقت لوگوں کی زبان پر تھادہ آیا رہ آیا
دیکھا تو ایک سانپ سردی میں سے گھسا ہوا
ابن زیاد کے نگوں میں داخل ہوا پھر ذرا
دیر رہ کر اہر غائب ہو گیا اب پھر لوگوں نے
کہنا شروع کیا وہ آیا وہ آیا غرض اس سانپ

نے دو تین بار ایسا ہی کیا۔

قد جاءت تدجاءت ففعلت ذاك
مرتلياً وشارتاً هذا حديث حسن

صحیح (ج ۲ ص ۳۱۹)

یزید کلونیا سے ناکام وٹامرار جانا

اور یزید کا جو حشر ہوا وہ حافظ ابن کثیر
کے الفاظ میں ہے۔

وقد اخطأ يزيد خطاء فاحشا
في قوله لمسلم بن عقبة ان
يبيع المدينة ثلاثة ايام وهذا
خطا كبير فاحش مع ما انفهم الى
ذالك من قتل خلق من الصحابة
وابناءهم وقد تقدم انه قتل
الحسين واصحابه على يد عبید
بن زياد وقد وقع في هذه الثلاثة
ايام من المفاسد العظيمة في
المدينة النبوية ما لا يحذر ولا
يوصف. مما لا يعلمه الا الله

عز وجل وقد اراد بارسال مسلم بن
عقبة لوطيد سلطانہ وملكه و
درام ايامه من غير منازع
فغاقبه الله بنقيض قصده وحال

یزید نے مسلم بن عقبہ کو یہ کہا کہ وہ تین دن تک
مدینہ نبوی میں قتل و غارتگری جاری رکھے
بڑی خطافاحش کی یہ بڑی سخت اور فحش
غلطی ہے اور اس کے ساتھ صحابہ اور صحابہ
زادوں کی ایک خلقت کا قتل عام اور شامل ہو گیا
اور باقی میں گزر چکا کہ حضرت حسین اور ان کے
اصحاب عبید اللہ بن زیاد کے ہاتھوں قتل
کر ڈالے گئے مدینہ منورہ میں ان تین دنوں میں
وہ وہ مفاہد عظیمہ واقع ہوئے کہ جو حد حساب
سے باہر ہیں اور بیان کیے ہی نہیں جاسکتے
بس اللہ عز وجل ہی کو ان کا علم ہے یزید نے
تو مسلم بن عقبہ کو بھیج کر یہ چاہا تھا کہ اسی کی
سلطنت و اقتدار کی جڑیں مضبوط ہوں اور
اس کے ایام حکمرانی کو بلا نزاع دوام حاصل
ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف مراد اس

بَيْنَهُ وَبَيْنَ مَا لِيَشْتَهِيَهُ فَفَقِمْ
اِلَيْهِ قَا صَهَا لِحْيَا بَرَكَةً وَ اخذَكَ اخذ
عَزِيزٌ مَّقْدَرٌ وَ كَذَلِكَ اَلَمْ يَخْذِرْ
اِنْ اخذَ الْقُرْآنِي وَ هِيَ طَالِمَةٌ اِنْ
اخذَكَ اَلْيَمِّ شَدِيدٌ ج ۸ ص ۲۲۲

کہ سزا دی اور اس کے اور اس کی خواہش کے
درمیان آڑے آگیا۔ اور اس طرح اللہ تعالیٰ
نے جو سب ظالموں کی کمر توڑ دی تھی اسی کی
بھی کمر توڑ کر رکھ دی اور اسے اسی طرح دھڑکڑا
جس طرح کہ غالب ان با اقتدار پکڑا کرتا ہے
بستیوں کو اور وہ ظلم کرنے ہوتے ہیں بے شک ہر
کی پکڑ در دناک ہے شدت کی۔

اس کی نسل کا منقطع ہو جانا

اور خواجہ محمد پارسا محدث نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ

فصل الخطاب میں فرماتے ہیں

روز طوف بآتی نماوند از اولاد دے مگر
زین العابدین پس حق تعالیٰ از صلب دے
آفرید کہ عاقل است از اہل بیت نبوت
بیرون آورد و در شرق و غرب منتشر گردانید
چنانچہ سچ ناحیہ و سچ شہر کے از وجود
شان خالی نیست و نباشد از یزید و
اخلافش یک تن نگذاشت کہ خانہ
آبادان کنند آتش افسرد و اللہ تعالیٰ
راست ترین گویندگان است بہ حبیب
خود کہ فرمود اِنْ شَا بُنْتُکَ
هُوَ الْاَنْبَا وَ ملاحظہ ہو

کر بلا کے دن حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اولاد نرمیہ
میں بکھر حضرت زین العابدینؑ کے کوئی مرد
باقی نہ بچا پھر حق تعالیٰ نے اپنی پشت سے
خاندان نبوت کے جتنے افراد کو بھی پیدا کرنا
چاہا پیدا فرمایا اور ان کو مشرق و غرب میں
پھیلا دیا چنانچہ کوئی نواح اور کوئی شہر یا
ہنسی کہ جوان حضرت کے وجود سے خالی ہو نہ
کبھی خالی ہو گا اور یزید اور اس کی نسل سے
ایک شخص کو بھی تو باقی نہ چھوڑا کہ جب گھر کو باد
رکھے اور اس میں دیا جلا سکے نہ کوئی نام لیا
رہ نہ پانی دیا اور اللہ تعالیٰ سب کے پہلے

الفرع انسابی من الاصل السامی از

نواب صدیق حسن خان اصر : ۵۰

طبع نظامی کا پورا

ہر جہان نے اپنے حبیب حضرت محمد صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم سے فرمایا تھا کہ بے شک جو اس

ہے تیرا ہی رہ گیا دم کٹا۔

اور ہمارے نزدیک یہ بات بھی محل نظر

ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

اخیر وقت میں عمر بن سعد کے سامنے جو

تین شرطیں کہیں ان میں ایک یہ بھی تھی کہ مجھے دمشق بھیجا جائے تاکہ میں اپنے ابن عم اچھا زاد

بھائی امیر یزید کے ہاتھ میں دستہ دیکر معاملہ اس طرح کئے کروں جس طرح میرے بھائی حسن نے

امیر معاویہ کے ہاتھ کیا تھا۔ سائل نے فاضل ید فی ید کا "کے الفاظ تو نقل

کئے بقیہ الفاظ تاریخ کی کتب کتاب میں مقتول ہیں۔

یہاں سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ کیا

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی زندگی کے

کسی دور میں بھی یزید کی خلافت منقہ سونے پر

اس پر رایت کے اعتبار سے

تفصیلی بحث

اپنی رضا مندی ظاہر کی ہے۔

سب سے پہلے جب یزید کی ولید کی تقریب عمل میں آئی تو کیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ

نے اس کی دلی ہمدی کی بیت کی اور اس کو درست بتایا پھر جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات پر یزید

کے عامل مدینہ ولید بن عقبہ نے آپ سے بیعت کا مطالبہ کیا تو کیا آپ نے اس مطالبہ کو منظور فرمایا یا کیا

آپ نے مدینہ طیبہ کو صرف اسی بنا پر خیر باد نہیں کہا کہ یزید کے مقرر کردہ عامل مدینہ کی طرف سے

اس سند میں آپ پر ناجائز دباؤ والا جبار ہوا تھا؟ کیا آپ اس وجہ سے دباؤ سے چھٹ کر

حرم مکہ میں نہیں آ گئے تھے کہ حرم مکہ میں بھی آپ نے یزید کی بیعت پر کبھی ایک لمحہ کے لیے بھی

اظہار رضا مندی کیا تھا؟ پھر اخیر وقت میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ یزید کی بیعت پر

کس طرح راضی ہو سکتے تھے جبکہ وہ اس بیعت کو بیعت فطالت بھی سمجھتے تھے چنانچہ حنفیہ
ابن خرم فاطمی الفصل فی الملل والہو والنحل میں رقمطراز ہیں۔
اذ رأی انہا بیعة فطالتہم ۴ من ۱۰۵ حضرت کی رائے یہ تھی کہ اس
کا بیعت بیعت فطالت ہے۔

آپ کا اخیر خطبہ جب آپ نے میدان کر بلا میں دیا آپ کے موقف کو صاف بتا رہا ہے یہ خطبہ
احیاء العلوم امام غزالی کے حوالہ سے نقل کیا جا چکا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ خط بھی
پڑھ لیجئے جو آپ نے یزید کے نام لکھا تھا اور جو سابق میں تاریخ الکامل ابن اثیر کے حوالہ
سے ہم نقل کر چکے ہیں ان میں کہیں یہ ذکر نہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے موقف سے
رجوع کر کے یزید کے ساتھ پر بیعت کرنے کے لئے راضی ہو گئے تھے حالانکہ یہ دونوں
مواقع ایسے تھے کہ جہاں ایسی بات کا ذکر ضروری تھا پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے رفقاء یا حضرات انصار مدینہ میں سے
کسی ایک نے فرمے بھی جب سے وہ یزید کے خلاف کھڑے ہوئے کبھی اپنے موقف سے رجوع
کیا جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کرتے حضرت آدعزم دہمت اور عنزمیت کے اعتبار سے
ان سب حضرات سے برتر اور بڑھ کر تھے۔ اور کمالات و فضائل کے اعتبار سے اپنے تمام
سامعین میں اس وقت کوئی ان کا ہمسر نہ تھا وہ بھلا کس طرح اپنے صحیح موقف سے
رجوع فرما سکتے تھے جب یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ و تابعین کے نزدیک یزید کی شخصیت
ناپسندیدہ تھی چنانچہ عاصم ابن خرم اندلسی لکھتے ہیں۔

انہما انکر من انکر من الصحابة
رضی اللہ عنہم ومن التابعین
بیعتہ یزید بن معاویہ
والولید و سلیمان لا انہم کانوا
صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے
جن حضرات نے بھی یزید بن معاویہ، ولید
اور سلیمان کی بیعت سے انکار فرمایا
وہ صرف اس بنا پر تھا کہ یہ ناپسندیدہ

از میں معلوم میسر کر دیں چہاں وہ کجسب
نجابت در قیامت خسر صیتے است کہ
در دیگران نیست

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چوروں کے
چہرہ بزرگوں کو نجابت در قیامت کے
اعتبار سے وہ امتیاز و خسر میت عامل ہے
جو اوروں کو نہیں ہے۔

اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ علی و
حسین اپنی تمام جنگوں میں حق پر تھے

اب غزوہ فرمایئے کہ جو حضرات شرف
نجابت سے متنازع ہوں اور آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام حالات کے نگہبان ہوں ان کے مزاج شناس ہر قسم ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا
ہے ظاہر ہے کہ ان حضرات کا جو اقدام بھی ایسے مواقع پر ہوگا وہ عبادہ شریعت سے ذرا بھی ادھر
اُدھر نہیں ہو سکتا اس لیے حضرت علی، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے
اپنے وقت میں مخالفین کے ساتھ جنگ و صلح کا جو اقدام بھی کیا وہ امرت کے عین مفاد
میں تھا اور تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی تمام جنگوں
میں حق پر تھے اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اقدام یزید کے خلاف بالکل صحیح تھا
چنانچہ علامہ عبدالحی بن العباد حبشی شذرات الذہب میں لکھتے ہیں۔

والعلماء مجمعون علی تصویب قتال
علی لمخالفیہ لائمہ الامام الحق
ونقل الاتفاق ایضاً علی تحسین
خروج الحسین علی یزید و خروج
ابن الزبیر و اہل الحرمین علی
بنی امیہ و خروج ابن الاشعث
ومن معہ من کبار التابعین و دینار
اور علماء کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی
اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مخالفین سے قتال کرنے میں
حق پر تھے کیونکہ آپ خلیفہ برحق تھے نیز اس
پر بھی اتفاق منقول ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کا خروج یزید کے خلاف اور حضرت
ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور اہل حرمین
کا بنی امیہ کے خلاف اور ابن الاشعث

السلین علی الحاج شہ المحمود
 را و اجازہ الخرج علی من کان
 مثلاً یزید و الحاج و منہم من
 جرد الخرج علی کل ظالم :
 ص ۶۸ طبع مصر ۱۳۵۰ھ

امدان کے ساتھ کبار تابعین اور بزرگان
 مسلمین کا خرج حاج کے خلاف مستحسن تھا
 پھر صہرہ علما کی رائے یہ ہے کہ یزید اور حاج
 جیسے ظالم اور ناسحق حکمرانوں کے خلاف اسٹھ
 کھڑا ہونا جائز ہے اور بعض حضرات کا مذہب
 تو یہ ہے کہ ہر ظالم کے خلاف خرج کیا جاسکتا ہے

حسین اگر یزید کی بیعت پر راضی تھے
 تو پھر بیعت کیوں نہ کی؟
 یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ اگر
 حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یزید کی بیعت پر آخر وقت میں راضی ہو گئے تھے تو پھر ان کو عمر بن سعد یا عبید اللہ بن زیاد
 کے ہاتھ پر یزید کی بیعت کر لینے سے آخر کو ناامرانج تھا کیا وہ بھی انغور! اللہ حب
 جاہ میں گرفتار تھے کہ صرف بادشاہ وقت ہی کے ہاتھ پر بیعت کریں گے اس کے عمال کے
 ہاتھ پر بیعت کرنا ان کی کسر شان ہے اسی طرح ایسی صورت میں حوزہ یزیدی عمال کو انہیں
 دشمن پہنچانے میں آخر کیا عذر تھا؟ اور جب یہ اطاعت کے لیے تیار تھے تو پھر انہیں
 ناحق قتل کرنے سے کیا نادمہ تھا؟

اور اگر یہ کہا جائے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہاں پر آمادہ تھے مگر عبید اللہ
 بن زیاد نے زبردستی آپ کو قتل کر دیا تو سوال یہ ہے کہ عبید اللہ بن زیاد اور عمر بن سعد کو
 آخر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسی کونسی ذاتی عداوت تھی جس نے ان لوگوں کو
 آپ کے قتل پر مجب کیا تھا؟

اور اگر یہ لوگ اس قدر خود مر تھے کہ باوجود اس کے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ
 عنہ یزید کی بیعت پر آمادہ تھے مگر پھر بھی وہ ان کے قتل سے باز نہ رہے تو یزید کیا

برائے نام خلیفہ تھا کہ جو عفو مطلق بنا بیٹھا تھا اور جو کچھ کرتے تھے اس کے قمال بد اعمال ہی کرتے تھے۔ اور اگر رافع میں یزید با ائمہ اور خلیفہ تھا اور اس کے منشا کے بغیر شہدائے کربلا کو قتل کیا گیا تو پھر اس نے اسی بارے میں اپنے قاتل سے باز پرس کیوں نہ کی؟

اسی بحث و رایت کے اعتبار سے اس روایت کے ناقابل قبول ہونے کے لئے کافی ہے جو سستی نے نقل کی ہے کہ ناصح میدی فی دیدہ۔ "اور یہ کسی قابل وثوق سند سے ثابت بھی نہیں ہے

مزید کہ ائمہ بر خلاف عقبہ بن سمان کی مناف نہ صرف کتب تواریخ میں موجود ہے چنانچہ حنفی عزالدین ابن الاثیر جزیری اپنی تاریخ الکامل میں فرماتے ہیں۔

وقد ردی عن عقبہ بن سمان
انه قال صحبت الحسين من
المدينة إلى مكة ومن مكة
إلى العراق ولم أفرقه حتى
قتل وسمعت جميع مخاطباته
الناس إلى يوم قتله فوالله
ما أعطاهم ما يتذكرونه الناس
من انه يفتح بيده في
يد يزيد

(ج ۴ ص ۲۲ طبع مصر)

اور بلاشبہ عقبہ بن سمان سے مروی ہے کہ
انہوں نے بیان کیا میں حضرت حسین رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ
سے عراق تک برابر ساتھ رہا اور ان کی
شہادت کے وقت تک ان سے کہیں
جدا نہ ہوا۔ میں نے یوم شہادت تک آپ کی
وہ تمام گفتگو میں سنی ہیں جو آپ نے
لوگوں سے فرمائی ہیں۔ سو بخدا یہ بات
آپ نے لوگوں کے سامنے رکھی ہی نہیں جس کا
ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کے سامنے
یہ بات رکھی تھی کہ وہ دیر میں کے ہاتھ میں اپنا
ہاتھ دیر میں گئے اور اس سے بیعت کر لیں گے۔

عقبہ بن سمان حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ کے نام سے

عمر بن سعد نے غلام ہونے کے باعث ان کو زندہ چھوڑ دیا تھا۔

خضریٰ کی تحقیق

”ماضیات تاریخ الامم الاسلامیہ کے مصنف محمد خضریٰ

کی تحقیق بھی یہی ہے وہ لکھتے ہیں

و لیس بصیح انه عرض علیہم

ان یصح یثبہ فی ید یزید

فلما یقبوا منه تلک

العودۃ و عرضوا علیہ ان

ینزل علی حکم ابن زیاد

ج ۲ ص ۱۲۸ طبع مہر

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یزیدی لشکر کے سامنے یہ بات رکھی تھی کہ وہ بیت کے لئے یزید کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دینے کے لئے تیار ہیں مگر ان لوگوں نے آپ کی یہ پیشکش قبول نہ کی اور آپ کے سامنے یہ بات رکھی کہ ابن زیاد کے فیصلہ پر تسلیم ختم کریں

غرض یہ دعویٰ کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اخیر وقت میں یزیدی کی بیت پر راضی ہو گئے تھے۔ نہ روایت کے اعتبار سے صحیح ہے نہ روایت کے اعتبار سے۔ اور جو اس امر کی صحت کا مدعی ہو۔ اس کو چاہیے کہ وہ اس بارے میں صحیح سند کے ساتھ کوئی روایت پیش کرے تاکہ اس کا مدعا ثابت ہو

بارہواں شبہ

یہ ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خرد نوج بے غاوت نہیں بلکہ ایک اجتہادی سیاسی خطا تھی جس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔

یہ شبہ بالکل ایسا ہی ہے

اس شبہ کا جواب | عیسے کوئی یہ کہنے لگے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے باوائیوں کے خلاف کوئی اقدام نہ کر کے سیاسی غلطی کی تھی اور یہ خطا آپ کی اجتہادی تھی بہر حال بغاوت ہو یا اجتہادی سیاسی خطا جب بقول مستفتی حضرت نے اپنے پہلے موقف سے رجوع فرمایا تھا تو اب ان کو شہید کرنے کا کیا جواز تھا؟ اور خیر حضرت کو تو خاک بدین گستاخ بقول مستفتی شریر النفس لوگوں نے امیر بنوید کے خلاف خروج پر آمادہ کیا تھا اور اس کا سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی اور ان کے جھوٹے دعوای پر اعتماد تھا۔ مگر ان ناصبی قاتلان حسین کو خاندان نبوت کا چراغ گل کرنے کیلئے کس شیطان نے کہا تھا اور انہوں نے اپنا دین و ایمان کس جنیث کے بنے میں آکر برباد کیا؟ اس پر مستفتی نے کچھ روشنی نہ ڈالی۔

سبائی کون تھے | اور یہ اتباع بھی خوب ہے کہ اس کا اصل سبب صرف سبائی کوفیوں کی دھوکہ دہی ہے

بائیوں کو تو خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے زندہ جلایا تھا۔
صحیح بخاری میں آتا ہے کہ۔

اتی علی رضی اللہ عنہ
بزنادقة فاحرقهم

(ج ۲ ص ۱۰۲۳)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
پاس کچھ زناور لائے گئے آپ نے
ان کو نذر آتش کر دیا۔

”یہ زناور کون تھے ان کے بارے میں علامہ محمد بن یوسف کرمانی رحمہ اللہ
”الکلب الذاری شرح بخاری میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام ابوالمظہر
الاسفہانی کی کتاب ”التبصرة“ میں نقل فرماتا ہے

هم طائفة من المذنبين تدعى
السائية ادعاء ابن عليا
الله وكان مذمومة عبد الله
ابن سبأ وكان اصله يهوديا

رج ۳۲ ص ۲۵۵ ج ۱ ج ۱

یہ دانشمندان کا وہ گروہ تھا جس کو
سبائی کہا جاتا ہے ان کا دعویٰ
تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں ان
کا سربراہ عبد اللہ ابن سبأ تھا
جو اصل میں یہودی تھا۔

اور حنفیہ ابن حجر عسقلانی نے ان میں لکھتے ہیں۔

واخبار عبد الله بن سبأ
شهير في التواريخ وليت
له رواية وبلغ الحمد وله
اتباع يقال لهم السائية
يعتقدون الاهية علي بن ابي
طالب وقد احرقهم علي
بالنار في خلافته

(ج ۳ ص ۲۸۹، ۲۹۰)

عبد اللہ بن سبأ کے واقعات تواریخ
میں مشہور ہیں سجد اللہ اس سے کوئی
روایت نہیں ہے اس کے تبعین کو
”سبائیہ“ کہا جاتا ہے یہ لوگ
حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کی الوہیت کے قائل تھے
ان کو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے
زندہ جلا دیا تھا۔

اب زراغر فرماتے ہیں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سبائیوں کے

ساتھ جو عبرت انگیز معاملہ کیا وہ سب کچھ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آنکھوں کے سامنے ہوا پھر یہ کیسی لغو بات ہے کہ یہ سب کچھ دیکھنے اور جاننے کے بعد بھی ان سے دھوکہ کھانے کے لئے خود حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، اسی کو تجویز کیا ہے اس سے زیادہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں اور کیا غلط بیانی ہو سکتی ہے ناہمی اور افضی دونوں کا شائق خدا میں بدترین جھوٹ لٹنے والوں میں سے

یہ افترا ہے کہ کوئی سبائیوں نے لڑائی میں پہل کر کے صلح نہ ہونے دی

اور یہ قطعاً افترا ہے کہ یہ کوئی سبائیوں کی محض سوچی سمجھی اسکیم تھی کہ لڑائی میں پہل

کر کے صلح کو پورا نہ ہونے دیا جائے۔ جنگ میں پہل کرنے والے ناہمی تھے سبائی نہیں۔ مستفتی نے ابن زیاد اور ابن سعد کے سبائی ہونے پر کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا۔ ہاں اس دور کے ناہمی ملحدوں نے ایک سوچی سمجھی اسکیم کے تحت اب یہ جھوٹا، من گھڑت افسانہ تیار کیا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ، نہ صرف یزید کی بیعت پر بالکل تیار ہو گئے تھے بلکہ اس سے بیعت کرنے کے لئے دمشق کی طرف بھی چل پڑے تھے اور عمر بن سعد حر بن یزید اور شمر ذی الجوشن اپنی اپنی سپاہ کے ساتھ قافلہ حسینی کی نگرانی کے لئے ان کے ساتھ تھے جو مذرات حرم کے احترام کی وجہ سے قافلہ سے پیچھے رہتے تھے کہ اسی اثنا میں ان ساتھ کوئیوں نے جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مکہ سے کربلا تک ساتھ رہے تھے ایک روز عہر کی ناز کے بعد موقع پا کر جھپٹے کے وقت حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کیمپ پر حملہ کر کے ان کو مع ان کے رفقاء کے اچانک شہید کر ڈالا اور پھر شمر اور عمر بن سعد کے

رستہ فوج نے ان قاتلوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کر دیا یہ وہ فسانہ ہے جو مجلس عثمان غنیؓ کے اراکین نے اپنے دل سے گڑھ کر "راستہ گریبان" اور "حادثہ گریبان" نامی دو کتابچوں میں لکھ کر شائع کیا ہے اور پھر ان کو بار بار طبع کرا کر ہزاروں کی تعداد میں مفت تقسیم کیا ہے حالانکہ یہ وہ جھوٹ ہے جس کا ذکر صحیح تو درکنار کسی جھوٹ اور موضوع روایت میں بھی موجود نہیں اس سے پہلے محمود احمد عباسی نے اس سلسلہ میں یہ داستان لکھی تھی کہ حضرت حسینؓ اور عمر بن سعد کے درمیان صلح کی گفتگو جاری تھی اور معاملہ باہمی طے ہونے کو تھا کہ جب مزید احتیاط کی غرض سے قافلہ حسینی سے ہتھیار لینے کا مطالبہ کیا گیا تو ان کو فیوں نے اور مسلم بن عقیل کی اولاد نے اچانک عمر بن سعد کی فوج پر قاتلانہ حملہ کر دیا جس کی بنا پر عمر بن سعد کی فوج کو حضرت حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے ساتھیوں کو قتل کرنا پڑا "یہ دونوں باتیں محض جھوٹ اور من گھڑت ہیں۔ خدا تعالیٰ ان جھوٹوں کا منہ کاٹ کرے اس جھوٹ کی تفصیل معلوم کرنا ہر بارے رسالہ "شہداء گریبان" پر انفرادی "کا مطالعہ کرنا چاہیے

صحابہ کی جماعت حضرت حسین

کے موقف کی حامی تھی

اور یہ کہنا کہ "کسی صحابی نے
ابن خردج میں آپ کا ساتھ نہ
دیا حالانکہ اس وقت خالصی

تعداد صحابہ کرامؓ کی موجود تھی بالکل غلط ہے صحابہ کرامؓ کی جو کھڑکی بہت
تعداد اس وقت باقی رہ گئی تھی وہ آپ کے موقف کی حامی تھی چنانچہ حافظ ذہبیؒ
سیر اعلام النبلاء میں جہاں یہ لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاصؓ رضی
اللہ تعالیٰ عنہا نے فرزدق شاعر کو حضرت حسینؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نصرت کے لئے

ترغیب دے کر روانہ کیا تھا وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں۔

قلت: هذا يدل على تصويب
عبد الله ابن عمر والحسين
في مسيرة وهو رأي ابن
الزبير وجماعه من الصحابة
شهداء الحرة

(ج ۳ ص ۱۹، مطبوعہ مصر)

میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ یہ واقعہ اس امر
پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبداللہ
بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما
حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے کوفہ کی
مہم پر جانے کو صحیح سمجھتے تھے اور یہی
رأے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی
اللہ تعالیٰ عنہما اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک
جماعت کی تھی جو واقعہ حرہ میں
شریک ہوئے۔

علامہ ابن خرم طاہری ادریشی عبدالحق محدث دہلوی کی تصریحات اس بارے
میں آپ کی نظر سے گزر چکی ہیں اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ البدایہ والنہایہ میں
لکھتے ہیں۔

بلکہ سب لوگوں کا میلان حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کی طرف تھا کیونکہ
وہ سید کبیر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کے نواسے تھے اور ان دنوں ردائے زمین
پر کوئی شخص ایسا نہ تھا کہ جو ان کے محال
سادگی پر لیکن یزیدی حکومت سب
کی سب آپ کی عداوت پر مبنی ہوئی

تھی۔

بل الناس انما ميلهم إلى
الحسين لاننا السيد الكبير
وابن بنت رسول الله صلى الله
عليه وسلم فليس على وجه الأرض
يومئذ أحد يساميه ولا
يساديه ولكن الدولة
اليزيدية كانت كلها تناديه

(ج ۸ ص ۱۵۱)

یہاں "الناس" کا لفظ قابل غور ہے کہ جس میں یزیدی ارکان سلطنت کے علاوہ اس عہد کے سارے ہی حضرات آجاتے ہیں اس لیے یہ شجرہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ رافضی حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں پیش کیا کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ اس وقت صحابہ کرام رضو سے بھرا ہوا تھا مگر کسی ایک صحابی نے بھی اس وقت ان کا ساتھ نہ دیا آخر نہایت بے کسی کی حالت میں عین حرم نبوی میں گھر کے اندر گھس کر ان کو قتل کر ڈالا گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مکہ منظم سے لکھتے وقت یہ کس کو معلوم تھا کہ اسی سفر میں آپ کو منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی راہ میں شہید کر ڈالا جائے گا۔

پھر بھی حضرت انس بن الحارث رضی اللہ عنہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں آپ ہی کے ساتھ معرکہ کربلا

صحابی رسول کا معرکہ کربلا میں شہید ہونا

میں شہید ہوئے ہیں چنانچہ امام بخاری التاریخ الکبیر میں فرماتے ہیں، انس بن الحارث یہ حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہما کے ساتھ شہید ہوئے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ وسلم سے حدیث سنی ہے۔

انس بن الحارث قتل مع
الحسین بن علی مع البی
صلی اللہ علیہ وسلم اقسام ثانی
ج ۱ ص ۳۰ طبع دائرۃ المعارف

حیدر آباد دکن

حضرت انس بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس کا متن

احادیث کی رو سے حضرت حسین کے موقف کی صحت

یہ ہے۔

میرا بیٹا حسین مقام کربلا میں قتل کیا

ان ابی یعنی الحسین۔ یقتل

بارہن یقال لہا کر بلا رهن
شہد منکم ذالک فلینصرہ

جائے گا تم میں سے جو کرئی اس کو
پر موجود ہو اس کی مدد کرے

اسی حدیث کی بنا پر یہی سابی معرکہ کر بلا میں آپ کے ساتھ رہے اس روایت کو
ابن کثیر نے البدایہ النہایہ میں امام ابنو کی معجم الصحابہ کے حوالے سے لہذا نقل کیا ہے
(ج ۸ ص ۱۹۹)

اس روایت سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے موتف کی صحت روزِ رشتہ کی
طرح عیاں ہو گئی اور یہاں کہ سابق میں بھی گزرا۔ حضرت علی اور حضرات حسنین رضی اللہ
تعالیٰ عنہم اس امت کے سنجبار و رقبہ میں سے تھے اور اس منصب کی ذمہ داری
تھی کہ امت میں جہب بھی کوئی خزاں پیدا ہو یہ اس کا بردقت تدارک کریں خواہ اس
سلسلہ میں جاد کی قربان دینی پڑے یا جان کی یا جان و مال دونوں کی اس لئے ان تینوں
بزرگوں نے اپنے اپنے وقت میں اصلاح امت کے سلسلہ میں جو بھی قدم اٹھایا وہ عین
رضا و البی اور شریعت کے مطابق تھا اور حدیث نبوی سے ثابت ہے کہ ان ہر سرہ حضرات
کا جنگ و صلح کے بارے میں جرات نام بھی ہو گا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشا
کے عین مطابق ہو گا پھر جامع ترمذی میں ہے۔

عن زید بن ارقم ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم قال: لعنوا فاطمة
والحسن والحسين انا حارب لمن
حاربهم وسلم لمن سألهم
رواہ الترمذی (مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷)

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے حضرات علی و فاطمہ و حسن و
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں
فرمایا "جو ان سے لڑے میرا انا سے
لڑائی ہے اور جو ان سے صلح کرے میری
ان سے صلح ہے۔"

اور سنن ابن ماجہ میں یہ روایت حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے باب فساد الحسن و
الحسین ابن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تحت ان الفاظ سے مروی ہے
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لعلی وفا طمۃ و الحسن و الحسین
انا سلم لمن سالہم و حرب لمن
ہایہم

اور جن سے تمہاری لڑائی ہو ان سے
میری لڑائی ہے۔

جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کے علاوہ صحیح ابن حبان میں بھی حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی یہ روایت موجود
ہے بخاری و مسند احمد میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان الفاظ
میں آئی ہے کہ

عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال النبی
صلی اللہ علیہ وسلم الی علی و الحسین
و الحسین و دا طمۃ فقال انا
حرب لمن حاربکم و سلم لمن
سالکم (مسند احمد ج ۲ ص ۴۲۲)
اس لیے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس اقدام کو دنیا کہنا بہت ہی
مفہم ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا ایسی مذموم
حرکت ہے کہ جس کی مذمت پر تمام
اہل سنت کا اتفاق ہے

اہل بیت سے جنگ کرنا یا جماع
امت مذموم ہے

چنانچہ محدث ملا علی قاری، مشکوٰۃ کی شرح "مرقاۃ میں لکھتے ہیں

ففضل أهل البيت و ذم من

حاربهم امر مجمع علیہ عند

علماء السنۃ و اکابر ائمة

الامة (ج ۱۱ ص ۳۸۷)

اہل بیت کی فضیلت اور ان سے جنگ کرنے

والوں کی مذمت علماء اہل سنت اور اکابر

آئمہ امت کے نزدیک متفق علیہ ہے

یزید کے بارے میں سب سے بڑی شہادت

خود اُس کے گھروالوں کی موجود ہے

حقیقی بیٹے سے زیادہ باپ کے حالات

میں

میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے

سمارت منہ بیٹے جب تولد نہ ہوئے تو انہوں نے برسر منہ اپنے باپ یزید کے

میرے: اپنے حکومت سنبھالی تو وہ اس کی

اہل ہی نہ تھا اُس نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے نواسے سے نزاع کر لی

اُس کی عمر گھٹ گئی اور نسل ختم ہو گئی

اور پھر وہ اپنی قبر میں اپنے گناہوں

کی ذمہ داری لیکر دفن ہو گیا یہ کہہ کر

روئے لگے پھر کہنے لگے جو بات ہم

پر سب سے زیادہ گراں ہے وہ یہ ہے

کہ اس کا برا انجام اور برکت

ہمیں معلوم ہے (اور کیوں نہ ہو جبکہ)

یزید کے بارے میں اُس کے

بیٹے کی شہادت

سے اور کون واقف ہو سکتا ہے اور پھر بیٹا بھی وہ جو نہایت صالح ہو۔ اب دیکھئے

مسود بن یزید رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے باپ کے بارے میں کیا شہادت دیتے ہیں۔ یزید کے

سمارت منہ بیٹے جب تولد نہ ہوئے تو انہوں نے برسر منہ اپنے باپ یزید کے

بارے میں جو اظہار خیال کیا وہ یہ ہے۔

قد اٰلہی الامر و کان غیوا ھلہ

و نازع ابن بنت رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم فقص عمرہ

و ائبر عقبہ و صار فی قبرہ

رھینا بذلویہ ثم بکی و قال ان

من اعظم الامور علینا علمنا

لبوع مصرعہ و بیس منقلبہ

و قد قد عاتق رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم و اباح الحنن

خرب الکعبۃ وکم اذق حلاوة
الخلافۃ فلا تقلدوا رثتها
فت نکم امرکم واللہ لئن کانت
الدنیا خیراً فقد نلنا منها حظاً
ولئن کانت شرّاً فکفی ذریۃ
ابی سفیان ما اصابوا منها
الصواعق المحرقة ص ۱۳۳ مطبوعہ

اس نے واقعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی عمرت کو قتل کیا، شراب کو مباح
کر دیا، بیت اللہ کو برباد کیا اور میں
نے خلافت کی حلاوت میں ہی نہیں چکی
تو اس کی تلخیوں کو کیوں جھیلوں؟
اس لیے اب تم جانو اور تمہارا کام
خدا کی قسم اگر دنیا خیر ہے تو ہم اس کا بڑا
حسد حاصل کر چکے اور اگر شر ہے تو جو
کچھ ابوسفیان کی اولاد نے دنیا سے
کمالیادہ کائی ہے۔

اور یزید کے خاص الخائن شریک کار
اس کے برادر عمزاد بشرطیکہ استحقاق
زیاد صحیح ہو، عبید اللہ بن زیاد

یزید کے بارے میں ابن زیاد کی شہادت

کے الفاظ ملاحظہ ہوں جن کو امام ابن السنہ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ تعالیٰ نے بلند
ذیل نقل فرمایا ہے

حدثنا ابن حمید قال، حدثنا
جریر عن مزیرہ قال کتب یزید
إلی ابن مرجانہ أن اغز ابن
المزبیر فقال لا اجمہ بما للفاسق
ابن أقر ابن بنت رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم راغز والیت

یزید نے ابن مرجانہ (عبید اللہ بن زیاد)
کو لکھا کہ جا کر حضرت ابن زبیر رضی اللہ
تعالیٰ عنہما سے جنگ کرو تو ابن زیاد نے
کہا کہ میں اس ناسق (یزید) کی خاطر دونوں
برائیاں اپنے نامہ اعمال میں کبھی جمع نہیں
کر سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

قال وكانت مروجاً نه امرأة
صدق فقالت لعبيد الله حين
تلق الحسين عليه السلام هو يملك
ما ذا صنعت وما دام كعب
تاريخ غدير ج ۵ ص ۲۹۳-۲۹۴

مزید کافس اہل سنت کے نزدیک متفق علیہ ہے

کے فوائے قتل کر چکا اب خانہ کعبہ پر
چڑھائی کر دوں وغیرہ کا بیان ہے کہ
مروجانہ اس کی ماں بھلی عورت تھی جب
عبد اللہ نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو
قتل کیا تھا تو اس نے اسی سے کہا تھا کہ تجھ
پر انہوں نے تو نے یہ کیا کیا اور کیا کر ڈالا
اکیسے علماء اہل سنت والجماعہ میں
جو حضرات اکابر بنی ہاشمیہ علیہم السلام
لیکن یا اس کی تکفیر و تفسیق کرتے ہیں وہ بالوجہ نہیں کرتے۔ یہ کہ کافس تمام اہل سنت
کے نزدیک متفق علیہ ہے اس بارے میں دورائے نہیں ہیں اور کسی نامی کی بات اس
سلسلہ میں درخور اعتنا نہیں البتہ اس کی تکفیر کے بارے میں اہل سنت میں اختلاف
ہے امام احمد بن حنبلہ رحمہ اللہ نے یہ کیا خوب لکھا ہے۔

واما يزيد بن معاوية كان
ظالماً ولكن هلك عن كافر
تلكم الناس فيه بعضهم كفروا
لما حكي عنه من اسباب
الكفر وبعضهم لم يكفروا
قالوا لم يصح منه تلك
الاسباب ولا حاجة باحد الى
معرفة ذلك فان الله تعالى
غنا عن ذلك والامر الدين ص ۱۹۰

سے مستغنی فرما دیا۔

طبع مصر

بہر حال اگرچہ احتیاط اسی میں ہے کہ حتی الوسع اس کی تکفیر سے گریز کیا جائے مگر بہر
صورت اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں جس کو علامہ ابن حجر مکی نے "المواعظ المحرقة"
میں بصراحت لکھا ہے کہ

دعی القول بانہ مسلم فہو فاسق
شریر سکیو جائس (۱۳۳)
اور اسی کو مسلمان کہنے کے باوجود اس حقیقت
ہے کہ رد نامی تھا شریر تھا نشہ کا
مترالا تھا فاسق تھا۔

یزید کی حمایت میں سرگرم ہو کر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا استخفاف کرنا ان
کی شہادت کی اہمیت کو نظر انداز کرنا اور اس کی وقعت گھرانہ ایسی بیہودہ حرکت ہے
کہ ان کی قبیلہ بھی مذمت کی جائے کم ہے

شہادت حسینؑ پر حضور علیہ السلام کا قلق

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
حضرت جبریل علیہ السلام اور ملک القطر

ابارش کافر شہ کے زریہ اپنی حیات مبارکہ ہی میں ہو چکی تھی جس سے آپ کو سخت
ربخ واضطراب ہوا تھا اور بعد وفات بھی حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت
پر آپ کے ربخ و قلق اور سخت پریشانی واضطراب کا ذکر احادیث میں وارد ہے
چنانچہ

عن ام الفضل بنت الحارث
نہا دخلت علی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ
انہ زیت حلماً منکراً للیلۃ

حضرت ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ
تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں
حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے

قال وما هو؟ قالت: قالت: انه شديد
 قال وما هو؟ قالت: رأيت
 كأن تطفة من حبلك قطعت
 ووضعت في حجرى فقال رسول
 الله صلى الله عليه وسلم: رأيت
 خيراً تلدنا طمة ان شاء الله
 غلاماً ما يكون في حجرى فولدت
 فاطمة الحسين فكان في حجرى
 كما قال رسول الله صلى الله
 عليه وسلم: فدخلت يوماً
 على رسول الله صلى الله عليه وسلم
 فوضعت في حجرى ثم كانت منى
 التفتة فاذا عينا رسول الله
 صلى الله عليه وسلم تهرقان الدموع
 قالت: فقلت: يا نبى الله باجى انت و
 اتى مالك قال: اتانى جبريل عليه
 السلام فاخبرنى ان اسنى ستقتد
 اسنى هذا فقلت: هذا قال نعم
 اتانى بترية من تربته حواء

آج رات ایک بر خراب دیکھا ہے آپ
 فرمایا کیا؟ عرض کیا بہت ہی سخت ہے
 بیان سے باہر ہے آپ نے پھر فرمایا کیا
 دیکھا ہے؟ عرض کیا میں نے دیکھا کہ
 گویا کہ آپ کے جسم اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ
 کر میری گود میں ڈال دیا گیا ہے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
 تم نے تو بہت اچھا خواب دیکھا ہے
 اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ناطہ کے ٹکڑا پیدا
 ہو گا اردو بچہ تمہاری گود میں ہے گا
 (چنانچہ ایسا ہی ہوا) حضرت ناطہ رحمہ کے سیاہ
 مہذب حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت
 ہوئی اردو جیسا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
 نے ارشاد فرمایا تھا میری گود میں آئے
 پھر ایک روز میں ان کو کید آفقت سے ملے اللہ
 علیہ السلام کی فائزیت مبارک میں حاضر ہوئے
 اور ان کو آپ کی اخوت میں سے دیا گیا
 نبی میری توجہ فراموش کر کے اپنے سر کی طرف
 ہوتا تو کیا دیکھتا ہوں؟ رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم کی چشم مبارک سے آنسو نکل
 نہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے

باپ آپ پر شمار آپ کو کیا ہو گیا فرمایا

جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے

انہوں نے مجھے بتایا کہ میری امت میرے

اس بیٹے کو غصہ میں قتل کر دیگی میں نے

عرصہ کیا ان کو فرمایا ہاں! اور مجھے ان کے

قتل کی سرخ ریت بھی لا کر دی ہے

واقعہ رہے کہ حضرت ام الفضل رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کی اہلیہ محترمہ اندر طبری قدیم الاسلام صحابیہ میں صاحب شکوۃ نے "اسلام" رجال شکوۃ میں لکھا

ہے کہ حضرت ام الرضین خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد یہ مشرف اسلام ہو گئی تھیں

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

روایت ہے کہ میں نے ایک روز وہ پیر کے

دست خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو

اس حالت میں دیکھا کہ بال بکھرے ہوئے ہیں

چہرہ مبارک غبار آلود ہے اور آپ کے

دست مبارک میں ایک شیشہ کی بوتل ہے

جس میں خون بھرا ہوا ہے میں نے عرض کیا

میرے ماں باپ آپ پر نڈا ہوں یہ کیا

حالت ہے؟ یہ بوتل کیسی ہے، فرمایا

یہ حسین اور ان کے نفاذ خون سے جس کو آج

دن نکلتے سے سمیٹ رہا ہوں ابھی وہ اس کو دہرائی

ہے کہ اس دن کے میں اب تک نڈا ہوں

وَعَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ أَنَّهُ قَالَ

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

فِي مَابِزِي النَّائِمِ ذَاتَ يَوْمٍ

بِنِصْفِ النَّهَارِ اشْتَأْغَبَ

بِيَدِهِ قَارُورَةً نِيْهَادِمَ فَقُلْتُ

يَا بِي أَنْتَ ذَاتُ مَا هَذَا؟

قَالَ هَذَا دَمُ الْحَيَيْنِ وَاصْحَابِهِ

وَلَمْ أُنْزَلِ الثَّقَلُ مِنْذُ الْيَوْمِ

فَإِذَا هِيَ ذَلِكَ الْوَقْتُ فَتَأْجِدُ

قَتْلَ ذَلِكَ الْوَقْتُ رَاهِمًا

الْبَيْتُ فِي رَأْسِ النَّبُوَّةِ وَاحِدًا

۱۱ خیر مشکوٰۃ ص ۵۷۲ ج ۲

یہ وہی وقت تھا جس وقت ان کو شہید کیا تھا
ام الفضل اور ابن عباس دونوں کی روایتوں
کو سبقت دینے والا اہل النبوة میں روایت کیا ہے
اور امام احمد نے اپنی سند میں اخیر کی روایت
نقل کی ہے۔

اور حضرت سلمیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان
کرتی ہیں کہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہؓ
کی خدمت میں حاضر ہوئی تو دیکھا وہ
رو رہی تھیں میں نے عرض کیا آپ کیوں
ردتی ہیں۔ فرمائی لگیں۔ میں نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں اس حالت
میں دیکھا ہے کہ آپ کی ریش اور سر مبارک
پر خاک پڑی ہوئی تھی میں نے عرض کیا
یا رسول اللہ آپ کو کیا ہو گیا فرمایا ابھی
ابھی حسین کو قتل ہوتے دیکھا ہے اس
روایت کو امام ترمذی نے اپنی جامع میں
نقل کیا ہے۔

رعن سلمی قالت دخلت علی
ام سلمة وهي تبكي فقلت ما
یکبیک؟ قالت رأیت رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
تغفو فی المنام وعلی رأسہ
ولحیتہ التراب فقلت
مالک یا رسول اللہ؟
قال شهدت قتل الحسین
أنفا۔ رواہ الترمذی و
قال هذا حدیث عزیز
مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۷۰۔

اب غور فرمائیں کہ احادیث کیا بتاتی ہیں مگر یہ ناہنجی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
شہادت پر خوش اور مسرور ہیں اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر طنز و طعن
اور ان کا استغناء ان کا شیوہ ہے۔

شہادتِ حسینؑ کے بارے میں ابن تیمیہ کا بیان

حافظ ابن تیمیہ نے خوب
لکھا ہے کہ

والحسین رضی اللہ عنہ اکرّمہ
اللہ تعالیٰ بالشہادۃ فی هذا
اليوم و اهان بذلک من
قتلہ او اعان علی قتلیہ او
رضی بقتلیہ و لہ اسوۃ
حسنۃ من سبقہ من الشہداء
فانہ و اخوہ سید شباب
اہل الجنۃ و کان قد تربی
فی عز الاسلام لم یزال من
المہجرۃ و الجہاد و الصبر علی
الازی فی اللہ ما نالہ اهل
بیتہ فاکرمہم اللہ تعالیٰ
بشہادۃ تکیّد بکرمہما و
رفعاً لدرجتهما و قتلہ مصیبتہ
عظیمہ۔

(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱ ص ۵۱۳)
(مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حق
تعالیٰ نے اس دن شہادت سے معزز و مکرم
فرمایا اور اس لیے جس نے بھی ان کو قتل
کیا یا ان کے قتل میں اعانت کی یا ان کے
قتل سے راضی ہوا اس کی امانت فرمائی
حضرت تو اگلے شہداء کا اچھا نمونہ تھے
کیونکہ بلاشبہ حضرت حسین اور ان کے بھائی
حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں
جو انان جنت کے سرور ہیں ان دونوں
حضرات کی نشوونما چونکہ اس عہد میں
ہوئی تھی جبکہ اسلام کا غلبہ تھا اس لیے
در سرے بزرگان اہل بیت کی طرح ان
دونوں کو ہجرت جہاد اور راہ خدا میں
ازیت پر سیرکارہ موقع نہ مل سکا جو ان حضرات
کی ملا تھا لہذا حق تعالیٰ نے ان دونوں
حضرات کی مرتبہ شہادت پر فائز نہ کر معزز
فرمایا تاکہ ان کے اعزاز و تکریم کی تکمیل ہو اور
ان کے درجہ بلند ہو جائیں حضرت حسین

کی شماعت بڑی عظیم مصیبت ہے۔

حضرت حسین سے حضور علیہ السلام کا محبت کرنا اور خلفاء ثلاثہ کا ان کا احترام کرنا

یہ نام ہی حضرت حسین
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیا
قدر کر سکتے ہیں ان کی

قدر تو حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے دل سے کوئی پوچھے جانظاہر بن کر تشریف
البدایہ والہنایہ میں فرماتے ہیں۔

وقد ادرک الحسین من حیاة النبی
صلی اللہ علیہ وسلم خمس سنین
ادخلہ ہاروی عند احادیث
..... وسند کو

ما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم یمسک من صاحبہ ما کان
ینہو بحبہما والحنو علیہما
والانصود ان الحسین عامر رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصحبہ
الی ان توفی ذہو عنہما اضر ولكنه
کان صغیراً ثم کان الصدیق
مکرمہما لیطمہ وکذا لک
عمر عثمان وصحب ابابکر وری
عنہ وکان معہما فی مغازیہ
کانہما فی الجند وبنین وکان

حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے پانچ
سال یا اس کے لگ بھگ پانچ ارہاب
سے حدیثیں روایت کیں اور ہم غرض
ذکر کریں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ان دونوں بھائیوں کی کسی طرح عزت
انزال فرمایا کرتے تھے اور ان دونوں کے
باسے میں کسی قدر محبت و شفقت کا اظہار
فرماتے تھے اور مقصود تو یہ بتانا ہے کہ
حضرت حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کا زمانہ مبارک پایا تھا اور ذات
بنوی تک آپ کی صحبت اٹھائی تھی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس
جہان نانی سے جدت فرمائی تو اس وقت
ایک حدیث میں فرماتا ہے کہ میں نے اپنے
چچا کو دیکھا کہ وہ اپنے چچا کو دیکھ کر

مَعْلَمًا مَوْقِرًا وَلَمْ يَزَلْ فِي
طَاعَةِ أَبِيهِ حَتَّى قَتَلَ

(ج ۸ ص ۱۵۰)

صدیق اکبرؓ اور اسی طرح حضرت عمر
رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی
ان کا اکرام و تعظیم فرماتے رہے حضرت
حسینؓ برابر اپنے والد بزرگوار کے ساتھ
رہے ان سے حدیثیں بھی روایت کیں اور تمام
غزوات حیدر کی میں جن میں جملہ صحفین
بھی شامل ہیں حضرت علیؓ کے ساتھ
جہاد میں شریک رہے ہیں یہ ہر زمانے میں
معلم و موقر تھے اور برابر اپنے والدؓ
کی اطاعت میں سرگرم رہے تا آنکہ شہر
علیؓ گرم اللہ وجہہ نے شہادت پائی۔

اس لئے یزید کو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقابلہ میں رقت و یاس نہ رہے
گستاخی و خیرہ شہیں ہے۔ اور اپنے ایمان کو برابر کرنا ہے اللہ تعالیٰ اہل سنت کو اس
نکتہ سے محفوظ رکھے۔ آمین

یاور ہے یزید کی مذمت میں کثرت حدیثیں وارد ہیں لہذا میں صراحت کے
ساتھ اس کا نام لیکر مذمت آئی ہے اور بعض میں اس کے بعد نحوست مہلک نشاندہی
کی گئی ہے اور بعض میں اس کی حرکات تشبیہ پر نکیر ہے اور بعض میں اس کے افعال تبیحہ
پر لعنت کی تصریح ہے ان میں سے بعض حدیثوں کا ذکر سابق میں ہو چکا ہے۔ ان
احادیث کی تفصیل ہم ان شاء اللہ مستقل رسالہ میں نام نہ کریں گے واللہ الموفق
اور یہ جو مستفتی نے لکھا ہے کہ اسی

مفتی محمد شفیع صاحب کی طرف
فتویٰ کا انتساب مشکوک ہے

استفتاء کا جواب مذکورہ بالا امور کی
تائید میں ۳۱ محرم ۱۳۱۵ھ میں

دارالعلوم کراچی سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کی ماتحتی میں دیا جا چکا ہے
کیا یہ صحیح ہے۔

تر الحمد للہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا دارالعلوم بھی موجود ہے اردو ہاں
کا دارالافتاء بھی وہاں سے دریافت کیا جاسکتا ہے ہم تو سمجھتے ہیں کہ ان باوجود
مذکورہ کی تائید و تصدیق حضرت مفتی صاحب مرحوم کے قلم سے ہرگز نہیں ہو سکتی
حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کا رسالہ شہید کر بلا کہیں چھپا نہیں چھپا
اگر موجود ہے پڑھ کر دیکھ لیجئے اس رسالہ کے مطالبہ سے ان سوالات کی تردید ہوتی
ہے یا تائید؟

بہر حال مفتی صاحب کا انتساب
علماء دیوبند کی طرف ہے وہ وطناً
”لہذا شرباً مسلکاً دیوبندی ہی“

**مرزید کے بارے میں مفتی صاحب
کے اکابر کی تصریحات**

ان اکابر علماء دیوبند جن حضرات علماء کی طرف انتساب میں فخر محسوس کرتے ہیں۔
ان میں شیخ اجل عبدالحق محدث دہلوی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ان کے خلفاء
شاہ عبدالعزیز صاحب محدث کی تصریحات یزید کے بارے میں ان اوراق میں ناظرین کی
انظر سے گزر چکی ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانی، شیخ عبدالحق محدث
دہلوی کے ماسر اور شاہ ولی اللہ اور شاہ
عبدالعزیز کے اکابر میں ہیں۔ یزید کے بارے

**معزز یزید کے بارے میں
محدث الف ثانی کی تصریحات**

ہاں ان کے مکتوبات شریف میں جو کچھ مرقوم ہے وہ یہ ہے۔

یزید بد نصیب ناسقون کے گروہ میں
شامل ہے اس پر لعنت کرنے میں توقف

یہ بے دولت از زمرہ فتنہ است
تہ نفس در لعنت ادبنا بر اصل مقررہ

اہل سنت است کہ شخص معین را اگر چہ
کافر باشد تجویز لعنت نکردہ اند مگر اسکے
بقین معلوم کنند کہ ختم اور بر کفر لوہہ کا پی
لب لب الہی نہیں را مگر نہ آنکہ اور ثبایان
لعنت نیست ان الذین یؤذون
اللہ ورسولہ لعنہم اللہ فی
الدنیاء لاخرۃ ودفتر اول
مکتوب ۲۵۱ حصہ چہارم
ص ۶۰ طبع مطبع محمدی امرتسر
(۱۳۲۹ھ)

اہل سنت کے اس قاعدہ کی بنا پر ہے کہ
کسی شخص معین پر اگر چہ وہ کافر ہی کیوں
نہ ہو لعنت تجویز نہیں کیا کرتے الّا یہ کہ
بالیقین یہ معلوم ہو جائے کہ اس شخص کا خاتمہ
کفر پر ہو رہا ہے جیسا کہ ابو لہب جنہیں اور
اس کی بیوی تھی، یزید پر لعنت کرنے سے
توقف کا مطلب یہ نہیں کہ رہے تھے لعنت
نہیں ارشاد باری ہے کہ بے شک جو لوگ
اللہ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان
پر اللہ نے دنیا میں بھی لعنت کی اور
آخرت میں بھی۔

کثریات کے ایک روح کے نسخے میں از زمرہ فقہ کی بجائے "از مردہ فقہ" کے
الفاظ ہیں جس کے معنی ہوئے "یزید سرکش فاسقوں میں سے ہے اور اسکی کثریات میں سائل
کے اس جواب میں کہ

اگر وہ جس کے بارے میں سوال کیا جا رہا
ہے مستحق لعنت ہے۔

اگر مستحق لعنت است (الخ)

(ص ۸۱)

فرماتے ہیں۔

اگر یہ بات یزید کے بارے میں کہی
جائی تو اس کی گنجائش تھی۔

اگر اس شخص در باب یزید می گفت گنجائش
داشت

اور دفتر اول کے مکتوب ۲۶۶ میں فرماتے ہیں۔

یہ نفیلت شخصین کا منکر یزید بدلیغ کا

این منکر قبرین یزید بے دولت

است کہ بواسطہ احتیاط در لعن او توقف
کرده اند ایذا یکہ بحضرت پیغمبر از
راہ ایذا خلفائے راشدین اور سرور
رنگ ایذائے است کہ از راہ ایذائے
امین بارزہ علیہ علیہم الصلوٰۃ و
السلامات (جہدہ چہارم ص ۱۳۰)

سناکتی ہے کہ احتیاط کے خیال سے اس پر
لعنت کرنے سے رکتے ہیں حضرت پیغمبر
اور جو ایذا آپ کے خلفائے راشدین کی ایذا
رسانی کے سبب ہوئی ہے وہ اسی رنگ
کی ایذا ہے کہ جو حضرات امین حسین
کی ایذا رسانی کی بنا پر آپ کو ہوتی ہے
علیہ علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور علامہ سحر العلوم لکھنوی علیہ الرحمہ
نوائج الرحمۃ تشریح سلم البشیرت میں ارشاد
فرماتے ہیں۔

بحر العلوم کی تصدیق مزید کے بارے میں

و یزید ابنہ مع اللہ کان
من اجنب الفساق و کان بعیدا
بمراحل من الامامة بل الشک
فی ایمانہ خذله اللہ تعالیٰ
والصنیعات التي صنعها مردنة
من انواع الجنائت (ج ۲ - ص
۲۲۳ طبع مصر ۱۳۲۲ھ)

اردان کا بیٹا یزید اگرچہ ناسقوں میں بڑا
اجنب تھا اور منصب خلافت سے کما حقہ
(کوسوں) دور تھا بلکہ اس کے تو ایمان
میں بھی شک ہے اللہ تعالیٰ اس کا بھلا
نہ کرے اور جو طرح طرح کی جنیت حرکتیں
اس نے کی ہیں سب جانی پہچانی ہیں

اور حضرت سید احمد صاحب شہید بریلویؒ کی اپنے مکتوبات میں فرماتے ہیں

رفیق من از جزو حسین بن علی است و
رفیق مخالف من از زمرہ یزید شقی

میرا رفیق حضرت حسین بن علیؑ کی سپاہ
میں داخل ہے اور میرے مخالف کا رفیق

لاحظہ فرماتے مکتوبات سید احمد ص ۱۴۹ شائع کردہ کتب خانہ رشیدیہ لاہور

یزید شقی کے زمرہ میں

اور پھر گے چل کر لکھتے ہیں۔

بلاشبہ ہمارا شریک یا غازی ہے یا شہید

بلاشبہ شریک یا غازی است یا شہید

اور ہمارا مقابل ابو جہل ہے یا یزید

و مقابل مایان ابو جہل است یا یزید

ورق ۱۵۱

ہندوستان کے اکابر علماء جب یزید کا نام لیتے ہیں تو اس کے نام کے ساتھ لپیٹ کا لفظ

بڑھادیتے ہیں۔ یا یوں لکھتے ہیں۔ یزید علیہ ماہر المہ تیسیر القاری ج ۶ ص: ۲۹۹ یا

یزید علیہ المستحقہ (تیسیر القاری ج ۲ ص ۱۵۶) اور یزید بن معاویہ علیہ من اللہ المستحقہ

راتح العوس مارہ قرع یعنی یزید کے لیے رحمت اللہ علیہ کی بجائے یوں لکھا کرتے ہیں۔ کہ یزید جس

معاملہ کا مستحق ہے اس کے ساتھ یہی معاملہ ہو۔

اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے مرشد اور شیخ مولانا اشرف علی تھانوی کے

فتاویٰ یزید کے بارے میں امداد الفتاویٰ میں طبع شد موجود ہیں ان کو دیکھ لیا

جائے یہ یزید کہ فاسق ہی بتاتے ہیں کہ

مطبوعہ استفتاء رجو "بشارت مغفرت کے

امین حضرت یزید بن معاویہ سے متعلق ایک

غیر مقلد مفتیوں کے فتویٰ کی تنقیح

اہم استفتاء اور اس کا جواب" کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں مفتی محمد شفیع صاحب

مرحوم کے فتویٰ کے بعد غیر مقلدین کے دو مفتیوں کا فتویٰ بھی یزید کے بارے

میں ان الفاظ میں درج ہے۔

انہ ان دونوں حوالوں کے بارے میں ہم مولانا سید نعل شاہ بخاری عم فیضیہم کے منون ہیں۔

ملاحظہ ہوا امداد الفتاویٰ ج ۴ ص ۶۵

”الجواب۔ امیر یزید علیہ الرحمۃ کے متعلق علاوہ تاریخی حوالجات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکور در سوال میں طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے۔ جبکہ اس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو پیشگوئی میں اس کو مغفور فرمائیں یہ کافر فاسق و فاجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے۔ ایسے خیالات و نظریات بابت یزید علیہ الرحمۃ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی ممانعت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب“

مفتیان بالاکلایہ صحیح ہے

ابوالفضل عبدالرحمن

۶۳۱/۶۵

مولانا

محمد یوسف خاں

مفتی پاکستان کراچی

کلکتہ والے

نواب صدیق حسن خاں کا فیصلہ یزید کے بارے میں

”صحیح بخاری“ کی حدیث

پر تو تفصیلی بحث گزر چکی اور ان دونوں مفتیوں کا غیر مقلدین میں جو مقام ہے وہ جائیں، ہندوستان میں نواب صدیق حسن خاں صاحب مرحوم سے بڑھ کر اہل حدیث میں کوئی کثیر التصانیف نہیں گزرا۔ ان کا جو فیصلہ یزید کے بارے میں ہے وہ ہم اُن کی کتاب ”بغیۃ المرائد فی شرح العقائد“ سے جو ”عقائد نسفیہ“ کی شرح ہے پیش کئے دیتے ہیں۔ اور چونکہ اس کتاب کا آملق علم عقائد سے اس لئے اہل حدیث حضرات کو یزید کے بارے میں جو عقیدہ رکھنا چاہئے

نواب صاحب اسی کو بیان کر رہے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں۔

و بعضے براہ غلو و افراط در شان
وے روئے و گویند امارت اور باتفاق
مسلمانان شد و طاعت وے بر
امام حسین رضی اللہ عنہ واجب بود،
و بچدا پناہ از یں قول و اعتقاد کہ
وے با وجود امام حسین امام و
امیر شود، و اتفاق مسلمانان
کیا است، جمعے از صحابہ اولاد
ایشان کہ در زمان آل پلید
بودند انکارش کردند و از طاعت
او بیرون رفتند۔ و بعضے از
اہل مدینہ بعد دریافت حال خلع
بیعت کردند،

اور بعض لوگ برید کے بارے میں غلو و افراط
کا راستہ اختیار کر کے کہتے ہیں کہ اس کو تو مسلمانوں
نے بالاتفاق امیر بنایا تھا لہذا اس کی اطاعت
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر واجب تھی۔ اس بات کے
زبان سے نکالنے اور اس پر اعتقاد رکھنے سے اللہ
کی پناہ کہ وہ امام حسین کے ہوتے ہوئے امام اور امیر ہو اور
مسلمانوں کا اتفاق کیسا۔ صحابہ کی ایک جماعت اور
ان کی اولاد کہ جو اس پلید کے زمانہ میں تھی ان
سب نے اس کا انکار کیا اور اس کی اطاعت سے
باہر ہو گئے۔ اور اہل مدینہ کے بعض حضرات
کو جب اس کے حال کا پتہ چلا
تو انہوں نے اس کی بیعت
توڑ ڈالی۔

وے تارک صلوٰۃ و شارب
خمر و زانی و فاسق و مستحل محارم بود
و بعضے بر وے اطلاق لعن کردہ
مش امام احمد و امثال ایشان
و ابن جوزی لعن وے از سلف
نقل نموده کہ یہ کہ وے وقت
امر بقتل حسین کافر شد و کہے کہ قتل

اور وہ تو تارک صلوٰۃ، شراب خوار،
زانی، فاسق اور محرمات کا حلال کرنے والا
تھا۔ اور بعض علماء جیسے کہ امام احمد اور
ان جیسے دو سر بزرگ ہیں اس پر لعنت کو رد کرتے ہیں
حافظ ابن جوزی نے سلف کے اس پر لعنت کرنے کو نقل
کیا، کیونکہ جس وقت اس حضرت حسینؑ کے قتل کا حکم دیا
وہ کافر ہو گیا اور جس نے بھی حضرت محمدؐ کو قتل کیا

وے کر دیا امر بدان نمود بر جواز
لعن مے اتفاق کردہ اند تفتازانی
گفتہ حق آنست کہ رضائے بقتل
حسین و استیشار مے بدان و
اہانت نمودن اہل بیت متواتر
المعنی است اگرچہ تفصیلش احاد
باشد فمحقق لا یتوقف فی شانہ
بل فی ایمانہ لحنۃ اللہ علیہ
و علی انصارہ و اعداۃ انھی
و بالجمہ و مے مبعوض ترین مردم
است نزد اکثر مردم و کار ہائے
کہ آن بے سعادت درین امت
کردہ از دست بیج کس ہرگز
نیساید۔

بعد قتل امام حسین لشکر

بتخریب مدینہ منورہ فرستاد و
بقیہ صحابہ و تابعین را امر بتاکل
کرد و بالحد و حریم مکہ قتل عبداللہ
بن الزبیر پر رداخت و ہم دریں
حالت ناپسندیدہ از دنیا رفتہ
دیگر احمقانی تو بہ و رجوع ادکی

یا آپ کے قتل کرنے کا حکم دیا اس پر لعنت کے جواز پر
اتفاق ہے۔ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے
کہ قتل حسین پر عینہ کی رضا مندی اور اس پر اس کا
خوش ہونا اور اہل بیت نبوی کی اہانت کرنا یہ متواتر
المعنی ہے گو اس کی تفصیلات کا ثبوت اخبار احاد
سے ہو لہذا ہم اس کے بارے میں تو کیا اس کے ایمان
کے بارے میں بھی توقف سے کام نہیں لیتے۔ اللہ
تعالیٰ کی اس پر بھی لعنت ہو اور اس بارے میں اس کے
اعوان و انصار پر بھی۔ (تفتازانی کا کلام بیان ختم ہو گیا)
بہر حال وہ اکثر لوگوں کے نزدیک انسانوں میں
سیکے زیادہ قابل نفرت ہے اور جو جویرے
کام اس منحوس نے اس امت کے اندر کئے
ہیں وہ ہرگز کسی کے ہاتھوں نہیں ہو سکتے۔

امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کرنے کے بعد اس
مدینہ منورہ کی تخریب کے لشکر بھیجا اور جو صحابہ و تابعین
وہاں باقی رہ گئے تھے ان کو قتل کرنے کا حکم دیا اور پھر
حریم مکہ کی عزت کو پامال کرنے اور حضرت عبداللہ
بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قتل کرنے کے درپے
ہو گیا۔ اور اسی ناپسندیدہ حالت میں دنیا
سے چل بسا اب اس کے توبہ کرنے اور باز آنے کا

است رص ۶ طبع مطبع علوی لکھنؤ احتمال ہی کہاں رہا۔

مسئلہ ۴

علامہ مقبلی کی رائے یزید کے بارے میں

اور علامہ صالح بن مہدی مقبلی کو کیا فی نزہل مکہ جن کے مجتہد ہونے کی قاضی شوکانی نے "البدرا الطالع" میں تصریح کی ہے اپنی کتاب "العلم الشائع فی تفضیل الحق علی الآبار والمشاخ" میں رقمطراز ہیں۔

وا عجب من ذلك من
یحسن لیرید المرید الذی
فعل بخیار الامۃ ما فعل ،
وهتک مدینۃ الرسول
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
ودتل الحسین السبط و
اہل بیتہ و هتکھرو فعل
مالواستمكن من مثل فعلہ
عدوهم من النصاری ما
کان ارفق منه
اور اس سے بھی عجیب وہ شخص ہے کہ جو یزید
مرید کو اپنا بنا کر پیش کرتا ہے۔ (یہ یزید وہی کو ہے)
جس نے بزرگان امت کے ساتھ ناگفتہ بہ معاملہ
کیا مدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو خاک
میں ملا یا سبط پیغمبر حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
اور ان کے اہل بیت کو شہید کیا اور ان کی بے عزتی
کی اور ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا کہ اگر دشمنان اسلام
نصاری کا بھی ان پر قابو چلا تو شاید ان کا برتاؤ بھی
ان حضرات کے ساتھ اس سے نرم
ہی ہوتا۔

ومن جملة المحسنين له
حجة الاسلام الغزالي ولكنه
في تصرفاته كلھا كحاطب
اور یزید کو اچھا بنا کر پیش کرنے والوں میں حجتہ
الاسلام غزالی بھی ہیں۔ لیکن وہ اپنی تمام کارگزاریوں
میں حاطب اللیل ررات کے اندھیرے میں

۱۔ مطلوبہ نسخہ میں المرید کے بجائے المرتد ہے۔ ۲۔ "مرید" کے معنی سرکش کے ہیں۔

لیل یجمع فی خطبہ الحیة
والعقرب ولا
یباری۔

و ما یھون صنع یرید
الاخذ دل ادرکتہ
الشقاوۃ فی مشارکتہ
بطوامہ المردیات فیاک
والتفریط والاضراط
ولکن الصبر عنہما کالقیض
علی الجھر سیما مع تراکوا الجھل
کرمنا ہذا "نسأل اللہ
العافیۃ والسلامۃ آمین

ومن غریب الفقہ ما ذکرہ
ابن حجر الھیتمی فی صواعقہ
أنہ لا یجوز لعن یرید و ان
کان یجوز بالاجماع لعن من
شراب الخمر ومن قطع الاہرام
ومن هتک بدینۃ الرسول
صلی اللہ علیہ وسلم ومن قتل
الحسین اداہر بقتلہ اور رضی
بقتلہ۔ قال واما یرید

لکڑیاں جمع کرنے والے کی طرح ہیں کہ جو اپنی
لکڑیوں میں سانپ کچھو بھی جمع کر لیتا ہے اور
اسے کچھ پتہ نہیں چلتا۔

اور یرید کی حرکت کو وہی معمولی سمجھے گا جو
توفیق الہی سے محروم ہو اور جس کو شقاوت نے
گھیر لیا ہو اس طرح وہ بھی اس کے ہلکے توتوں
میں اس کا شریک بن گیا۔ لہذا تمہیں تفریط و اقرام
سے بچنا چاہیے۔ لیکن اس سلسلہ میں صبر سے کام لینا
ایسا ہی ہے جیسے انگارے کو مٹھی میں پکڑ لینا۔ خصوصاً
جبکہ جہالت امڈی چلی آتی ہو جیسا کہ ہمارے
زمانہ میں ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت سداً
کے خواہاں ہیں۔ آمین

اور فقہ کا نزاع مسئلہ جس کو ابن حجر الھیتمی نے
اپنی کتاب "صواعق محرقة" میں بیان کیا ہے
یہ ہے کہ یرید پر لعنت کرنا جائز نہیں اگرچہ
بالبراع ایسے شخص پر لعنت کرنا جائز ہے جو
میخوار ہو اور جو قطع رحمی کا مرتکب ہو اور جو
بدینۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی حرمت کو پا پا کر
کرے۔ اور جو حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر
قائل ہو یا ان کے قتل کا حکم دے یا ان کے قتل
سے راضی ہو فرماتے ہیں لیکن خود یرید پر لعنت

بعینہ فلا دان کان قد فعل هذه
 الاشياء فهو فاسق قطعاً ونجس
 فی فقہہم نحو کلامہ اعنی اندک
 يجوز عن البعین فکی کلیتہ فیقال
 لہو قیاس الدلالة علی فقہک
 هذا ان لا یجد شارب الخمر
 المعین والزانی المعین المذنب
 ذلک فی جمیع احکام الشریعة لان
 الطریقتہ واحدة فطراح
 ایضاً منطقک لان هذا الشکی
 الزولی الضروری مخالفتموہ فاتی
 برہان یقام بعدہ وصورئکہ :
 هذا ایضاً شارب الخمر
 الخمر وشارب الخمر
 ملعون هذا ایضاً
 ملعون

کر سکتے اگرچہ اس نے ان تمام امور کا ارتکاب کیا تھا
 اور وہ قطعاً فاسق تھا اور جیسا کہ ان کا بیان ہے
 ایسا ہی یہ ان کی فقہ میں پاتے ہیں کہ کسی متعین شخص پر
 لعنت کو نازل روا نہیں یہ ان کا کلیہ ہے۔ تو ان کی حد
 میں عرض ہے کہ تہاری اس فقہ میں تو قیاس الدلائل
 کی بنا پر یوں ہونا چاہیے تھا کہ نہ کسی معین شرابخوار
 پر لعنت لگائی جاتی اور نہ کسی معین زانی پر اور اسی
 طرح اور سارے احکام شرعیہ میں بھی یہی ہونا چاہیے
 تھا۔ کیونکہ طریقہ تو ایک ہی ہے۔

اور اس صورت میں تمہاری منطق بھی ہوا میں اڑ گئی
 کیونکہ تو منطق کی اس شکل اول کی بھر جو یہی لائق
 ہے ممانعت کر رہے ہو لہذا اب اس بعد از کوئی دلیل
 تمہارے سامنے سمجھائی ہے کیونکہ قیاس کی شکل اول
 کی صورت یہ ہے (۱) یہ ہے یزید جس نے شراب پی ہے
 اور (۲) شراب کا پینے والا ملعون ہے۔ (۳) لہذا یہ
 یزید ملعون ہے۔

ولو قالوا ینبغی تحافی ذلک
 من باب قولہ صلی اللہ علیہ وسلم
 "لیس المؤمن باللعان لکون
 فیہ مندوحة للمتقین واللہ اعلم
 بالصواب"

ہاں اگر یہ حضرات یوں کہتے کہ لعنت کرنے سے اس لئے
 بچنا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد
 گرامی ہے "مومن لعنت کا ڈھیر نہیں لگایا کرتا"
 تو بیشک اس صورت میں اس تقویٰ کے لئے اس سے
 بچنے کی جائز ہوئی، واللہ اعلم

اب لو اب صدیق حسن خاں اور علامہ مقبلی کے مقابلہ میں ان دونوں نام ہنادیجی
معروف مفتیوں کے فتویٰ کی جو وقعت ہو سکتی۔ یہ ظاہر ہے۔
یزید کی طہارت و مغفرت کی بحث | اور صحیح بخاری کی اس حدیث کے بارے
میں جو استنات اور میں مذکور ہے ان غیر مستند مفتیوں کا یہ کہنا کہ

”حدیث مذکور در سوال بین طور بہ یزید کی طہارت اور مغفرت پر
والی ہے، پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں؟“
اور پھر کمر اس بات پر زور دینا اور یہ کہے جانا کہ
”رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو پیش گوئی میں اس کو مغفور
فرمائیں۔“

اور اسی طرح مولوی محمد صابر نائب مفتی کا یہ نگھٹنا کہ
”امیر یزید ... از روئے حدیث بخاری شریف مغفور نہیں
داخل ہیں۔“

محسن غلط ہے۔ اگر یہ لوگ نہ تحقیق کرتے یا محققین اہل علم سے دریافت کرتے تو ہرگز ایسی
شدائے ظلمی میں مبتلا نہ ہوتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بلا تحقیق ایک غلط
بات کو منسوب کرنے کا گناہ اپنے سر نہ لیتے۔

غور فرمائیے ”صحیح بخاری“ کی جو حدیث استفتاء میں درج ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اول میری امت کا پہلا لشکر جو شہر قیصر پر جنگ
جیش مزامنی بغزوت مدینہ قیصر کرے گا اس کی بخشش کر دی گئی ہے۔
مغفور لہم۔

اس کے بارے میں پہلے سوال کے جواب میں لکھیں سے یہ بحث گزرتی چکی ہے کہ

یزید کی نیت جہاد کی تھی ہی نہیں وہ تو زبردستی باپ کے دباؤ کی وجہ سے غازیانِ روم میں شامل ہو گیا تھا ورنہ اسے جہاد کفار سے کیا سروکار۔ آپ یہ بھی پڑھ چکے ہیں کہ یزید نے جیسے ہی تختِ حکومت پر قدم رکھا اپنی چلی ہی تقریر میں بحری اور

سرمائی جہاد کی معطلی کا اعلان کیا۔

یزید کا جزیرہ رودس اور جزیرہ اروداد سے مجاہدین کو واپس بلا لینا

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں ۳۵ھ میں جزیرہ رودس فتح ہوا اور

وہاں مسلمانوں کی فوجی چھاؤنی قائم کر دی گئی۔ اس چھاؤنی کی وجہ سے بحرِ روم میں عیسائی فوجوں کی نقل و حرکت خطرہ میں پڑ گئی تھی، امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان مجاہدین اسلام کا بڑا خیال رکھتے تھے اور ہر وقت ان کی مدد پر کمر بستہ رہتے تھے مگر ان کے نالائق بیٹے نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان مجاہدین کو اس جزیرہ سے منتقلی کے نوری احکام بھیجے آخر وہ بیچارے پیچھے سے رستہ اور کمک کے منقطع ہو جانے کے ڈر سے شاہی حکم کے مطابق رودس کو خالی کر کے اپنی زمین جاںکد، کھیت اور باغات کو خیر باد کہہ کر بادلِ ناخواستہ وہاں سے چلے آئے اور یوں بغیر لڑے بھڑے مفت میں یہ مسلمانوں کا مفتوحہ جزیرہ نصاریٰ کے ہاتھ آ گیا۔

اسی طرح ۳۵ھ بحری میں مسلمانوں نے قسطنطنیہ کے قریب جزیرہ "اروداد" فتح کیا تھا وہاں بھی مسلمان سات سال تک قابض رہے مگر یزید کو وہاں بھی مسلمانوں کا قبضہ ایک آنکھ نہ بھایا اور اپنے دورِ حکومت کے پہلے ہی سال میں مسلمانوں کو وہاں سے واپسی کا حکم دے کر بلوا لیا۔

ظاہر ہے کہ جب یزید نے بحری جنگ بند کر دی تھی تو وہ ان دونوں جزیروں پر

۱۔ ملاحظہ ہو البدایہ والنہایہ از ابن کثیر بسلسلہ واقعات و حوادث ۳۵ھ بحری۔

۲۔ تاریخ طبری بضمن واقعات ۳۵ھ بحری۔

اپنا قبضہ کیسے برقرار رکھ سکتا تھا۔

اس امر پر بھی بحث ہو چکی ہے کہ اس حدیث میں مغفرت سے ”مغفرت عام“ مراد نہیں ہے۔ کہ سارے اگلے پچھلے گناہوں کی معافی کا پروانہ مل گیا ہو، بلکہ تمام اعمال صالحہ میں جہاں مغفرت کا ذکر آتا ہے وہاں بالاتفاق سابقہ گناہوں کی مغفرت مراد ہوتی ہے اور وہ بھی عام طور پر صغائر کی مغفرت، کبائر کے لئے توبہ کی قسرت ہے۔ بغیر توبہ کے معافی لازمی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ کی مشیت پر معاملہ موقوف رہتا ہے کہ وہ رب کریم چاہے تو اپنے فضل سے معاف کر دے اور چاہے تو ازراہ عدل اس گناہ کی پاداش میں عذاب فرمائے۔

”مدینہ قیصر“ سے کیا مراد ہے | اس حدیث میں ”مدینہ قیصر“ کے جو الفاظ ہیں وہ بھی غور طلب ہیں۔ ”مدینہ قیصر“ یعنی شہر قیصر کی تعیین کسی حدیث میں مذکور نہیں کہ اس شہر سے کونسا شہر مراد ہے۔ اس لئے اس کی تعیین میں تین شہروں کا نام لیا جا سکتا ہے۔

(۱) ”مدینہ قیصر“ سے مراد وہ شہر ہے جہاں قیصر اس وقت مقیم تھا جبکہ زبان رسالت سے یہ الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ یعنی ”حمص“ جو کہ شام کا مشہور شہر ہے۔ اور جو یزید کی پیدائش سے بہت پہلے سلمہ ہجری میں عہد فاروقی ہی میں فتح ہو چکا تھا۔ چنانچہ سابق میں گزر چکا ہے کہ بعض علماء نے اس حدیث میں ”مدینہ قیصر“ سے ”حمص“ ہی کو مراد لیا ہے۔

(۲) شہر ”رومہ“ جو قدیم زمانہ سے قیصرہ روم کا دارالسلطنت چلا آ رہا تھا۔ ”رومہ“ پر بھی اگرچہ مسلمان حملہ آور ہو چکے ہیں لیکن یہ حملہ یزید کی حیات میں نہیں ہوا ہے۔ بلکہ اس کے مرنے کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔

(۳) شہر ”قسطنطنیہ“ جو قسطنطین اعظم کا پایہ تخت تھا۔

حدیث ”مدینہ قیصر“ کا مصداق سلطان محمد فاتح | اب اگر ”مدینہ قیصر“ کو

قسطنطنینیہ کی قرارداد دینے پر اصرار ہے تو انصاف یہ ہے کہ اس بشارت تبویکی کا مصداق
 یزید ہے۔ نہیں بلکہ سلطان محمد فاتح قسطنطنینیہ علیہ الرحمۃ اور ان کی ٹوٹا فطر موج ہے۔
 وہ بجا ہدین اسلام ہیں جن کی شمشیر غار اشکات نے عیسائیت کے اس مرکز کو فتح کر کے
 اس کو قلمرو اسلامی میں داخل کیا۔ اور پھر د "بغداد" کے بعد صدیوں تک مسلمانوں
 کا دار الخلافہ رہا تا آنکہ مصطفیٰ کمال نے اپنی حراقت سے خلافت ہی کے سلسلہ کو
 ختم کر کے اعلان کر دیا جس کی وجہ سے مسلمانوں کی مرکزیت اور یک جہتی کھا
 شیرازہ منتشر ہو کر رہ گیا اور اب شاید امام مہدی کے آنے پر ہی خلافت کا دوبارہ
 قیام عمل میں آئے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جن احادیث میں کسی غزوہ پر بشارت آتی ہے اس میں
 عام طور پر فتح و کامرانی ہی مراد ہوتی ہے اس لئے اس حدیث کے صحیح مصداق
 اگر "مدینہ قیصر" سے "قسطنطنینیہ" ہی مراد لیا جائے تو فائزین قسطنطنینیہ ہی
 ہو سکتے ہیں۔ بھلا یزید اس بشارت کا مصداق کس طرح ہو سکتا ہے جبکہ وہ تو
 کریش کے ان شریر النفس لونڈوں میں سرفہرست ہے جن کے متعلق زبان رسالت
 سے پیش گوئی کی جا چکی ہے کہ امت کی تباہی ان کے ہاتھوں ہونی ہے۔

یزید قسطنطنینیہ کی پہلی مہم | یہ بات بھی خوب اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ
 میں شریک نہ تھا | حدیث میں اول حبش من امتی (میری امت کا

پہلا لشکر) کے الفاظ آئے ہیں اور یزید کے زیر کمان جو لشکر "قسطنطنینیہ" کی طرف
 روانہ ہوا تھا وہ "قسطنطنینیہ" پر حملہ آور ہونے والا پہلا لشکر قطعاً نہ تھا۔ بلکہ اس
 سے بہت پہلے اسلامی لشکر "قسطنطنینیہ" پر جا کر جبا و کر چکے تھے۔ یزید کس سلسلہ
 میں "قسطنطنینیہ" پر حملہ آور ہوا اس کے بارے میں اگرچہ مورخین کے بیانات مختلف
 ہیں لیکن سب سے پہلے کوئی مؤرخ اس واقعہ کو بیان نہیں کرتا۔ "امیدوار" کے

شیخ التاریخ محمود احمد عباسی کا بھی "خلافت معاویہ و یزید" میں یہی بیان ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"شکہ" میں حضرت معاویہؓ نے جہاد قسطنطنیہ کے لئے بڑی اور بھری حملوں کا انتظام کیا۔ بڑی فوج میں شامی عرب تھے، خصوصاً بنو کلب جو امیر یزید کا ناہنیا لی قبیلہ تھا۔ ان کے علاوہ تجازی و قریشی غازیوں کا بھی دستہ تھا۔ جس میں صحابہ کرام کی ایک جماعت شامل تھی۔ اس فوج کے امیر اور سپہ سالار امیر المؤمنین کے لائق فرزند امیر یزید تھے۔ یہی وہ پہلا اسلامی جیش ہے جس نے قسطنطنیہ پر جہاد کیا اسی اسلامی فوج کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت معفرت دی تھی" (ص ۳۷، طبع چہرہ رم)

اگرچہ خود بدولت نے بھی اسی کتاب میں (ص ۷۹ پر) امیر شکیب ارسلان کی کتاب "حاضر العالم الاسلامی" کی تعلیقات سے بحوالہ "طبقات ابن سعد" اس غزوہ کی تاریخ ۲۵ھ ہجری ہی نقل کی ہے۔ بہر حال شکہ ۷۵ھ سے پہلے قسطنطنیہ کی کسی مہم میں یزید کی شرکت ثابت نہیں ہے۔

اور کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ شکہ ۵ھ ہجری سے بہت پہلے غازیان اسلام قسطنطنیہ پر حملہ آور ہو چکے تھے۔ چنانچہ سنہ ۱۰۵ھ میں مذکور ہے۔

حدثنا احمد بن عمرو بن السرح نا
ابن وهب عن حمدة بن شليم و ابن طهينة
عن يزيد بن الوحيب عن اسلم ابي
عمران قال غزونا من ايام يزي
سلم ابى عمران کا بیان ہے کہ ہم مدینہ نبوی سے جہاد کے
لئے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئے، اس وقت
امیر جیش حضرت عبدالرحمن بن خالد بن الولید رضی
اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔ وہی فوج شہر مذکور

القسطنطينية وعلى الجماعة

عبد الرحمن بن خالد بن الوليد

والروم ملصقو ظهورهم بحائط

المدينة فحمل رجل على العدو

فقال الناس ممد لا اله الا

الله يلقي بيديه الى التهلكة

نقال ابو ايوب انما انزلت

هذه الآية فيما معاشر

الانصار لما نصر الله نبيه

صلی اللہ علیہ وسلم واظهر

الاسلام قلنا هلم نقيم في

اموالنا ونصلحها فانزل الله

عز وجل وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ

الله وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى

التَّهْلُكَةِ فَلَا لِقَاءَ بَايِدِينَ

إِلَى التَّهْلُكَةِ إِنْ نَقِمَ فِي

اموالنا ونصلحها ونذع الجهاد

قلل ابو عمران قلعة يزل

ابو ايوب يجاهد في سبيل الله

عز وجل حتى دفع بالقسطنطينية

باب في قوله عز وجل وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

پشت لگٹے مسلمانوں سے آمادہ پیکار تھی۔ اسی اشارہ میں

مسلمانوں کی صف میں سے نکل کر ایک شخص نے دشمن

رک فوج پر حملہ کر دیا۔ لوگ کہتے رہے ”رکور کولہ لا اللہ الا اللہ“

یہ شخص تو خود اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال

رہا ہے“ یہ سن کر حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ

تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے

میں اتری ہے۔ (واقعہ یہ ہے کہ جب حق تعالیٰ نے اپنے

نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مدد فرمائی اور اسلام کو

غلبہ نصیب فرمایا تو ہم نے کہا تھا کہ اب تو ہم کو مدینہ میں بکھر

اپنے اموال کی خبر گیری اور ان کی اصلاح کی طرف توجہ

دینا چاہیے۔ اس پر اللہ عز وجل نے یہ آیت شریفہ نازل

فرمائی وَانْفِقُوا فِي سَبِيلِ الله لَا يَبْرَأَ الله تَعَالَىٰ كِ

راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو

لہذا اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا تو جہاد کو چھوڑ کر

ہمارے اپنے اموال کی خبر گیری اور اس کی اصلاح

کے خال سے اپنے گھر میں بیٹھ رہنا

تھا۔

ابو عمران کہتے ہیں کہ حضرت ابو ایوب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلسل راہ خدا میں جہاد ہی کرتے

رہے تا آنکہ آپ دین بھی قسطنطنیہ ہی میں ہوئے۔

باب في قوله عز وجل وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ

اور اسی غزوہ کا وہ واقعہ ہے جس کو امام ابو داؤد ہی نے "کتاب السنن" کے "باب فی قتل" الاسیر بالنبل میں بایں الفاظ نقل کیا ہے۔

حدیثنا سعید بن منصور ثنا
عبد اللہ بن وہب قال أخبرنی
عمرو بن الحارث عن بکیر بن
الزبیر عن ابن تعلی قال غزونا
مع عبد الرحمن بن خالد بن
الولید فأتی باربعة أعلام
من العدو فأمر بهم فقتلوا
صبراً قال ابو داؤد قال لنا
غیر سعید عن ابن وهب فی هذا
الحديث قال بالنبل صبراً
فبلغ ذلك أبا یوب الانصاری
فقال سمعت رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم یخبر عن قتل الصبر
فوالذی نفسی بیدہ لو کان
دجاجة ما صبر تھا
فبلغ ذلك عبد الرحمن بن
خالد بن الولید فأتی
أربع أعلام

ابن تعلی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عبد الرحمن بن خالد
بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ساتھ جہاد میں
شریک تھے (اسی مہم میں) ان کے سامنے دشمن
کے چار بیٹے کئے شخص پیش کئے گئے جن کے قتل
کرنے کا انہوں نے حکم دیا۔ اور عیسیٰ حکم میں ان کو
باندھ کر قتل کروا ڈالا۔ امام ابو داؤد فرماتے ہیں کہ ہم
سے ہماری اساذ سعید بن منصور کے علاوہ ایک دوسرے
صاحب نے ابن وہب سے اس حدیث میں یوں
نقل کیا ہے کہ ان چاروں کو باندھ کر تیروں کا ہدف
بنایا گیا تھا جب اس امر کی خبر حضرت ابوالیوب
انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوئی تو آپ نے فرمایا
کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے
کہ آپ اس طرح باندھ کر قتل کرنے سے منع فرماتے
تھے پس قسم ہے اس ذات عالی کی کہ جس کے قبضہ
قدرت میں میری جان ہے اگر کوئی مرغی بھی ہو تو
میں اس کا اس طرح باندھ کر نشاء نہ لوں۔ پھر آپ کے
اس فرمانے کی اطلاع جب حضرت عبد الرحمن بن خالد
بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو پہنچی تو انھوں نے
اس کے قتلے میں چار غلام آزاد کئے۔

حضرت عبدالرحمن بن خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بعض محدثین نے صفار صحابہ میں ذکر کیا ہے یہ بھی اپنے والد بزرگوار حضرت سیف اللہ خالد بن الولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح شجاع و دلیر تھے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے "الاصابہ فی تہذیب الصحابہ" میں ان کا مفصل ترجمہ لکھا ہے۔ اور ساتھ ہی یہ بھی تصریح کر دی ہے کہ

انخرج ابن عساکر من طرق كثيرة حافظ ابن عساکر نے بہت سی سڑوں سے نقل کیا کہ حضرت معاذ بن
اندکان یؤثر علی غن و رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہادر حکومت میں ان کو رد میوں سے جنگیں
الروم ابام معادیہ لڑی جاتی تھیں ان میں امیر بتایا جاتا تھا۔

امام ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں ۳۳۳ھ اور ۳۳۴ھ کے واقعات کے ضمن میں اور حافظ ابن کثیر نے "البدایہ والنہایہ" میں ۳۳۳ھ اور ۳۳۴ھ ہجری کے واقعات کے ذیل میں بلاد روم میں ان کی زیر اثر دیوینک مسلمانوں کے سرمانی جہاد کا ذکر کیا ہے افسوس ہے کہ ۳۳۳ھ ہجری ہی میں ان کو حمص میں نہ ہر دے کر شہید کر دیا گیا تھا یہ اپنے غر و ات و جہاد کی وجہ سے شامی مسلمانوں میں بڑے محبوب و با اثر تھے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ یزید کو ۳۳۳ھ ہجری یا اس کے بھی کئی سال بعد ۳۳۴ھ یا ۳۳۵ھ میں قسطنطینیہ کی مہم پر روانہ ہوا تھا۔ اور یہ اس سے برسوں پہلے قسطنطینیہ کی شہر پناہ پر جنگ کو چکے ہیں۔ سردست ہم "غزوہ قسطنطینیہ" کے سلسلہ میں اسی قدر بحث پر اکتفا کرتے ہیں۔ زندگی بخیر رہی اور حق تعالیٰ نے توفیق دی تو تفصیلی بحث اس حدیث پر انشاء اللہ تعالیٰ آپ ہماری کتاب "یزید کی شکل و صورت حدیثوں کے آئینے میں" میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ یہ بھی یاد رہے کہ شارح بخاری، مہلب المتوفی ۳۲۴ھ جنھوں نے سب سے پہلے یہ شوشہ پھوڑا ہے کہ حدیث بخاری سے یزید کی منقبت نکلتی ہے۔ اندس میں مالقہ کے قاضی تھے اور اندلس میں اس زمانے میں خلفاء بنی امیہ کا آخری تاجدار ہشام بن محمد المعتمد علی اللہ فرمانروا تھا۔ اس لئے موصوف کی یہ ساری کارگزاری جیسا کہ محدث قسطلانی نے شرح بخاری (صفحہ ۱۸) میں تصریح کی ہے بنی امیہ کی حیات میں تھی۔

یزید کا عقیدہ اور عمل دونوں خراب تھے | خلاصہ بحث یہ ہے کہ یزید علیٰ اہل سنت و جماعت کی تحقیق کے مطابق عقیدہ اور عمل دونوں کے اعتبار سے تھا خراب آدمی تھا اس کے عقیدہ میں دو خرابیاں تھیں۔

(۱) "ناصبیت" یعنی حضرت علیؑ اور حضرات حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے عداوت۔ چنانچہ حضرت نانوئی رحمہ اللہ تعالیٰ کی یزید کے بارے میں تصریح ہے کہ "از رو سائے نواصب است" لے

اور مورخ اسلام حافظ شمس الدین ذہبی رحمہ اللہ تعالیٰ سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں۔

یزید بن معاویۃ کان ناصبیاً فظاً غلیظاً یزید بن معاویہ: ناصبی تھا سنگدل بد زبان

جلفاً یتناول المسکرو یفعل المنکر افتخ غلیظ جفا کار سے نوش بدکار۔ اس نے اپنی حکومت

دولتہ بقتل الشہید الحسین رضی اللہ عنہ کا افتلاح حسین شہید رضی اللہ عنہ کے قتل سے کیا

عندہ واختتمها بوقعة الحرة فمقتة النہا اور اختتام و اتم حرقہ کے قتل عام اپنے اسی لوگوں

ولہو ببارک فی عمرہ ونحرج علیہ غارہ احد نے اس پر پھینکا کتبھی اور اس کی عمر میر برکت نہ

بعد الحسین رضی اللہ عنہ کا اہل المدینہ ہو سکی حضرت حسینؑ کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے

نکدہ (الروض الباسم فی الذب عن سندہ خلاف محض الشریعۃ فی اللہ خروج کیا جیسے کہ حضرات

ابی القاسم ج ۲ ص ۳۶ طبع منیریہ مصر) اہل مدینہ نے رضی اللہ تعالیٰ عنہم

(۲) "ارجاء" یعنی "ناصبی" ہونے کے ساتھ "مرجی" بھی تھا چنانچہ سوال اول کے

جواب میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصریح اس کے بارے میں گزر چکی ہے اور

"ارجاء" کی تفصیل بھی وہیں مذکور ہے۔ اور رہی اس کی بد عملی سوا اس کے اعمال قبیحہ

اور حرکات شنیعہ کی تفصیل سے اس مقالہ کے ادراک پر ہر بیباک ہی سوچ لیجئے کہ ایسے

نابکار و نالائق شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گنا گنا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے ؟

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ یزید سے محبت کے بارے میں

و اما ترک محبتہ فلان المحبة
الخاصة انما تكون للنبیین
والصدیقین والشهداء والصالحین
دلیل واحد منهم وقد قال
النبی صلی اللہ علیہ وسلم
المرء مع من احب
ومن آمن بالله والیوم الآخر
لا یختار ان یمکن مع
یزید ولا مع امثاله من
الملوک الذین لیسوا بالعدلین
(مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ)

ج ۳ ص ۸۳

روافض و نواصب دونوں راہ ہدایت سے دور ہیں

کیا ہے۔ ارتداد ہے۔

اصحابی کا لجزم باہم اقتدیم
اقتدیتم ردواہ رزینے

حافظ ابن تیمیہ نے ٹھیک ہی لکھا ہے کہ
یزید سے محبت نہ رکھنے کی وجہ یہ ہے کہ
محبت خاص کر انبیاء و صدیقین و شہداء و
صالحین سے رکھی جاتی ہے اور یزید کا شمار
ان میں سے کسی زمرہ میں بھی نہیں
علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ انسان کا حشر ان
ہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اسے محبت ہوگی
اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت
پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند ہی
نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا
اس جیسے بارشاپروں کے ساتھ ہو جو عادل
نہیں تھے۔

افیر میں اہم اتنا اور عرفی کریں گے کہ
احادیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ
علیہم اجمعین کو لجزم ہدایت بتایا

بہر صحابہ ستاروں کی مانند ہیں ان میں سے جس کی
اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔ اس راہ

(مشکوٰۃ باب مناقب الصحابة) کو دزین نے نقل کیا ہے۔

(الفصل الثالث)

اور اہل بیت عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو کشتی نوح سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جو اس میں سوار ہوگا بجز ضلالت میں غرق ہونے سے بچے گا ارشاد ہے کہ

الا ان مثل اهل بیته فیکم

مثل سفینة نوح من رکبها

نجى، ومن تخلف عنها

هدک رواہ احمد اشکوٰۃ

باب مناقب اهل بیت النبى

صلی اللہ علیہ وسلم الفصل الثالث

یاد رکھو میرے اہل بیت کی مثال تمہارے

لیئے الیسی ہی ہے جیسے حضرت نوح علیہ

السلام کی کشتی تھی کہ جو اس میں سوار

ہوا اُس نے نجات پائی اور جو اس میں

سوار ہونے سے رہ گیا وہ ہلاک ہوا

اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا ہے

مطلب صاف ہے جو لوگ "سفینہ اہل بیت" سے دور رہے جیسے خوارخ اور

نواصب کہ "اہل بیت" کے دشمن ہیں ان کو کافر کہتے اور ان سے لعن و عنار رکھتے

ہیں وہ آول دہلہ ہی میں غرق دریا ئے ضلالت ہوئے اور جو کشتی میں تو سوار ہوئے

مگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ضیا پاشی سے کہ بخم ہدایت ہیں انہوں نے رہنمائی حاصل

نہ کی جیسے روافض ہیں تو اندھیرے اور تاریکی کی وجہ سے عین مہجہ میں جا کر ان کی

کشتی بجز ضلالت میں غرقاب ہوئی اور اہل سنت و جماعت امام فخر الدین رازی کے

الفاظ میں

نحن معاشر اهل السنة

بحمد الله رکبنا سفینة

محبة اهل البيت راہتدینا

بنجم ہدی اصحاب النبى صلی

ہم گروہ "اہل سنت" بحمد اللہ محبت اہل

بیت کے سفینہ میں سوار ہیں اور اصحاب

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بنجم ہدایت سے

رہنمائی حاصل کرتے ہیں اس لئے امیدوار

اللہ علیہ وسلم فنور النجاة
من احوال القیامۃ وشرکات
المحجیم والہدایہ الی ما یوجب
درجات الجنان والنعیم المقیم
ہیں کرتیامت کی ہر لٹاکیوں اور جہنم کے
طبقات سے ہمیں نجات ملے گی اور وہ
ہدایت ہمیں عطا ہوگی جو جنت کے
درجات اور دائمی نعمت کو واجب
کرتی ہے۔

محدث ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مرتبہ شرح مشکوٰۃ میں حدیث سفینہ نوح
کی شرح میں امام رازی کی تفسیر کبیر سے ان کی یہ عبارت نقل کی ہے یزید پلیدی نے نہ
اہل بیت نبوی کی لاج رکھی نہ صحابہ کرام کی اس لیے اب جہاں سنت کے زمرہ سے
خارج ہو کر لواصب کے گرد و شتادت پڑ رہے ہیں داخل ہونا چاہتا ہے وہ شوق سے
یزید پر اپنی جان بچھا دے کرے اپنا مال نثار کرے اور اس کی مداحی کو اپنا شعار بنائے۔
ان ساری تفصیلات سے اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ سائل
نے استفسار میں جو بارہ سوالات قائم کیے ہیں وہ سب وہی تباہی شہادت پر مبنی
ہیں۔ واقعہ میں ان کی کوئی اصل نہیں ہے اور ان سے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کی توہین ذلیل اور تمحیق و تجہیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ایسے امور کو حقائق
بار کرنے والا پکا ناموسی فاسق اور بدعتی ہے اور اہل سنت کے زمرہ سے خارج اور
واجب التقریر ہے ایسا شخص نہ امامت کے لائق ہے نہ خطاب کے اس کے پیچھے
نماز مکروہ تحریم اور واجب الاعداء ہے۔

واللہ اعلم بالصواب والحمد للہ اولاً و آخراً

کتبہ الفقیر الی اللہ تعالیٰ محمد عبد الرشید النعمانی غفر اللہ ذلہ

خلافت اور ملکیت کے بارے میں فکر اسلامی کے دھارے کو بہانے کی کوشش

اہل سنت کیلئے لمحہ فکریہ

حافظ ابن حزم اندلسی رحمہ اللہ تعالیٰ المتوفی ۵۰۶ھ نے شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حادثہ کربلا، واقعہ حرہ، حصار کعبہ و قتل ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان چاروں جان گسل واقعات کو اسلام کے چار رخنوں سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ شہادت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرکز کا احترام ختم ہوا، اور خلافت کا رعب داب اُٹ گیا، حادثہ کربلا سے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت خاک میں ملی، واقعہ حرہ سے مَدینۃ الرسولؐ کی بے حرمتی ہوئی، قتل ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے کعبہ کی عزت کو داغ لگا۔ غرض ان چاروں ہنگاموں میں ناحق کوششوں نے وہ قیامت برپا کی کہ خدا کی پناہ، خلیفۃ الرسول، عترت پیغمبر اور اصحاب نبی سب کا بے دریغ خون بہایا۔ اور حرم نبی، خانہ کعبہ جملہ شعائر اسلام کی عظمت کا ذرہ برابر باقی نہ رہا۔

ان چاروں حادثات کے بارے میں ماصبیوں کا موقف یہ ہے کہ وہ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذمہ دار حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیتے ہیں اور حادثہ کربلا کا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اور واقعہ حرہ کا ان صحابہ کرام کو جنہوں نے یزید کی اطاعت سے انحراف کیا تھا اور حصار کعبہ کا حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے امداد خلافت کو، شیعہ مروانیہ کا ایمان و عقیدہ ہی ہے۔ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہیں بلکہ خلافت کے غاصب تھے اور مسلمانوں

کے خون سے بھولی کھیلنے والے، حضرت حسینؑ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور وہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم جو حادثہ حرہ اور حصار کعبہ کے خونی ہنگاموں میں یزید اور عبدالملک بن مروان کی تیغ مستقیم کا نشانہ بنے شہید نہیں۔ بلکہ خلافت کے باغی تھے جو اپنی بغاوت کی پاداش میں کیفر کردار کو پہنچے۔ شیعہ مردانہ کا یہ نظریہ مردانیوں کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو گیا تھا۔ لیکن محمود امد عباسی نے کتاب خلافت معاویہ و یزید لکھ کر اس فتنہ کو پھرنے سے سرے سے زندہ کرنے کی کوشش کی جسے اب سبھی اور منظر صدیقی نے اس فتنہ کو ہوا دی ہے اس کتاب کے شائع ہونے سے ملک میں ایک نازہ فتنہ "ناصبیت" کا پیدا ہو گیا ہے جس سے اب تک ہندو پاک کی سرزمین یکسر پاک تھی، اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ملک کا اچھا خاصہ سنجیدہ پڑھا لکھا طبقہ بھی اس فتنہ کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکا، اور اب تو بہت سے عقول میں اس کو ایک تاریخی ریسرچ کا درجہ حاصل ہے۔

یہ کتاب سراسر فریب، خداع، تبلیغ اور کذب و افتراء کا مرکب ہے۔ اس نام نہاد نازکی ریسرچ کے چار ماتخذ ہیں۔

(۱) مستشرقین کی تصریحات، جن کو مولف جا بجا آزاد اور بے لاگ محققین کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اور ہر باب میں ان کے اقوال کو تولد فیصل سمجھتے ہیں۔

(۲) شیعہ مورخین جن کے کذب و افتراء کا جا بجا ڈھنڈورا پیٹنے کے باوجود مولف ہر جگہ ان سے اپنے مطلب کی بات کہیں ان کی عبارت میں قطع و سرید کر کے اور کہیں بغیر اس کے ہی لے لیتے ہیں۔

(۳) بعض وہ مستشرقین جن پر ناصبیت کا الزام ہے اور وہ اہل بیت سے خوف رکھتے ہیں

قیامت را شدہ کے بعد ملکویت کا دور شروع ہوا اور "خلافت علی مرتضیٰ ج السنت" باقی
 نہیں رہی۔ گاڑی کو صحیح پٹری پر ڈالنے کی جو کوششیں کی گئیں اسلاف کے
 نزدیک وہ کوششیں صحیح تھیں۔ ائمہ اربعہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز محدث
 دہلوی اور شاہ ولی اللہ تک سب کا مسلک یہی رہا ہے۔ اسی متفقہ موقف کی
 حمایت اور لگاری شذوذ و انحراف پر علمی نقداں کتاب کا موضوع ہے۔